فسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون
إنما شفاء العي السؤال
احسن الفتاویٰ
بحذف مکررات و تخریجات فرائض مسائل غیر مہمہ
جلد ۶
(از)
فقیہ العصر مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی

نام کتاب ــــــــــ احسن الفتاویٰ

جلد ــــــــــ ششم

زیر اہتمام ــــــــــ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ضخامت ــــــــــ ۵۵۰ صفحات

کتابت ــــــــــ منشی محمد ذوقی محمود آباد

تعداد ــــــــــ ایک ہزار

پریس ــــــــــ ایجوکیشنل پریس کراچی

طبع اول ــــــــــ سنہ ۱۴۱۵ھ

طبع چہارم ــــــــــ سنہ ۱۴۲۵ھ

ملنے کا پتہ

ایچ ایم سعید کمپنی

ادب منزل پاکستان چوک کراچی

فہرست مضامین احسن الفتاوی جلد ششم

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ
بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ
یُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ
وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللّٰہِ فَاسْتَبْشِرُوْا
بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ
الْعَظِیْمُ ○ (۹ : ۱۱۱)

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَ
اَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ
تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ
اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا
حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ
الْفٰسِقِیْنَ ○ (۹ : ۲۴)

يٰايها الذين امنوا ما لكم اذا قيل لكم انفروا
في سبيل الله اثاقلتم الى الارض ارضيتم
بالحيوة الدنيا من الاخرة فما متاع الحيوة
الدنيا في الاخرة الا قليل ○ الا تنفروا يعذبكم
عذابا اليما ويستبدل قوما غيركم ولا تضروه
شيئا والله على كل شيء قدير ○ الا تنصروه فقد
نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثاني اثنين
اذ هما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن
ان الله معنا فانزل الله سكينته عليه و
ايده بجنود لم تروها وجعل كلمة الذين
كفروا السفلى وكلمة الله هي العليا والله
عزيز حكيم ○ انفروا خفافا وثقالا و
جاهدوا باموالكم وانفسكم في سبيل الله
ذلكم خير لكم ان كنتم تعلمون ○ لو كان
عرضا قريبا وسفرا قاصدا لاتبعوك ولكن
بعدت عليهم الشقة وسيحلفون بالله لو
استطعنا لخرجنا معكم يهلكون انفسهم والله
يعلم انهم لكذبون ○ (۹ : ۳۸ تا ۴۲)

کتاب الجہاد

دار الحرب سے ہجرت کا حکم:

سوال: مسلمانان برما پر جو ظلم و ستم ہو رہا ہے واضح ہے، منجملہ اس کے اسلام کے رکن اعظم حج پر پابندی ہے، اس صورت میں مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں دین یا جان یا عزت یا مال محفوظ نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے، مطلق دار الحرب ہونا موجب ہجرت نہیں، اگر برما میں مسلمانوں کی جان یا مال محفوظ نہیں یا نماز، روزہ یا قربانی وغیرہ شعائر اسلام پر پابندی ہو تو ہجرت فرض ہے، صرف حج پر پابندی کی وجہ سے ہجرت فرض نہیں، اس لئے کہ حج کا ارادہ ظاہر کئے بغیر بھی حج ادا کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حج فرض نہیں، صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرے سے حج کرانا فرض ہے، اس کے بعد عذر ختم ہو جائے تو خود حج کرنا فرض ہے، تصحیح میں اختلاف ہے، اکثر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے قول صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کو اختیار فرمایا ہے، علاوہ ازیں احوط بھی یہی ہے، یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ حکومت کی طرف سے پابندی کے بعد حج فرض ہوا ہو، اگر پابندی سے پہلے حج فرض تھا تو بالاتفاق دوسرے سے حج کرانا فرض ہے، قال فی العلائیۃ غیر محبوس وخائف من سلطان یمنع منه، وفی الشامیۃ فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشیخ کبیر لا یثبت علی الراحلۃ بنفسه واعمی وان وجد قائدا ومحبوس وخائف من سلطان لا بانفسهم ولا بالنیابۃ فی ظاهر المذهب وهو روایۃ عنهما وظاهر الروایۃ عنهما وجوب الاحجاج علیهم ویجزیهم ان دام العجز وان زال

آخذا وإن نفقتهم والى محل انه من شرائط الوجوب عنده ومن شرائط وجوب الأداء عندهما وثمرة الخلاف تظهر في وجوب الإحجاج والإيصاء كما ذكرنا وهو مقيد بما اذا استمر المرض على العجز وهو صحيح فان قدر ثم عجز قبل الخروج الى الحج تقرر دينا في ذمته فيلزمه الإحجاج اتفاقا قوله وظاهر التحفة اختيار قولهما وكذا الإسبيجابي وقواه في الفتح ومشى على ان الصحة من شرائط وجوب الأداء هو من البحر والنهر وحكى في اللباب اختلاف التصحيح وفي شرحه انه مشى على الأول في النهاية وقال في البحر العميق انه المذهب الصحيح وان الثاني صححه قاضي خان في شرح الجامع واختاره كثير من المشايخ ومنهم ابن الهمام (رد المحتار ص ۴۶۵ ج ۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱۵ رمضان ۸۳ھ

دار الحرب سے اسمگل کرنا:

سوال: برما جو کافروں کی حکومت ہے اس کی سرحد کے متصل مسلمانوں کی حکومت ہے جس میں بہت سے مسلمان اسمگل کرتے ہیں، جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ اسمگل کرنا جائز نہیں تو وہاں کے بعض علماء جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ برما دار الحرب ہے، دار الحرب سے دار الاسلام میں اسمگل جائز ہے، ان کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر برما کے مسلمانوں اور حکومت کے درمیان علانیہ محاربہ نہیں تو وہاں سے مال اسمگل کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم ۱ جمادی الاولیٰ ۹۳ھ

دار الحرب کے مسلمانوں کو حکومت مسلمہ کا مقابلہ کرنا جائز نہیں:

سوال: کافروں کی فوج میں مسلمان فوج بھی ہو اور یہ مسلمان فوج دوران جنگ کسی مسلم ملک پر حملہ کرے، یہ مسلم فوج جو کفار کی طرف سے لڑ رہی ہے، اگر مسلمانوں کے ہاتھ سے ماری جائے تو کیا یہ شہید ہوں گے؟ کیونکہ یہ مجبور ہیں، گورنمنٹ کافر کے ملازم ہیں، حکم کی تعمیل کرنی پڑتی ہے، یا یہ مسلم فوج آیت کریمہ ومن یقتل مؤمنا متعمدا الآیۃ کے تحت جہنمی ہوں گے؟ یعنی ایسے ملازمین جب بھی اور مرنے کے بعد بھی شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کفار کی فوج میں اگر مسلم جائے تو وہ باغی ہوتا ہے، اس کے ہاتھ سے حکومت

مسلمان کا کوئی فوجی مرجائے تو وہ شہید ہے، اور اسے حکومت مسلمہ کا فوجی قتل کردے تو یہ شہید نہیں، یہ مجبور نہیں، اسے اختیار تھا کہ حکومت کافرہ کی فوجی ملازمت نہ کرے، اگر کافر حکومت کی طرف سے جبر ہو تو بھی مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلنا حرام ہے، اگر حکومت کی طرف سے سزائے موت کی تہدید ہو تو بھی قتل مسلم جائز نہیں، حکومت نے اسے قتل کردیا تو شہید ہوگا، قال فی شرح التنویر: ورخص له اتلاف مال مسلم او ذمی باکراه بقتل او قطع ویؤجر لو صبر ابن ملک (الی قوله) لا یرخص قتله او سبه او قطع عضوه وما لا یستباح بحال کخنزیر، وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی (قوله او سبه) مخالف لما فی القهستانی عن المضمرات من انه بالملجئ یرخص شتم المسلم وانه لو اکره علی الافتراء علی مسلم یرجی ان یسعه کما فی الظهیریة اھ وقال فی التاترخانیة الا تری انه لو اکره بمتلف ان یفتری علی الله تعالی کان فی سعة فهذا اولی الا انه علق الاباحة بالرجاء وفی الافتراء علی الله لم یعلق لان هناک ثابتة بالنص وهنا ثبت دلالة قال محمد رحمه الله تعالی عقیب هذه المسألة الا تری انه لو اکره بوعید تلف علی شتم محمد صلی الله علیه وسلم کان فی سعة من شتمه الله تعالی وطریقه ما قلنا ولو صبر حتی قتل کان ماجورا وکان افضل اھ (قوله او قطع عضوه) ای ولو اذن له المقطوع غیر مکره فان قطع فهو آثم ولا ضمان علی القاطع ولا علی المکره ولو اکره علی القتل فاذن له فقتله اثم والدیة فی مال الآمر تاترخانیة لکن فی الخانیة قال له السلطان اقطع ید فلان والا لاقتلنک وسعه ان یقطع وعلی الآمر قصاص عندهما والروایة عن ابی یوسف رحمه الله تعالی اھ ثم رأیت الطوری وفق بانه ان اکره علی القطع باغلظ منه وسعه وان بقطع یده فلا تأمل وأتی بضمیر الغیبة العائد علی غیره لما فی الهندیة اکره بالقتل علی قطع ید نفسه وسعه ذلک وعلی المکره القود ولو علی قتل نفسه فقتل فلا شیء علی المکره اھ (رد المحتار ص ۲۹۴ ج ۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب سنہ ۹۳ھ

خلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

سوال: جماعت اسلامی کے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حقیقی

خلیفہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، مگر معاویہ نے جبراً قبضہ کرلیا، اور اپنی حکومت کے زمانہ میں طرح طرح کے مظالم کرتے رہے، اس کا جواب تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ عقیدہ دراصل شیعہ کا ہے، جماعت اسلامی کے بانی مودودی صاحب بھی ماڈرن شیعہ تھے، تفصیل کے لئے میرے رسالہ "مودودی صاحب اور تخریب اسلام" ملاحظہ ہو۔

کاش کہ شیعہ لوگ خود اپنی ہی کتابوں کے آئینہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام دیکھ لیں، ذیل میں چند حوالے درج کئے جاتے ہیں:

① حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی: فرأیت ان اسالم معاویۃ واضع الحرب بینی وبینہ وبایعتہ (کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ مطبوع ایران ص ۱۷۰) لما صالح الحسن بن علی بن ابی طالب معاویۃ بن ابی سفیان دخل علیہ الناس فلامہ بعضہم علی بیعتہ فقال ویحکم لا تدرون ما عملت واللہ الذی عملت خیر لشیعتی (احتجاج طبرسی ص ۱۶۲)

② حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کی، سمعت ابا عبد اللہ علیہ السلام یقول ان معاویۃ کتب الی الحسن بن علی صلوات اللہ علیہما ان اقدم انت والحسین (الی قولہ) فقال معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حسن قم فبایع فقام فبایع ثم قال للحسین علیہ السلام قم فبایع فقام فبایع (رجال کشی مطبوع کربلا ص ۱۰۲، بحار الانوار مطبوع ایران ص ۱۲۴ ج ۱۰) بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کا بھی عزم ظاہر فرماکر یزید کی خلافت کو تسلیم کرچکے تھے، مگر آپ کو مہلت نہ دی گئی: اما ان اضع یدی فی ید یزید (طبری ص ۳۱۳ ج ۴، البدایۃ والنہایۃ ص ۱۷۰ ج ۸) کتب شیعہ میں سے الشافی مطبوع ایران ص ۱۷۱ میں بھی یہ روایت منقول ہے، علاوہ ازیں یزید کی حکومت کے تحت جہاد کے لئے جانے کی درخواست پیش کرنے کی روایت سے کسی کو انکار کی مجال نہیں، اور یہ خلافت یزید کو تسلیم کرنے کی واضح دلیل ہے۔

③ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھاکر فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے لئے تمام شیعوں سے بہتر ہیں، عن زید بن وہب الجہنی قال لما طعن الحسن

بالدین الذی ابتغیہ وهو متوجع فقلت ماتری یا ابن رسول اللہ فان الناس متحیرون فقال اری واللہ ان معاویۃ خیر لی من هؤلاء یزعمون انهم لی شیعۃ (احتجاج طبرسی ص ۱۴۸)

(۷) حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک بار پندرہ لاکھ درہم دیئے = ۴۰۳۰۰ تولہ چاندی اور ایک بار چار لاکھ درہم دیئے = ۱۰۷۴۸ تولہ چاندی، اور ایک لاکھ درہم = ۲۰۰۲۳ تولہ چاندی مستقل سالانہ وظیفہ دیتے تھے (تاریخ ابن عساکر ص ۲۱۲ ج ۴)
شیعہ مجتہد محمد حسین عرف ڈھکو نے اس کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شرائط صلح میں سے ایک شرط کے تحت گذارہ الاؤنس تھا (تجلیات صداقت ص ۲۹۲)

مذہب شیعہ میں امام معصوم ہوتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ ظالم، فاسق اور غاصب تھے، سوال یہ ہے کہ امام معصوم کے لئے ظالم و غاصب خلیفہ کے بیت المال سے یہ رقوم وصول کرنا کیسے حلال تھا؟ کئی من چاندی کی مقدار میں دراہم اور سالانہ ایک لاکھ درہم مستقل طور پر وصول کرتے رہنے کی شرط منوا کر خلافت جیسی خدائی امانت ظالم و فاسق کے حوالہ کر کے خود راحت و آرام کی زندگی بسر کرنا اور گذارہ الاؤنس کے عوض امت پر ظالم حکمران کا تسلط قبول کر لینا عصمت امام کے خلاف نہیں؟ غرضیکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے انکار درحقیقت حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر خیانت کا الزام قائم کرنا ہے۔

واللہ الملہم من جمیع الفتن

۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

شرائط جہاد:

سوال: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے آپ کی عمر میں برکت عطاء فرمائے، آمین۔ آپ سے مندرجہ ذیل مسائل دریافت کئے جا رہے ہیں، امید ہے دلائل کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں گے، اس وقت ارکان صوبہ برما میں مسلمانوں کی زبوں حالی قابل رحم ہے، ۱۹۴۷ء سے بدھسٹوں نے قتل و غارتگری، پردہ نشین خواتین کی عصمت دری، املاک اور جائداد چھین کر مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا ہے، علماء کرام کے ذریعہ خزیر پر ندا یا گیا، ان کو قتل کر دیا گیا، داڑھیوں میں آگ لگائی گئی، مساجد کو بطور جیل یا مورچہ استعمال کیا گیا، اور بیشتر مساجد کو نذر آتش کیا گیا، ۱۹۷۱ء سے حج اور زیارت مقامات مقدسہ پر مکمل پابندی ہے، بڑی مشکل سے ایک سو درخواستوں میں سے دس کی اجازت دی جاتی ہے، مسلمانوں کے قومی اخبارات

دو پریسوں کو مقفل کردیا جن میں قرآن مجید اور اسلامی کتابیں چھپتی تھیں، ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف آمد و رفت مسلمانوں کے لئے قانوناً ممنوع ہے، علی الاعلان بدھسٹ حکومت اور یہ کہہ رہی ہے کہ داڑھی اور ٹوپی والوں کے لئے یہاں کوئی جگہ نہیں ہے، بدھسٹ بن جاؤ یا یہاں سے چلے جاؤ، علماء کو کرتہ پہنوا کر ان کے سامنے بدھسٹ عورتوں کو نچوایا گیا، اس طریقہ سے علماء اسلام اور اسلام کی ہتک کی گئی، اس وقت مسلسل خطوط بنگلہ دیش سے آرہے ہیں کہ ہماری جان و مال محفوظ نہیں ہے "ناگامن پریشن" نامی ایک انکوائری آئی ہے، جس میں ہر بستی کے نوجوانوں کو گرفتار کر کے کہاں بھیجا گیا؟ کوئی خبر نہیں، بوڑھے فردوں کو ایک کیمپ میں نوجوان عورتوں کو دوسرے کیمپ میں الگ الگ جمع کیا جاتا ہے، اور ہر بڑی آدمی اور امیگریشن کا عملہ کیمپوں میں جاکر عورتوں سے بدسلوکی اور آبروریزی کرتا ہے کوئی اعتراض کرتا ہے تو گولی کا نشانہ بنایا جاتا ہے، اس وقت شمالی ارکان کا "بوتھیڈانگ" نامی ٹاؤن شپ تقریباً مسلمانوں سے خالی ہوچکا ہے، تین تین بستیوں میں ایک آدھ گھرانہ رہ گیا ہے، باقی سب ہجرت کر کے بنگلہ دیش کی سرحد میں آگئے لیکن بنگلہ دیش والے ان کو جگہ نہیں دے رہے ہیں، واپس بھیج رہے ہیں، جو لوگ گھروں سے نکل آئے ان کے گھربار کافروں نے لوٹ لئے، غرض اس وقت شمالی ارکان میں قیامت کا سماں ہے، "روہنگیا فرائن محاذ" نامی ایک تنظیم ۱۹۷۲ء سے برمی حکومت سے مسلح جدوجہد کرنے اور اپنے مذہبی اور سیاسی حقوق منوانے کے لئے فوجی تیاری کر رہی ہے جو زیادہ تر برمی حکومت کے مسلمانوں، سرکاری اور ذیلی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبہ پر مشتمل ہے، کچھ لوگ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنے والے اور علماء کرام بھی ہیں، یہ تنظیم "الفتح" تنظیم آزادی فلسطین، "مورو نیشنل لبریشن فرنٹ" تنظیم آزادی فلپائن، اریٹیریا کی تنظیم آزادی، افغانی مسلمانوں اور تھائی لینڈ کے مسلمانوں کی تنظیموں کی نوعیت کی سی ہے، جو اس نازک وقت میں برمی حکومت سے مکمل تیاری کے بغیر ناقابل برداشت مظالم کے پیش نظر مسلح جدوجہد کرنے کا آغاز کر رہی ہے، مسلمانوں کی دعاء اور تعاون کی خواستگار ہے، اس میں کچھ علماء کرام کو شامل ہے، لہٰذا آپ کو زحمت دی جارہی ہے کہ خدارا ان سوالوں کے مدلل جوابات مرحمت فرمائیں:

① اس تنظیم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

② اس تنظیم کی مسلح جدوجہد پر جہاد کا اطلاق ہوگا یا نہیں؟

③ اس تنظیم کا سربراہ انگریزی تعلیم یافتہ ہے، مگر نماز روزہ کا پابند ہے، اور دینی مسائل

سے بھی کچھ واقفیت رکھتا ہے، کیونکہ ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ کم و بیش اردو سے واقف ہوتا ہے اور دینی کتابیں پڑھتا ہے، اس کو امام جہاد کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟

④ اس مسلح جد وجہد میں کسی کی موت ہو جائے تو شہید کہلائے گا یا نہیں؟

⑤ اس تنظیم کے ساتھ جانی اور مالی تعاون کرنا کیسا ہے اور اخلاقاً کیسا ہے؟

⑥ من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد، ومن قتل دون عرضه فهو شهيد، کیا یہ تینوں جملے حدیث ہیں؟ اگر حدیث ہیں تو کس کتاب میں ہیں؟

⑦ جن تنظیموں کا اوپر ذکر ہوا ان سب کا ایک ہی حکم ہے یا مختلف؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

① تا ⑤ مجھے اس تنظیم سے متعلق کوئی علم نہیں، کسی تنظیم کے ساتھ تعاون کے لئے دو شرطیں ہیں:

① اس کا طریق کار خلاف شرع نہ ہو۔

② کامیابی متوقع ہو۔

⑥ (سعید بن زید) رفعه من قتل دون ماله فهو شهيد ومن قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون أهله فهو شهيد. لأصحاب السنن (جمع الفوائد ص ۱ ج ۲)۔

⑦ دوسرے ممالک کی تنظیموں کے بارے میں اجمالاً اتنا علم ہے کہ ان کا طریق کار شریعت کے مطابق نہیں۔

مقامی علماء پر فرض ہے کہ عوام کو ترک منکرات کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کریں۔

قال الله تعالى: وكذلك نولي بعض الظالمين بعضا بما كانوا يكسبون ٥

وقال تعالى: ظهر الفساد في البر والبحر بما كسبت أيدي الناس ليذيقهم بعض الذي عملوا لعلهم يرجعون ٥

وقال: وما أصابكم من مصيبة فبما كسبت أيديكم ويعفوا عن كثير ٥ فقط والله تعالى أعلم۔

۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۹ھ

بضرورت جہاد ڈاڑھی منڈانا جائز نہیں:

سوال: جب کوئی شخص جہاد پر جائے تو اس کے لئے ڈاڑھی منڈوانا جائز ہے یا نہیں؟

قال وبهذا ظهر ما عند الفقهاء لا يخالف الفاظ كلا طائفة منها (الى قوله) ومن جملتها الشرح ما كان يعمل باخفاء منكرات دينهم وترك اظهارها كمنعهم عن اظهار الخمر والناقوس والنيران والاعياد ونحو ذلك ومنها ما يعمل باخفاء شعائر دينهم كاصواتهم بكنائسهم (اعلاء السنن ص ۳۳ ج ۱۲) فقط والله تعالیٰ اعلم۔

۴ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

دارالاسلام میں غیر مسلمین کو نئی عبادتگاہ بنانے کی اجازت نہیں:

سوال: کیا اسلامی ریاست میں غیر مسلم نئی عبادت گاہیں تعمیر کرسکتے ہیں؟ واضح رہے کہ نئی عمارت کی تعمیر مقصود ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر مسلمین کو دارالاسلام میں نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں، پرانی عبادت گاہیں باقی رکھ سکتے ہیں، ان کی مرمت بھی کرسکتے ہیں، مگر قدیم عمارت پر اضافہ نہیں کرسکتے، اسی طرح ان کا کوئی شہر فتح ہونے کے وقت اس میں اگر کوئی عبادت گاہ ویران تھی تو اسے از سر نو آباد کرنے کی اجازت نہیں۔ قال العلامة العثمانی رحمه الله تعالیٰ معرضا لاصحاب الحنفية: حدثنا عبد الله بن صالح عن الليث بن سعد حدثني توبة بن النمر الحضرمي قاضي مصر عمن اخبره قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا خصاء في الاسلام ولا كنيسة، رواه ابو عبيد في الاموال، وتوبة بن النمر قال الدارقطني كان فاضلا عابدا (تعجيل المنفعة) فالحديث حسن الاسناد مرسل، ويؤيده ما اخرجه البيهقي في سننه عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مرفوعا وموقوفا وصحح ابن عدي في الكامل عن عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعا باسناد ضعيف (زيلعي) وتعدد الطرق يقوي الحديث قوة،

حدثني ابو الاسود عن ابن لهيعة عن يزيد بن ابي حبيب عن ابي الخير قال قال عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه لا كنيسة في الاسلام ولا خصاء، رواه ابو عبيد ايضا وسنده حسن وابو الخير هو مرثد بن عبد الله اليزني المصري ثقة فقيه من رجال الستة (تقريب) ورواه ابن عدي عن عمر رضي الله تعالى عنه مرفوعا بلفظ لا يبنى كنيسة في الاسلام ولا يجدد ما خرب منها (الدراية تخريج الهداية) وسكت الحافظ عنه۔

وفي الحاشية وتجديد ما كان خربا مثل الهدم احداث ايضا فيمنع منه

وهو محمل ما رواه ابن عدی بلفظ ولا یجدد ما خرب منها واما ما کان عامرا عند الفتح وخرب بعده فتجدید بنائه لا استحداث فاشبه بناء بعضها اذا انهدم ورمّ شعثها فلا یرد علینا ما اورده الموفق فی المغنی ص ج ۸ (اعلاء السنن ص ج ۱۲)

وقال فی التنویر ولا یجوز ان یحدث بیعة ولا کنیسة ولا صومعة ولا بیت نار ولا مقبرة فی دار الاسلام ویعاد المنهدم من غیر زیادة علی البناء الاول (رد المحتار ص ج ۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۴ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

غیر مسلمین کے حلیہ اور لباس وغیرہ پر پابندی:

سوال: کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کفار کے نام تبدیل کرائے گئے تھے، یا ان کے حلیہ ولباس پر پابندی عائد کی گئی تھی؟ براہ کرم اس کا حوالہ تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں غیر مسلمین کے نام تبدیل کرنے سے متعلق کوئی روایت نظر سے نہیں گزری، البتہ حلیہ، لباس اور سواری وغیرہ سے متعلق پابندیاں تھیں:

قال العلامة العثمانی رحمه الله تعالی ان امیر المؤمنین عمر فی الصحابة رضی الله تعالی عنهم ثم عامة الائمة بعده وسائر الفقهاء جعلوا فی الشروط المشروطة علی اهل الذمة من النصاری وغیرهم فیما شرطوه علی انفسهم ان نوقر المسلمین ونقوم لهم من مجالسنا ان ارادوا الجلوس ولا نتشبه بهم فی شیء من ملابسهم قلنسوة او عمامة ونعلین او فرق شعر ولا نتکلم بکلامهم ولا نکتنی بکناهم ولا نرکب السروج ولا نتقلد السیوف ولا نتخذ شیئا من السلاح ولا نحمله ولا ننقش خواتیمنا بالعربیة ولا نبیع الخمور وان نجز مقادم رؤسنا وان نلزم زینا حیثما کنا وان نشد الزنانیر علی اوساطنا وان لا نظهر الصلیب علی کنائسنا وان لا نظهر صلیبا ولا کتبا فی شیء من طرق المسلمین ولا اسواقهم ولا نضرب بنواقیسنا فی کنائسنا الا ضربا خفیفا ولا نرفع اصواتنا مع موتانا ولا نظهر النیران معهم فی شیء من طرق المسلمین رواه حرب باسناد جید کذا فی اقتضاء الصراط المستقیم للعلامة ابن تیمیة رحمه الله تعالی (اعلاء السنن ص ج ۱۲) وقال فی

بالتمییز ویمیز الذمی عنا فی زیہ ومرکبہ وسرجہ وسلاحہ فلا یرکب خیلا ویرکب سرجا کالاکف ولا یعمل بسلاح ویظہر الکستیج ویمنع من لبس العمامۃ وزنار الابریسم والثیاب الفاخرۃ المختصۃ باہل العلم والشرف (رد المحتار ص ۲۸۳ ج ۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۳ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

اسلامی ملک کی تعریف :

سوال : اسلامی ملک کی تعریف کے لئے قرآن وسنت پر عمل درآمد ضروری ہے یا صرف مسلمانوں کی آبادی کا ہونا کافی ہے؟ یعنی جس ملک میں قرآن وسنت کے عملی نظام کا نفاذ نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ ملک اسلامی ملک ہے یا غیر اسلامی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس ملک میں اگرچہ عملاً احکام اسلام کا نفاذ نہ ہو مگر تنفیذ احکام پر قدرت ہو وہ دارالاسلام ہے، اس معنی کے اعتبار سے اسلامی ملک بھی کہا جا سکتا ہے مگر ایسے ملک کی حکومت کو اس وقت تک حکومت اسلامیہ نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ وہ احکام اسلام کی تنفیذ نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

دارالامن کی تعریف :

سوال : دارالحرب کی کیا تعریف ہے؟ کیا کسی ملک کے نظام میں مسلمانوں کو صرف عبادات (نماز، روزہ) کی آزادانہ ادائیگی اس ملک کے دارالامن ہونے کے لئے کافی ہوگی جبکہ ملک کے عائلی قوانین مثلاً نکاح، طلاق میں مسلمان ان کے غیر اسلامی قوانین کی پابندی پر مجبور ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاں احکام اسلام کی تنفیذ پر قدرت نہ ہو وہ دارالحرب ہے، دارالحرب میں اگر مسلمانوں کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو اور عبادات محضہ پر کوئی پابندی نہ ہو تو یہ دارالامن ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ رجب سنہ ۱۴۰۱ھ

دشمن کے خطرہ سے خودکشی حرام ہے :

سوال : حالتِ جنگ میں جب اپنے شہید ہوجانے کا یقین ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ ہمارے مرنے کے بعد ہمارے بچوں اور عورتوں کو بھی شہید کردیں گے اور اُن کی آبرو بھی لوٹیں گے تو کیا اپنی عزت بچانے کی خاطر ہم خود اُن کو قتل کرسکتے ہیں؟ یا ایسے حالات میں عورت خودکشی کرلے تو جائز ہے یا نہیں؟ ۱۹۴۷ء میں ایسا ہوا ہے کہ کفار نے مسلمان عورتوں کو بے آبرو کرکے شہید کردیا یا اُن کو اپنے قبضہ میں رکھ لیا اور وہ عورتیں آج تک کفار کے قبضہ میں ہیں، اس وقت افغانستان کے حالات بھی سامنے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بچوں اور عورتوں کو خود قتل کرنا جائز نہیں، عورتوں پر خودکشی بھی حرام ہے، منجانب اللہ پیش آنے والے ہر قسم کے حالات پر صبر کرنا اور دین پر قائم رہنا اُن کے لئے بہت بڑا جہاد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۲۲ ربیع الاوّل سنہ ۱۴۰۰ھ

سیاست شریعت سے جدا نہیں :

سیاست دین میں داخل ہے یا اس سے الگ کوئی چیز؟ آج کل یہ نعرہ عام ہے کہ سیاست و حکومت کا دین سے کوئی تعلق نہیں، شریعت کی روشنی میں مسئلہ کا حل ارشاد فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

سیاست کے لغوی معنی تدبیر و اصلاح کے ہیں، شرعاً اور عقلاً اس کے تین شعبے ہیں :

(۱) اپنی ذات سے متعلق تدبیر۔

(۲) بیوی، اولاد اور اقارب و متعلقین سے متعلق تدبیر۔

(۳) پورے علاقہ یا ملک کی اصلاح و فلاح کی تدبیر۔

پھر اس اصلاح و تدبیر کے مختلف مدارج اور مختلف صورتیں ہوتی ہیں، مگر ایک مسلمان کے لئے صرف وہی تدبیر مفید و کارآمد ہے جو اس کی آخرت کے لئے نافع ہو کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے، لہٰذا اپنی ذات، اپنے اہل خانہ یا اپنے ملک

کے حق میں ایسی سیاست اختیار کرنا جو کسی حکم شریعت سے متصادم ہو ناجائز اور حرام ہے
ہاں! اگر شریعت کے دائرہ میں رہ کر سیاست وتدبیر کی جائے تو یہ اعلیٰ درجہ کی نیکی اور
ہر شخص پر حسب استطاعت فرض ہے کہ ایسی سیاست میں اپنی ذات اور عوام کی صلاح
وفلاح اور بہبودی مضمر ہے۔

مروجہ سیاست اور اس کے تمام طور طریقے چونکہ یورپ سے درآمد ہوئے ہیں لہٰذا
مغرب گزیدہ لوگوں نے یہ سوچ کر کہ ایسی سیاست کا دین اسلام سے کوئی جوڑ نہیں بیٹھتا،
اور دونوں ایک قدم بھی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، یہ نعرہ لگایا:

"دین و سیاست دو الگ الگ چیزیں ہیں"

جس کا مقصد ظاہر ہے کہ میدان سیاست میں کھلی چھوٹ ہے اس میں جتنا
جھوٹ بولو، فریب دو، دغا کرو سیاست میں سب روا ہے، اس کی بجائے اگر یہ
لوگ صاف صاف یہ نعرہ لگا دیتے:

"سیاست دان اور دیندار مسلمان دو الگ الگ مخلوق ہیں ایک کا دوسرے
سے کوئی جوڑ نہیں"

تو بہتر ہوتا، یورپ والوں کو تو یہ نعرہ زیب دیتا ہے کہ ان کے دین میں سیاست
کی کوئی گنجائش نہیں، حکومت وسلطنت کے لئے کوئی ہدایات نہیں، مگر ایک مسلمان
کی طرف سے اس قسم کا نعرہ درحقیقت اس الحاد وبے دینی کا اظہار ہے کہ ہمارے دین
میں بھی سیاست وحکومت کے لئے کوئی رہنما اصول نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
حیات طیبہ میں اس پہلو پر کوئی روشنی نہیں پائی جاتی تو اس لئے ہم سیاست کو دین سے
الگ رکھنے پر مجبور ہیں۔

اس کا کفر والحاد ہونا محتاج دلیل نہیں۔

خلاصہ یہ کہ سیاست دین سے جدا نہیں بلکہ دین حق کا ایک اہم شعبہ ہے، مروجہ
نعرہ مغرب پرست آخرت بیزار قسم کے لوگوں کا پھیلایا ہوا ہے۔ ع

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ رجب ۱۳۹۳ ہجری

اسلام میں مغربی جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں:

سوال: موجودہ جمہوری نظام جو دنیا کے اکثر ممالک میں نافذ ہے جس میں بیک وقت کئی جماعتوں کا وجود شرط ہے، کیا اسلام میں اس کی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام میں مغربی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں، اس میں متعدد گروہوں کا وجود (حزب اقتدار وحزب اختلاف) ضروری ہے جبکہ قرآن اس تصور کی نفی کرتا ہے:

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا. الآیۃ (۳:۱۰۳)

اس میں تمام فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں جبکہ قرآن اس انداز فکر کی بیخ کنی کرتا ہے:

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ. الآیۃ (۶:۱۱۶)

یہ غیر فطری نظام یورپ سے درآمد ہوا ہے جس میں سروں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اس میں مرد وعورت، بچہ وجوان، عامی وعالم بلکہ دانا ونادان سب ایک ہی بھاؤ تلتے ہیں۔

جس امیدوار کے پیچھے ووٹ زیادہ ہو جائیں وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور دوسرا سراسر ناکام۔ مثلاً کسی آبادی کے پچاس ممتاز عقلاء اور دانشوروں نے بالاتفاق ایک شخص کو ووٹ دیئے مگر ان کے بالمقابل علاقہ کے جھگیوں، چرسیوں اور بے دین اوباش لوگوں نے اس کے مخالف امیدوار کو ووٹ دیئے جن کی تعداد اکاون ہو گئی تو یہ امیدوار کامیاب اور پورے علاقے کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ یہ فرض نہیں حقیقت واقعہ ہے، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ریاست (پاکستان) میں سنہ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا کہ بڑے بڑے علماء ومشائخ کے مقابلہ میں بے دین، بے نماز، بے داڑھی، بدروحت عیاش وفحاش قسم کے لوگ کھڑے ہوئے اور بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ سنہ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں اس سے بھی تلخ تجربہ ہوا کہ پورے ملک میں جگہ جگہ مغرب زدہ فاحشہ عورتیں کھڑی ہوئیں اور ان کے مقابل بشمول علماء ومشائخ بڑے بڑے مشہور سیاستدان مردوں کو شکست دے کر ایوان اقتدار میں پہنچ گئیں۔

پھر ووٹ لینے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ کا استعمال لازمۂ جمہوریت ہے،
لیا سے اقتدار کی خاطر تمام انسانی اقدار بلکہ خونی رشتے تک فراموش کر دیئے جاتے ہیں،
ایک ہی علاقہ میں سگے بھائی، باپ بیٹا بلکہ میاں بیوی تک مد مقابل ہوتے ہیں،
ہر فریق اپنے مقابل کو جیت کرنے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہاتا ہے، چنانچہ ہر الیکشن
میں اربوں روپے برباد ہوتے ہیں۔ مزید برآں دھونس، دھاندلی، دھوکا، فریب،
رشوت، غرض تمام ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں، اور کوئی ہتھکنڈا کارگر نہ ہو تو
مخالف ووٹروں کو ڈرایا دھمکایا بلکہ قتل تک کر دیا جاتا ہے ؎

زنگ آئین جمہوری نہاد است
رسن از گردن دیوے کشاد است

اس کا تجزیہ پاکستان کے ایک معروف صحافی نے یوں کیا:

"الیکشن کے چند دن پورے ملک میں گناہوں کا سیزن ہوتے ہیں، چنانچہ
ملک کے چپے چپے پر جس قدر جھوٹ، چغلی، غیبت، فریب دہی، بد دیانتی،
ضمیر فروشی، بے حیائی اور دھاندلی کا ارتکاب ان چند دنوں میں ہوتا ہے
پورے سال میں نہیں ہوتا۔"

جب الیکشن کا دن آتا ہے تو پورے ملک پر خوف و ہراس کے بادل چھا جاتے ہیں
اس میں پولیس، رینجرز بلکہ فوج کی نگرانی کے باوجود ہنگامہ آرائی، مار دھاڑ اور قتل و
غارتگری کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اب تک جو ملک میں چند الیکشن ہوئے ہیں ان میں سینکڑوں
افراد مارے جا چکے ہیں۔

پھر جس گھڑی نتائج کا اعلان ہوتا ہے وہ قیامت کی گھڑی ہوتی ہے، ہارنے
والوں میں بہت سے لوگ دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں، چنانچہ ۱۹۸۸ء کے الیکشن
ہونے پر اخباروں میں آیا کہ نفسیاتی ہسپتال اس قسم کے پاگلوں سے بھر گئے ہیں جو
بات کو بڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں اور نعرہ بازی سے ہسپتال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

اور جو کامیاب ہوتے ہیں ان کی چاندی ہو جاتی ہے، ایوان اسمبلی میں پہنچ کر
ان کی بولی لگتی ہے، فیکٹریوں کے پرمٹ، پلاٹس، وزارتیں، غرضیکہ طرح طرح
کے لالچ اور چکمے دے کر انہیں خریدا جاتا ہے، کچھ عرصہ پیشتر صدر مملکت کا بیان

اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ ہماری قومی اسمبلی بکرا منڈی بن چکی ہے۔

پھر قوم کے یہ منتخب نمائندے اسمبلی ہال میں بیٹھ کر کیا گل کھلاتے ہیں؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، آئے دن اخباروں میں چھپتا ہے کہ فلاں وزیر نے سود کے جواز پر دلائل پیش کئے، فلاں نے مُلّا ازم کہہ کر اسلامی نظام کا مذاق اڑایا، فلاں عورت نے ڈاڑھی سے تمسخر کیا اور ان مہذب لوگوں کے مابین گالم گلوچ، دشنام طرازی اور تو تکار تو عام سی بات ہے، بات بڑھ جائے تو ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو جاتے ہیں، پھر گھونسہ بازی بلکہ کرسی بازی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

سابق مشرقی پاکستان کی اسمبلی میں اس زور کی کرسی بازی ہوئی کہ ڈپٹی اسپیکر بیچ بچاؤ کرتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، بالآخر اسمبلی کی عمارت میں زمین سے پیوست کرسیاں بچھانا پڑیں کہ لڑائی میں استعمال نہ ہو سکیں۔

یہ تمام برگ و بار مغربی جمہوریت کے شجرۂ خبیثہ کی پیداوار ہیں، اسلام میں اس کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں، نہ ہی اس طریقے سے قیامت تک اسلامی نظام آسکتا ہے بمصداق "الجنس یمیل الی الجنس" عوام (جن میں اکثریت بے دین لوگوں کی ہے) اپنی ہی جنس کے نمائندے منتخب کرکے اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں۔

اسلام میں شورائی نظام ہے جس میں اہل الحل والعقد غور و فکر کرکے ایک امیر کا انتخاب کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے وفات کے وقت چھ اہل الحل والعقد کی شوریٰ بنائی جنہوں نے اتفاق رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔

اس پاکیزہ نظام میں انسانی سروں کو گننے کی بجائے انسانیت کا عنصر تولا جاتا ہے، اس میں کسی ایک ذی صلاح مدبر انسان کی رائے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کی رائے پر بھاری ہو سکتی ہے ؎

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

*حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے مشورہ کئے بغیر صرف اپنی ہی صوابدید سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، آپ کا یہ انتخاب کس قدر موزوں مناسب

اور جہاد کیا تھا ؟

اس کا جواب الفاظ میں دینا ممکن نہیں ، اس حقیقت کا مشاہدہ پوری دنیا کھلی آنکھوں سے کر چکی ہے ۔ والعیان یغنی عن البیان ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الثانیہ سنہ ۱۴۰۱ھ

دار الحرب کی تعریف :

دار الحرب کی جامع اور مختصر تعریف کیا ہے ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

دار الحرب وہ علاقہ ہے جہاں زندگی کے تمام شعبوں میں احکام اسلام اور اسلامی نظام کو نافذ کرنے کی قدرت نہ ہو ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۶ھ

مسلم اقلیت کا حکومت کافرہ سے جہاد کرنا :

سوال : حکومت برما اپنے مسلم باشندوں پر ظلم کر رہی ہے ، حتیٰ کہ انکے مذہبی احکام پر پابندی لگا رہی ہے ، فرائض شرعیہ کی ادائیگی میں مانع ہو رہی ہے ، دریں حالات مسلم باشندوں پر ایسی حکومت سے جہاد کرنا فرض ہے یا نہیں ؟ نیز اموال زکوٰۃ کے ذریعہ ایسے مجاہدین کی مدد کی جا سکتی ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ان حالات میں ایسی حکومت کافرہ سے جہاد کرنا فرض ہے ، اس مقصد کے لئے ایسی تنظیم ضروری ہے جو علماء ماہرین ، متقین و اہل بصیرت کی نگرانی میں حدود شریعت کے اندر کام کرے ، دوسرے ممالک کے مسلمانوں پر بھی بترتیب "الاقرب فالاقرب" تعاون کرنا فرض ہے ۔ اگر جہاد کی استطاعت نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے ۔

ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیک فقیر شرط ہے ، جہاں یہ شرط پائی جائے گی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی اور جہاں مفقود ہوگی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۷ رمضان سنہ ۱۴۰۰ھ

جہاد اصطلاح شریعت میں :

سوال : اصطلاح شریعت میں "جہاد" کسے کہتے ہیں ؟ عموماً تبلیغی جماعت کے احباب

تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دیتے ہوئے آیات واحادیث اور واقعاتِ جہاد کو تبلیغ کے لیے نکلنے والی جماعتوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جہاد کا حقیقی مصداق اور اصطلاحی معنیٰ "قتال فی سبیل اللہ" ہے، البتہ مجازاً دین کی خاطر کی جانے والی ہر محنت ومشقت اور جد وجہد کو جہاد کہہ دیا جاتا ہے۔

لغت میں جہاد "جَہد" بالفتح "بمعنی مشقت یا "جُہد" بالضم طاقت سے مشتق ہے اس اعتبار سے جہاد کے معنی ہیں: طاقت خرچ کرنا، مشقت اٹھانا۔ مگر شریعت نے لفظ "جہاد" کو اس لغوی معنی سے ایک دوسرے معنی یعنی "قتال مع العدو" کی طرف منتقل کر دیا جیسے لفظ "صلوٰۃ" لغت میں دعاء کے معنی میں آتا ہے، مگر شریعت میں اس کے اصطلاحی معنی ایک مخصوص عمل کے ہیں جو تکبیر سے شروع اور سلام پر ختم ہو جاتا ہے۔

چنانچہ مذاہب اربعہ کی کتب میں جہاد کے اصطلاحی معنی "قتال" ہی کے لکھے ہیں یہاں فقہ حنفی سے صرف ایک حوالہ نقل کیا جاتا ہے۔

قال الامام الکاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ: اما الجہاد فی اللغۃ فعبارۃ عن بذل الجہد بالضم وھو الوسع والطاقۃ او عن المبالغۃ فی العمل من الجھد بالفتح وفی عرف الشرع یستعمل فی بذل الوسع والطاقۃ بالقتال فی سبیل اللہ بالنفس والمال واللسان او غیر ذلک او المبالغۃ فی ذلک۔

(بدائع الصنائع ص ۹۷ ج ۷)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر لفظ "جہاد" قتال کے سوا کسی دوسرے عمل صالح پر بولا گیا ہے کبھی استعمال ہوا ہے تو وہ مشاکلۃ ہے یعنی چونکہ صحابی نے "اجاھد" کے الفاظ استعمال کیے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کے لئے اسی کے مثل "ففیھما فجاھد" فرمایا۔ جیسا کہ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا میں عذاب کے لئے مشاکلۃ سیئۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے، یا مجازاً استعمال ہوا ہے۔ لہذا قتال کے سوا کسی دوسرے عمل کے لئے لفظ جہاد کا استعمال مجازاً تو صحیح ہے، لیکن اسے اس میں اس طرح استعمال کرنا کہ اصل معنی بالکل متروک ہو جائیں اور مجازی معنی کو جہاد کا حقیقی مصداق قرار دیا جانے لگے، اصطلاح شریعت کی تحریف ہے، اس لئے آیات واحادیث جہاد کو اصل اور حقیقی مصداق "قتال فی سبیل اللہ"

سے اس طرح بچا کر کسی دوسرے شعبہ دین پر چسپاں کرنا جائز نہیں، جیسا کہ لفظ "صلوٰۃ" کو اس کے اصطلاحی معنی "نماز" سے ہٹا کر "دعاء" کے معنی میں لینا اور نماز کی بجائے دعاء ہی پر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۵ رصفر ۱۴۰۲ھ

نومسلمہ کو اس کے ہندو والدین کے سپرد کرنا جائز نہیں :

سوال : ایک مسلمان نے ہندو لڑکی کو اغواء کیا، پھر اس کو مسلمان کرکے اس سے نکاح کرلیا، اب بعض مسلمان چاہتے ہیں کہ اس لڑکی کو اسکے ہندو والدین کے پاس واپس بھیجدیں، کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس نے کافرہ لڑکی کو اغواء کیا اس نے بہت برا کیا، مگر اس کے قبول اسلام کے بعد جب اس سے نکاح کیا تو نکاح درست ہوگیا، اب اس مسلمان لڑکی کو کفار کے حوالہ کرنا قطعاً جائز نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ : فان علمتموھن مؤمنات فلا ترجعوھن الی الکفار الآیۃ (۶۰ : ۱۰)

بلکہ یہ نومسلمہ از خود کفار کے پاس جانا چاہے تب بھی اسے نہ جانے دیا جائے، ہاں بوقت ضرورت والدین یا محرم رشتہ داروں سے ملنے میں مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۱ رمضان ۱۳۹۹ھ

جاسوس کی سزا :

سوال : جو مسلمان کافر حکومت کا جاسوس بن کر مسلمانوں کے خفیہ راز اس تک پہنچائے یا حکومت کافرہ کے تعاون سے وہاں کے مسلمانوں کو ستائے اور ان کی نوج کو ظلم پر آمادہ کرے، ایسے مسلمان کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بدون قتل کوئی تدبیر اس کی اصلاح کے لئے کارگر نہ ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔

قال الامام القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ :

فان کان الجاسوس کافرا فقال الاوزاعی رحمہ اللہ تعالیٰ یکون نقضا

للعہد، وقال اصبغ الجاسوس الحربی یقتل والجاسوس الکافر والذمی یعاقبان الا ان تظاہرا علی الاسلام فیقتلان (الجامع لاحکام القرآن ص۵۲ ج ۱۸)

وکذا قال الامام ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ (احکام القرآن ص۱۷۷۴ ج ۴)

وقال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ:

وقال الداودی الجاسوس یقتل وانما نفی القتل عن حاطب لما علمہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہ ولکن مذہب الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وطائفۃ ان الجاسوس المسلم یعزر ولا یجوز قتلہ وان کان ذا ہیئۃ عفی عنہ لہذا الحدیث۔

وعن ابی حنیفۃ والاوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ یوجع عقوبۃ ویطال حبسہ وقال ابن وہب من المالکیۃ یقتل الا ان یتوب وعن بعضہم انہ یقتل اذا کانت عادتہ ذلک وبہ قال ابن الماجشون۔ وقال ابن القاسم یضرب عنقہ لانہ لا تعرف توبتہ وبہ قال سحنون۔

ومن قال بقتلہ فقد خالف الحدیث واقوال المتقدمین وقال الاوزاعی فان کان کافرا یکون ناقضا للعہد وقال اصبغ الجاسوس الحربی یقتل والمسلم والذمی یعاقبان الا ان یتظاہرا علی الاسلام فیقتلان (عمدۃ القاری ص۲۵۱ ج ۱۴)

وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ:

وفی المجتبی الاصل ان کل شخص رأی مسلما یزنی ان یحل لہ قتلہ وانما یمتنع خوفا من ان لا یصدق انہ زنی وعلی ہذا القیاس المکابر بالظلم وقطاع الطریق وصاحب المکس وجمیع الظلمۃ بادنی شیء لہ قیمۃ وجمیع الکبائر والاعونۃ والسعاۃ یباح قتل الکل ویثاب قاتلہم انتہی وافتی الناصحی بوجوب قتل کل مؤذ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ:

(قولہ وقطاع الطریق) ای اذا کان مسافرا ورأی قاطع طریق لہ قتلہ وان لم یقطع علیہ بل علی غیرہ لما فیہ من تخلیص الناس من شرہ واذاہ کی یفید ما بعدہ، (قولہ وجمیع الکبائر) ای اہلہا والظاہر ان المراد بہم المتعدی ضررہا الی الغیر فیکون قولہ والاعونۃ والسعاۃ عطف تفسیر او عطف

خاص على بابه فيشمل كل من كان من اهل الفساد كالساحر وقاطع الطريق واللص واللوطي والخناق ونحوهم ممن عم ضرره ولا ينزجر بغير القتل (قوله والاعونة) كأنه جمع معين او عوان بمعناه والمراد به الساعي الى الحكام بالافساد فعطف السعاة عليه عطف تفسير وفي رسالة احكام السياسة عن جمع النسفي سئل شيخ الاسلام عن قتل الاعونة والظلمة والسعاة في ايام الفترة قال يباح قتلهم لانهم ساعون في الارض بالفساد فقيل انهم يمتنعون عن ذلك في ايام الفترة ويختفون قال ذلك امتناع ضرورة ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه كما شاهدنا قال وسألنا الشيخ ابا شجاع عنه فقال يباح قتله ويثاب قاتله اھ

(قوله افتى الناصحي) لعل الوجوب بالنظر للامام ونوابه والاباحة بالنظر لغيرهم (رد المحتار ص [illegible] ج ۳) والله تعالى اعلم

۲۴ جمادی الآخرہ ۹۸ھ

کیا لوگوں کو جبراً اسلام میں داخل کیا گیا؟

سوال: کافروں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنے کے لئے جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مستشرقین کے اس پروپیگنڈا کی کہ "زبردستی لوگوں کو اسلام میں داخل کیا گیا" کیا حقیقت ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جبراً کسی کو مسلمان بنانے کیلئے عمل جہاد یا کسی قسم کا کوئی حربہ استعمال کرنا جائز نہیں۔

قال الله تعالى: لا اكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي الآية (۲: ۲۵۶)

فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر الآية (۱۸: ۲۹)

اعداء اسلام کا یہ واویلا کہ پیغمبر اسلام نے تلوار کے زور سے لوگوں کو داخلِ اسلام کیا ایک ایسا دروغ اور بدیہی جھوٹ ہے جو محتاج تردید نہیں، اگر ان لوگوں میں ذرہ برابر عقل وشعور اور رائی برابر انصاف ودیانت ہو تو سوچیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دنیا کے سامنے دعوت اسلام پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یکہ وتنہا تھے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یار ومددگار نہ تھا، اپنے پرائے سب دشمن تھے، کئی سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طریقہ سے لوگوں کو دعوت دیتے رہے اور اس طویل عرصہ میں چند گنتی

کے بقول مسلمان ہوئے، تیرہ سالہ مکی دور میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی ہی نہیں، ان حالات میں یہ پروپیگنڈا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً لوگوں کو مسلمان بنایا کوئی علمی دلیل ہے یا علم و اخلاق کا دیوالیہ پن؟ اگر کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار دوستوں نے یہ کام کیا تو سوال یہ ہے کہ ان جاں نثاروں پر کس نے جبر کیا تھا؟ انھیں کس طاقت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاں نثار بنایا؟

ان تمام باتوں سے قطع نظر اگر انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو جبراً کسی کو مسلمان بنانا ممکن ہی نہیں، اس لئے کہ جبر و جور سے تو زیادہ سے زیادہ کسی کو زبانی کلمہ ہی پڑھایا جاسکتا ہے، اس کے دل و دماغ میں تو اسلام کی حقیقت نہیں اتاری جاسکتی۔ مگر کوئی شخص ظاہراً کلمہ پڑھ لے مگر باطن میں کفریہ عقائد چھپائے بیٹھا ہو تو یہ مسلمان نہیں، بلکہ عام کفار سے بھی بدتر کافر "منافق" ہے، تو ان مخالفین کے بقول گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام کفار کو جبراً منافق بنایا جو دشمنی میں عام کفار سے بھی دو گام آگے تھے۔

الغرض مستشرقین کا یہ پروپیگنڈا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، غور کیا جائے تو یہ اپنی تردید کے مترادف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری

ان اراضی کا حکم جو انگریز نے مخالفین سے چھین کر اپنے وفاداروں کو دیں:

سوال: انگریز جب اس ملک سے جانے لگا تو اس وقت مسلمانوں کے دو گروہ تھے، ایک انگریز کا مخالف دوسرا انگریز کا وفادار، انگریز نے جب اقتدار سنبھالا اس وقت زمینوں کے مالک اور قابض انگریز کے مخالف تھے، انگریز جب اس ملک سے جانے لگا تو اس سے قبل انگریز نے اپنے وفاداروں کو خوش کرنے کے لئے اور اپنے مخالفین سے آخری انتقام لینے کے لئے اپنے مخالفین کی تمام زمینیں اپنے وفاداروں میں تقسیم کر دیں اور چلا گیا۔

چنانچہ زمینیں انگریز کے وفاداروں کے نام الاٹ ہو گئیں اور [illegible] کے بندوبست کے دوران اصل مالکان کو محکمہ مال کے کاغذات میں جبراً مزارعین لکھ دیا اور انگریز کے وفاداروں کو زمینوں کا مالک تحریر کر دیا گیا۔

اس کے بعد انگریز کے وفاداروں نے انگریز کے مخالفین پر وہ ظلم ڈھائے کہ

تاریخ میں اس کی مثال مشکل ہے، محنت و مشقت کرنے والے انگریز کے مخالف تھے اور وفادار مخالفین ان سے پیداوار کا اچھا خاصا حصہ جبراً وصول کرتے رہے، تاریخ شاہد ہے کہ سالہا سال سے زمین کے اصل مالکان انگریز کے مخالف تھے اور یہ قبضہ اب تک بدستور چلا آرہا ہے، جبکہ انگریز کے وفادار باہر سے آکر آباد ہوئے ہیں سنہ ۱۸۹۵ء میں سرحد اسمبلی نے اصل مالکان سے زمینوں پر ناجائز قبضہ وصول کرکے انھیں ان کا یہ حق دلایا، اس طرح زمینیں پھر اصل مالکان کو مل گئیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے:

① کیا سرحد اسمبلی کا فیصلہ "معاوضہ لے کر زمینیں اصل مالکان و قابضین کو واپس کرنا" درست ہے یا نہیں؟

② کیا انگریز اپنے مخالفین سے جبراً زمینیں وصول کرکے اپنے وفاداروں کو دے سکتا ہے؟

③ انگریز کے مخالفین کی آبادی انگریز کے وفاداروں سے اکثریت میں ہے جبکہ انگریز کے وفادار قلیل تعداد میں ہیں۔

④ آیا شریعت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ قلیل آبادی کی وجہ سے کثیر آبادی کا نقصان ہو اور کثیر آبادی کو تکلیف و مشقت میں مبتلا کیا جائے اور انھیں بے گھر کردے۔

⑤ کیا ملک میں اسلامی نظام کے جاری ہونے سے ماقبل تمام مقبوضہ زمینوں کی تحقیق کرکے دوبارہ نئے سرے سے تقسیم کی جاسکتی ہیں؟ یا ماقبل قبضوں کو باقی رکھا جائے جیسا کہ فتح مکہ کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی وہ زمینیں اور مکانات جن پر کفار نے قبضہ کر رکھا تھا واپس کرکے دوبارہ تقسیم کی تھیں۔

⑥ آیا جب انگریز کی تقسیم درست ہو جائے اور سرحد اسمبلی کا قانون غلط ہو جائے اور کثیر آبادی کو مشقت میں مبتلا کیا جا سکتا ہو اس کے بعد بھی زمینیں انگریز کے وفاداروں کے پاس چلی جائیں اور کثیر آبادی مزاحمت بھی قبول نہیں کر سکتی، اس کے بعد بھی انگریز کے وفادار مخالفین سے قبضہ لینا چاہیں اور مخالفین قبضہ نہ دیں تو آخری بات جنگ و جدل کے علاوہ کوئی اور دوسری صورت بھی نہیں کہ جس پر عمل کیا جا سکے۔ کیا ایک مسلمان قوم دوسری مسلمان قوم کے ساتھ آپس میں صرف زمین کی وجہ سے لڑیں؟

کیا شریعت میں اس معاملہ پر جنگ وقتال کی اجازت ہے؟ نیز جو لوگ سرحد اسمبلی کے فیصلہ کو غلط قرار دیں اور کثیر آبادی کو مشقت میں مبتلا کریں اس وجہ سے عنداللہ وعندالناس ان کا مؤاخذہ ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حکومت کافرہ کا اصل مالکین سے اراضی لینا ظلم تھا، معہذا استیلاء کی وجہ سے حکومت ان اراضی کی مالک ہوگئی، لیکن حکومت نے یہ اراضی اپنے وفاداروں کو بطور رشوت دی تھیں، اور مرتشی رشوت کا مالک نہیں بنتا، اس لئے وہ اراضی بدستور حکومت کی ملک میں رہیں، تقسیم ہندوستان کے وقت یہ اراضی حکومت پاکستان کی ملک میں منتقل ہوگئیں، لہذا حکومت کا سابق مالکین کو معاوضہ لے کر زمین دینا صحیح ہوا، اور اس بیع کی وجہ سے سابق مالکین پھر سے مالک بن گئے، انگریز کے وفاداروں کا قبضہ کرنا ناجائز، حرام اور ظلم ہے، مالک کو اختیار ہے کہ وہ غاصب اور ظالم کا دفاع کرے، اگر اس میں وہ مارا گیا تو شہید ہے، بقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام: من قتل دون مالہ فھو شہید، اور اگر غاصب کا دفاع بدون قتل ممکن نہ ہو تو اسے قتل کرنا جائز ہے۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ رجب ۱۴۱۰ ہجری

ایامِ جنگ میں نقل مکانی:

سوال: جنگ کے دوران سرحد کے قریب رہنے والوں کے لئے اپنے مقامات چھوڑ کر مقاماتِ امن کی طرف منتقل ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض حضرات فرار عن الوباء پر قیاس کرکے ناجائز کہتے ہیں، کیا ان کا خیال صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حاکم کی رائے پر عمل کرنا واجب ہے، اگر حکومت کی طرف سے ممانعت نہ ہو تو منتقل ہونا جائز ہے، وباء پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ رجب ۱۴۱۲ ہجری

- سیاساتِ حاضرہ پر سیر حاصل بحث
- ان کے عالمگیر مفاسد و قبائح اور تباہ کن نتائج پر نہایت زوردار تجزیہ و تنقید
- مغربی مفکرین میں سے اہل خرد کے اعترافات
- سیاستِ اسلامیہ کی تشریح۔ اس کا طریق کار اور اس میں نظر آنے والی مشکلات کا حل
- قرآن، حدیث اور عقل سلیم کی روشنی میں منفرد تحقیق

فاروقی

سیاست اسلامیہ

- مصالح سیاسیہ کی خاطر منکرات شرعیہ کا ارتکاب جائز نہیں
  - نصوص قرآنیہ
  - ارشاداتِ نبویہ
  - عقل سلیم
- حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سیاسی افکار
  - اسلام میں سیاست کا مقام
  - اسلام کا نظام حکومت
    - شخصی حکومت
    - حکمرانی ایک ذمہ داری ہے نہ کہ حق
    - حکومت کے فرائض
  - اقامت دین کے لئے سیاسی جدوجہد کا شرعی مقام اور اس کی حدود
    - سیاسی جدوجہد اور تزکیہ اخلاق
    - بائیکاٹ اور ہڑتال کا شرعی حکم
    - بھوک ہڑتال
    - جلسوں کے مروجہ ذرائع
    - حکومت کے ساتھ طرز عمل
    - حکومت کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف چارہ کار
    - حکومت کے خلاف خروج

حکومت اسلامیہ قائم کرنے کے لئے اسلام کے کسی حکم کی خلاف ورزی جائز نہیں

سوال: جو سیاسی جماعتیں حکومت اسلامیہ قائم کرنے کی جد وجہد کے دعوے کر رہی ہیں ان کے سربراہ اور ارکان شریعت کے خلاف طرح طرح کی ترکیبیں اور سیاسی چالیں ایجاد کر رہے ہیں، ان کو حکمت عملی، مصلحت اور سیاست کے نام سے حلال اور جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور اس تحریف پر تعمیر کعبہ کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد لولا ان قومک حدیث عہد بکفر لنقضت البیت سے استدلال کرتے ہیں، کیا ان کا یہ خیال اور استدلال درست ہے؟ اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈال کر امت کی رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ حقیقت تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی مصلحت و نفع کے لئے گناہ کرنا یا کسی فرض و واجب کو چھوڑنا جائز نہیں، مثلاً کوئی شخص دنیوی نفع کے لئے جھوٹ بولے، دھوکا دے، نماز نہ پڑھے یا جماعت ترک کردے تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا فسق و حرام ہے، اسی طرح کسی دینی مصلحت کے لئے بھی کسی معصیت کا ارتکاب حرام ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمام مصالح پر مقدم ہے اور اہم المصالح ہے۔ اس پر سب مصالح کو قربان کیا جائے گا، مثلاً کوئی شخص سٹہ یا سود کے ذریعہ اس لئے رقم کماتا ہے کہ اس سے دینی مدارس چلا سکے، یا اس نیت سے رقص کراتا ہے کہ لوگ جمع ہو جائیں پھر ان کو وعظ کیا جائے۔ ایسا کرنا بہت سخت گناہ اور نہایت خطرناک گمراہی ہے۔

البتہ اگر کوئی کام شرعاً نہ فرض ہے نہ واجب بلکہ صرف مباح یا مستحب ہے اس کو کسی دینی مصلحت مثلاً عوام کو فتنہ یا بدعت یا تکلیف سے بچانے کے لئے چھوڑ دینا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر تراویح

میں لوگوں کو ملال ہوتا ہو تو ان کی رعایت سے نماز کے آخر میں درود شریف کو مختصر کرنا اور دعاء کو چھوڑ دینا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ ویزید الامام علی التشہد الا ان یمل القوم فیأتی بالصلوات ویکتفی باللّٰہم صل علی محمد لانہ الفرض عند الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ویترک الدعوات (رد المحتار ص ۶۶۲ ج ۱)

مصالحۃً ترک مستحب یا مباح میں بھی یہ شرط ہے کہ اس سے قانون شرع میں تحریف و مداخلت فی الدین نہ ہوتی ہو، مثلاً اس مستحب یا مباح کام کو اعتقاداً یا عملاً حرام سمجھنے لگے یا کسی مباح شرعی کی ممانعت کا قانون بنا دیا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصلحت کی بناء پر نکاح ثانی یا نکاح صغیر پر پابندی کا قانون بنانا جائز نہیں۔ حالانکہ نکاح ثانی اور صغر سنی میں نکاح کرنا فرض یا واجب نہیں صرف مباح ہے نکاح امر شرعی ہے اس لئے اس پر پابندی لگانا مداخلت فی الدین ہے، کیونکہ ایک مباح شرعی کے ساتھ عملاً حرام جیسا معاملہ کیا جائے گا جو کہ جائز نہیں۔

ہاں اگر امور انتظامیہ سے متعلق کوئی ایسا قانون بنا دیا جائے تو یہ مداخلت فی الدین نہیں، اس لئے جائز ہے، مثلاً دائیں طرف چلنے یا بائیں طرف چلنے کا قانون یا صرف ایک طرف کے راستہ کی تعیین کرنا اور ٹریفک سے متعلق دوسرے ضوابط۔

اسی طرح اگر کوئی حکومت انتظامی مصلحت سے اپنے عملہ کے لئے شلوار یا پاجامہ پہننے کا قانون بنا دے، اور تہبند سے روک دے تو یہ اس لئے جائز ہے کہ یہ امور شرعیہ میں سے نہیں، اس لئے ایسی پابندی لگانا مداخلت فی الدین نہیں۔

کعبۃ اللہ کی از سر نو تعمیر جس کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے یہ بھی امور انتظامیہ کے قبیل سے ہے، شرعاً یہ ترمیم نہ فرض تھی نہ واجب، حتی کہ اسکو مستحب قرار دینا بھی مشکل ہے، اس لئے کہ حطیم کو کعبہ میں داخل کرنا اور دروازے کو نیچے لے آنا اور دو دروازے بنانا، یہ امور ایسے ہیں کہ ان میں استحباب کی کوئی وجہ نہیں، صرف راحت و آرام کی مصلحت تھی جو امور انتظامیہ سے ہے، ہاں عبادت میں سہولت کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے اس کو مستحب لغیرہ کہا جا سکتا ہے۔ علی سبیل التنزل مستحب لعینہ ہونا بھی تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ امور مذکورہ میں

سے امر اول میں ظاہر ہے تو زیادہ سے زیادہ اتنی بات ثابت ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو فتنہ سے بچانے اور انکے اسلام کی حفاظت کے لئے ایک مستحب کام کو چھوڑ دیا، یہ کہاں ثابت ہوا کہ کسی مصلحت کے لئے ترک فرائض و واجبات اور ارتکاب سیئات بھی جائز ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ فرماتے ہیں۔

وان الامام یسوس رعیتہ بما فیہ اصلاحھم ولو کان مفضولا مالم یکن محرما (فتح الباری ص ۱۲۶۹)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث پر یہ باب قائم فرمایا ہے:

باب من ترک بعض الاختیار مخافۃ ان یقصر فہم بعض الناس فیقعوا فی اشد منہ۔

یعنی افضل و مختار کام اس اندیشہ سے چھوڑ دیا کہ لوگ کم فہمی کی وجہ سے کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

حاصل یہ کہ کسی مصلحت کی خاطر مستحب کام کو تو چھوڑا جا سکتا ہے مگر حدود اللہ سے تجاوز اور قانون شریعت کی خلاف ورزی ہرگز جائز نہیں۔

اس سلسلہ میں چند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے احکام شرعیہ کے مقابلہ میں نام نہاد مصالح کو کبھی بھی قابل اعتناء نہیں سمجھا۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا ارادہ فرمایا جو بلا شبہہ مباح اور جائز تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ عوام متبنّٰی کی بیوی کو حرام سمجھتے ہیں اس لئے اس نکاح سے شورش اور فتنہ ہوگا، جدید الاسلام لوگ طعن و تشنیع کر کے اپنا ایمان برباد کریں گے۔ اور دین اسلام سے لوگوں کو تنفر ہوگا۔

اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوئی۔

وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ (۳۳۔۳۷)

بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا

سے کر دیا، فتنہ و شورش کی کوئی پروا نہیں کی گئی، اس لئے کہ اس مباح کو چھوڑنے سے اس ضروری مسئلہ کا عملی اظہار نہ ہوتا کہ متبنّٰی کی بیوی حقیقۃً بہو نہیں بنتی اور اس سے نکاح حلال ہے۔

اس مباح کے ترک میں التباس فی الدین بلکہ تحریف فی الدین کا خطرہ تھا، اس لئے اس کے ترک کی اجازت نہیں دی گئی۔

(۲) تحویل قبلہ میں یہود کی طرف سے سخت مخالفت اور فتنہ کا اندیشہ تھا، علاوہ ازیں چونکہ یہ اسلام میں پہلا نسخ تھا اس لئے لوگوں کے ارتداد کا بہت خطرہ تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل ہوتی ہے۔

ولئن اتبعت اھواءھم من بعد ما جاءک من العلم انک اذا لمن الظالمین (۲-۱۴۵)

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کسی مصلحت کی پروا کئے بغیر حکم الٰہی پر قائم و دائم رہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد فوراً ہی ہر طرف ارتداد وغیرہ بہت سے فتنوں کا بہت بڑے پیمانہ پر سلسلہ شروع ہو گیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو استحکام خلافت سے قبل ہی ان سب فتنوں سے برسر پیکار ہونا پڑا، بیک وقت جہاد کے کئی محاذ کھل گئے، ان فتنوں میں ایک فتنہ ایسے اعراب کا بھی تھا جو یہ کہتے تھے کہ اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا، آپ کے بعد کسی خلیفہ کو یہ حق نہیں پہنچتا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے بھی جہاد کا فیصلہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ ابھی آپ کی خلافت کی ابتداء ہے، استحکام حاصل نہیں ہوا، ادھر چاروں طرف شورش برپا ہے، کئی محاذ کھلے ہوئے ہیں، مصلحت یہ ہے کہ آپ اس وقت ان سے جہاد کا نیا محاذ نہ کھولیں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، امید ہے کہ کچھ مدت کے بعد یہ لوگ زکوٰۃ بیت المال میں جمع کرنے لگیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان شدید خطرات کی چاروں سے اٹھنے والی گھٹاؤں کی کوئی پروا نہ کی، مصلحت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اعلان جہاد پر قائم

رہے۔ بالآخر حضرت عمر اور دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اقرار کیا کہ ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعلانِ جہاد پر شرحِ صدر ہو گیا ہے۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں غسان کا بادشاہ جبلۃ بن ایہم مسلمان ہوا، اس نے طواف کرتے ہوئے معمولی سی بات پر ایک اعرابی کے تھپڑ مار دیا جس سے اسکا دانت ٹوٹ گیا، اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں مقدمہ دائر کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قصاص میں اس بادشاہ کا دانت توڑنے کا فیصلہ فرمایا، حالانکہ مصلحت یہ تھی کہ اس سے قصاص نہ لیا جاتا کیونکہ اس کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کو بہت شوکت حاصل تھی، یہ بھی ممکن تھا کہ صاحب حق سے کہہ سن کر معاف کرا دیا جاتا، مگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں گزرا، آپ نے اسلام کا فیصلہ صاف سنا دیا کہ صاحب حق کو راضی کر لو ورنہ قصاص لیا جائے گا، اس نے سوچنے کی مہلت مانگی، مہل ملی تو وہ راتوں رات مرتد ہو کر بھاگ گیا۔

غرضیکہ کسی مصلحت کی خاطر معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں، البتہ شریعت میں بڑے خطرہ سے بچنے کے لئے چھوٹے خطرہ کو گوارا کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، ادھر کوئی نابینا کنوئیں میں گرنے لگا تو نماز توڑ کر اسکو بچانا فرض ہے۔ حالانکہ عام حالات میں نماز توڑنا گناہ ہے مگر ایک بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے اس کو اختیار کر لیا گیا، ایسی صورت میں اھون البلیتین یعنی ضررِ عظیم کو دفع کرنے کے لئے کم درجہ کے ضرر کو اختیار کر لیا گیا۔

اس کا فیصلہ کرنا کہ بلیتین میں سے اہون کونسی ہے ہر شخص کا کام نہیں، کیونکہ بسا اوقات انسان اتباعِ ہویٰ، عصبیت یا حبِّ مال وجاہ کی بناء پر غیر اہون کو اہون سمجھ لیتا ہے، اس لئے یہ فیصلہ صرف وہی کر سکتا ہے جو علوم اسلامیہ میں پوری مہارت کے علاوہ تدین و تقویٰ میں بھی اعلیٰ مقام رکھتا ہو، بلکہ اہم امور میں ایسے علماء کی جماعت کا فیصلہ ضروری ہے۔

اھون البلیتین کے کلیات شریعت نے بیان فرما دیئے ہیں، ان کلیات کا پورا احاطہ، ان کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنا، پھر پیش آمدہ جزئیہ کے بارے میں یہ

فیصلہ کرنا کہ کسی کلیہ میں داخل ہے یا نہیں ؟ اگر داخل ہے تو کس کلیہ میں ؟ ان امور کے لئے علوم دینیہ میں مہارت تامہ ، بہت اونچے درجہ کے تدبر و تفقہ اور تدین و تصلب کی ضرورت ہے۔

اگر کسی ناجائز کام کے بارے میں خوب غور و خوض کے بعد یہ محقق ہو جائے کہ ایسے اصول اسلامیہ کی بنا پر اسے جائز قرار دے کر اختیار کیا جا سکتا ہے تو یہ وضاحت بلکہ عمومی حالات میں اس کا بار بار اعلان ضروری ہے کہ یہ کام ناجائز ہے مگر شرعی ضرورت کے تحت اسے اختیار کیا گیا ہے ، اگر یہ وضاحت نہ کی جائے گی تو عامۃ المسلمین اس گناہ کو گناہ نہ سمجھیں گے اور جہاں شرعی مجبوری نہ ہوگی وہاں بھی اس کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔

اس کی واضح مثال تصویر کھنچوانا ہے جس کا حرام ہونا متفق علیہ ہے ، مگر حکومت نے حج اور شناختی کارڈ کے لئے تصویر کو لازم قرار دے دیا ہے ، اس ضرورت شدیدہ کے تحت علماء نے اس کی اجازت دی ہے ، مگر اس خاص موقع میں اجازت کے باوجود جس شدت کے ساتھ اس کی حرمت تحریرًا و تقریرًا بیان کرنا چاہئے تھی ، اسے ظاہر نہیں ہوئی ، بلکہ بعض علماء کے طرز عمل سے مسلمانوں نے اس گناہ کبیرہ کو جائز سمجھ لیا ہے ، کیونکہ ان علماء کی تصاویر لی جاتی ہیں تو وہ روکتے نہیں ، اخبارات وغیرہ میں ان کی تصاویر شائع ہوتی رہتی ہیں مگر انہوں نے اس معصیت پر نکیر کا کبھی ایک حرف بھی نہیں لکھا ، اس سے عوام یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں۔

یہی حال ٹیلی ویژن کا ہے ، صرف یہی نہیں کہ علماء اس پر نکیر نہیں کرتے بلکہ بہت سے علماء خود اس میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے عوام کے قلوب سے اس کی قباحت نکل چکی ہے اور وہ اسے جائز سمجھنے لگے ہیں۔

حاصل یہ کہ کسی دینی یا دنیوی مصلحت سے کسی معصیت کا ارتکاب جائز نہیں۔

آجکل سیاسی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سیاسی کام کرتے ہوئے جائز و ناجائز دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

یہ سراسر غلط ہے ، مسلمان تو وہی ہے جو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ملحوظ رکھے اور اس کی قائم کردہ حدود سے ذرا بھی تجاوز نہ کرے ، جو لوگ سیاست کا کام محض

تحصیل اقتدار کے لئے کرتے ہیں اور ان کو ملک کی دینی و دنیوی فلاح سے کچھ غرض
نہیں۔ وہ سیاسی کام میں احکام اسلام کو ملحوظ نہیں رکھتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں،
حیرت تو ان حضرات پر ہے جو یہ دعویٰ کرتے ہیں۔

"موجودہ سیاست میں حصہ لینے سے ہمارا مقصود ملک میں صحیح اسلامی نظام قائم کرنا ہے"
مگر پھر بھی وہ سیاسی کاموں میں احکام اسلام کی پروا نہیں کرتے، غیر مشروع
تدابیر اختیار کرتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے:

"آپ تو اسلامی نظام قائم کرنے کے مدعی ہیں مگر آپ خود اسلام نافذ کرنے کے لئے
جو طریقے اختیار کر رہے ہیں وہ غیر اسلامی اور ناجائز ہیں"

تو جواب دیتے ہیں:

"اگرچہ یہ طریقے ناجائز ہیں مگر ان کے بغیر اسلام لانا ممکن نہیں اس لئے اب
تو جائز ناجائز کی پروا کئے بغیر اقتدار حاصل کرنے کی جد و جہد لازم ہے، اقتدار
حاصل ہوجانے کے بعد پورے طور پر اسلام نافذ کر دیں گے"

یہ محض دھوکہ ہے، ہمیں ان کی نیت پر شبہ نہیں، مگر انکا طریق کار ایسا ہے
کہ اس سے نفاذ اسلام کی توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی، کیونکہ غیر اسلامی طریقوں سے
بے دینوں کی کامیابی تو ممکن ہے مگر دینداروں کو اولاً تو کامیابی ہوگی نہیں، اور اگر
بصورتِ کامیابی ہو بھی گئی تو اسکے نتیجہ میں اسلام نہیں آئے گا بلکہ اسلام کے نام کی کوئی اور
چیز ہوگی، اور بصورتِ جو کامیابی ہوگی وہ بھی چند روز سے آگے نہ بڑھے گی، جب
اس کی بنیاد ہی کمزور تھی تو اس پر عمارت کیسے قائم رہ سکتی ہے؟

عقل، نقل اور مشاہدہ سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے
مسلمانوں کو ہرگز ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی۔

اگر کبھی غیر مشروع و ناجائز طریقوں سے کفار و فساق کو کامیابی ہوئی ہو تو اس
پر مسلمانوں کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ مسلم اور کافر کی طبیعت، اعتقاد اور مزاج میں
زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ ایک نسخہ ایک مزاج کو مفید اور
دوسرے مزاج کو مضر ہوتا ہے جیسا کہ ایک قصہ مشہور ہے:

"بھنگی عطر کی دوکان کے پاس گزرا، اس کا دماغ جو پاخانہ کی بدبو سے مانوس

تھا خوشبو کو برداشت نہ کرسکا اس لئے بیہوش ہوگیا، بہت علاج کئے گئے مگر سب ناکام رہے، اس کے بھائی کو علم ہوا تو وہ ایک مٹھی میں پاخانہ بھر کر لایا اور اس کی ناک کے ساتھ لگادی، وہ فوراً ہوش میں آگیا۔

ٹھیک اسی طرح کفار و فساق کا دماغ معصیت کے تعفن سے سڑا ہوا ہے اس لئے ان کو حرام اور ناجائز کاموں کی بدبو نافع ہے، بخلاف مسلمان کے کہ یہ شہزادہ ہے اس کا دماغ نہایت صاف اور پاکیزہ ہے، اسکو تو بس احکام شریعہ کی خوشبو ہی نفع دیگی کوئی احمق شہزادہ کو بھنگی پر قیاس کرکے اسے پاخانہ سنگھائے تو شہزادہ کا دماغ پھٹ جائے گا۔

مسلمان کو کفار و فساق پر قیاس کرنا غلط ہے کہ جو چیز ان کو نافع ہوگی وہی ان کے لئے بھی نافع ہوگی، یہ قیاس اس بوجھ بجھکڑ کی منطق جیسا ہے جو اسکے دماغ میں کسی کو درخت سے اتارنے کے لئے آئی تھی، قصہ یہ پیش آیا:

"ایک شخص درخت پر چڑھ گیا، اترنے کی ہمت نہ ہوئی، لوگوں کو پکارا، وہ جمع ہوگئے اور مختلف تدبیریں سوچیں مگر اطمینان نہ ہوا، بالآخر طے پایا کہ یہ عقدہ بوجھ بجھکڑ سے حل کرایا جائے کیونکہ وہ بستی میں سب سے زیادہ عقلمند ہے، اس سے درخواست کی گئی تو وہ موقع پر پہنچا اور کہا کہ تم سب بے عقل ہو، میرے بغیر ایک معمولی سی بات کا حل نہیں نکال پائے، یہ تو بہت آسان تدبیر ہے، ایک لمبا رسہ اس شخص کی طرف پھینکو، وہ اپنی کمر سے خوب مضبوط باندھ لے، پھر نیچے کے لوگ خوب زور سے جھٹکا لگا کر اپنی طرف کھینچیں، بڑی آسانی سے نیچے پہنچ جائے گا۔

چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا، وہ شخص اس زور سے گرا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ گئی اور مرگیا، لوگوں نے بوجھ بجھکڑ سے کہا کہ یہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس شخص کی قسمت خراب تھی ورنہ تو میں نے کتنوں کو اسی طریقہ سے کنویں سے نکالتے دیکھا ہے۔"

جیسے اس بوجھ بجھکڑ کو درخت پر چڑھنے والے کو کنویں میں گرنے والے پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسی طرح مسلمانوں کو کفار پر قیاس کرنا غلط اور مہلک ہے، کفار پستی میں ہیں اور مسلمان بلندی پر، کفار جن تدابیر کے ذریعہ پستی سے بلندی کی طرف آنے میں کامیاب ہورہے ہیں اگر وہی تدابیر مسلمان اختیار کریں گے تو بلندی سے پستی میں جا گریں گے۔

سیاست و معاملہ —— ۱۰

جوتے میں نجاست لگ جائے تو اس کو پھینکا نہیں جاتا مگر ٹوپی میں کسی چیز کا ذرا سا بھی دھبہ لگ جائے تو فوراً اُتار دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمان ٹوپی کی طرح معزز ہیں اور کفار جوتے کی طرح ذلیل۔

مسلمانوں کو معصیت سے کامیابی ہرگز نہیں ہو سکتی، جنگ احد کا واقعہ ہی دیکھ لیجئے کہ مسلمان کفار پر غالب آچکے تھے مگر ایک اجتہادی خطأ سے اُن کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حتّٰی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرۃ۔الاٰیۃ (۳-۱۵۲)

اس آیت میں شکست کا سبب معصیت کو قرار دیا گیا ہے باقی چیزیں یا اس کے افراد ہیں یا اُس کا اثر۔

اس کو معصیت کہنا ظاہری صورت کے اعتبار سے ہے، حقیقت میں یہ خطأ اجتہادی کے قبیل سے ہے، واقعہ یہ ہوا تھا:

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً پچاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک مورچہ پر متعین فرما کر یہ تاکید فرمائی تھی کہ ہمیں فتح ہو یا شکست اس جگہ کو نہ چھوڑنا، مگر جب انھوں نے مسلمانوں کو فتح ہوتی دیکھی تو مال غنیمت جمع کرنے کے لئے اس مورچہ کو چھوڑ دیا، کفار نے اس جانب سے حملہ کر دیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی۔"

حالانکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصود بالذات دنیا نہ تھی بلکہ مقصود تمام مسلمانوں کو دنیوی نفع پہنچانا تھا جو ایک اعتبار سے دین ہے، ورنہ اگر صرف اپنے لئے دنیا جمع کرنا مقصود ہوتا تو اسکے لئے مورچہ کو چھوڑنے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ شرعی قانون یہ ہے کہ مال غنیمت میں وہ شخص بھی شریک ہے جس نے مال غنیمت جمع نہیں کیا مگر جنگ کے کاموں میں سے کسی کام میں مشغول رہا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ان کو دنیا من حیث الدنیا مقصود نہ تھی بلکہ اس سے بھی آخرت ہی مقصود تھی، اس لئے منکم من یرید الدنیا کے معنی ہیں من یرید الدنیا

للآخرۃ اور من یرید الآخرۃ کے معنی ہیں من یرید الآخرۃ الصرفۃ۔

علاوہ ازیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مورچہ کی حفاظت بھی عمل آخرت تھا اور مال غنیمت جمع کرنا بھی، مگر ان حضرات کے لئے مورچہ کی حفاظت کا عمل زیادہ اہم تھا، اور دینا کا اہم کام چھوڑ کر غیر اہم میں مشغول ہونا جائز نہیں، ان حضرات کی اجتہادی غلطی سے یہ ناجائز کام ہو گیا جس کو "دنیا" سے تعبیر فرمایا۔ "دنیا" کے مختلف معانی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہر ناجائز کام "دنیا" ہے۔

اس کی نظیر حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ ہے:

"آپ نے جہاد کی نیت سے بہترین نسل کے گھوڑے پالے، ایک بار انکے معاینہ میں ایسا انہماک ہوا کہ اس وقت کا کوئی اہم معمول رہ گیا اس کے بارے میں فرمایا:

انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی (۳۸-۳۲)"

اس کی تقریر بھی یہی ہے کہ گھوڑوں کا معاینہ بھی اگرچہ عمل آخرت تھا مگر دوسرا معمول جو رہ گیا وہ زیادہ اہم تھا، "حب الخیر" کا یہ فرد فی نفسہ محمود و مقصود تھا مگر دوسرے زیادہ اہم معمول کے ترک کا باعث بن جانے کی وجہ سے قبیح و مذموم ہو گیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ارشاد کا یہی مطلب ہے کہ یہ حب الخیر جو اصالۃً وابتداءً محمود و مقصود تھی وہ انتہاءً بوجہ عارض مذموم ہو گئی، معمول متروک اگر فرض تھا تو بھی چونکہ ذہول و نسیان کی وجہ سے ترک ہوا اس لئے منافی عصمت نہیں۔

غرضیکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ اجتہادی فروگذاشت بھی فتح سے مانع بن گئی، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت بھی حاصل تھی اور جو غلطی ان سے صادر ہوئی اس میں ان کی نیت بھی معاذ اللہ بری نہ تھی بلکہ محض آخرت کی نیت تھی۔

اسی طرح غزوۂ حنین میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے قلوب میں اپنی کثرت کا ذرا سا دھیان آ گیا، محض اتنی سی بات پر اولاً شکست ہو گئی۔

جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اجتہادی لغزش فتح سے مانع بن گئی تو آج کے مسلمانوں کی غلطیاں ان کی کامیابی میں رکاوٹ کیونکر نہیں بنیں گی؟

پھر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور آج کے مسلمانوں میں ایک فرق یہ بھی ہے

کہ یہ لوگ معصیت کو ذریعہ کامیابی سمجھتے ہیں، اس لئے ان کا طریق کار ہی غلط ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریق کار صحیح تھا، اتفاق سے اس میں جہادی خطأً شامل ہو گئی تھی۔

جہاد اور دوسرے دینی و سیاسی کاموں میں کامیابی و ثابت قدمی حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچا جائے، اس کی اطاعت کی جائے، اس بارے میں اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چند صریح ارشادات اور واضح فیصلے ملاحظہ ہوں:

(۱) اوفوا بعهدي اوف بعهدكم واياي فارهبون ○ (۲ : ۴۰)

"تم میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔"

(۲) يايها الذين امنوا استعينوا بالصبر والصلوة ان الله مع الصبرين ○ (۲ : ۱۵۳)

"اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں۔"

صبر کی حقیقت دین پر استقامت اور حدود اللہ کی حفاظت ہے۔

(۳) ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله واليوم الاخر والملئكة والكتب والنبين واتى المال على حبه ذوي القربى واليتمى والمسكين وابن السبيل والسائلين وفي الرقاب واقام الصلوة واتى الزكوة والموفون بعهدهم اذا عهدوا والصبرين في الباساء والضراء وحين الباس اولئك الذين صدقوا واولئك هم المتقون ○ (۲ : ۱۷۷)

"سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کو کر لو یا مغرب کو، لیکن کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر، اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں، اور نماز کی پابندی رکھتا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہو، اور جو لوگ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب عہد کریں، اور وہ لوگ مستقل رہنے والے ہوں تنگدستی میں اور بیماری میں اور قتال میں، یہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں۔"

(۴) وليس البر بان تاتوا البيوت من ظهورها ولكن البر من اتقى واتوا البيوت من ابوابها واتقوا الله لعلكم تفلحون ○ (۲ : ۱۸۹)

"اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام سے بچے، اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو۔"

اس میں حکم تقویٰ کے علاوہ طریق اتیان بیوت کی تعلیم سے بھی ثابت ہوا کہ ہر کام اس کے طریق شرعی کے مطابق کرنا لازم ہے، اس سے خروج جائز نہیں۔

(۵) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ○ (۲ : ۱۹۰)

"اور تم لڑو خدا کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور حد سے مت نکلو، واقعی اللہ تعالیٰ حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔"

(۶) وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (۲ : ۲۴۴)

"اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال و اعمال و نیات سے باخبر ہے، اس لئے حالت جہاد میں کسی مصلحت سے اس کی رضا کے خلاف کوئی کام نہ ہونے پائے۔

(۷) فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُو اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ○ (۲ : ۲۴۹)

"پھر جب طالوت فوجوں کو لے کر چلے تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر سے سو جو شخص اس سے پانی پیئے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے وہ میرے ساتھیوں میں ہے، لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے، سو ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے اس سے پینا شروع کر دیا، سو جب طالوت اور جو مومنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے، کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں معلوم ہوتی۔ ایسے لوگ جن کو یہ خیال تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے

کی کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔"

(۸) وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ؁ (۲ : ۲۵۰)

"اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آئے تو کہنے لگے۔ اے ہمارے رب! ہم پر استقلال نازل فرمائیے اور ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے۔"

اس دعا کی ترتیب سے ثابت ہوا کہ دین پر استقامت سے ثبات اقدام حاصل ہوتا ہے اور پھر کفار پر نصرت، جیسا کہ آیت نمبر ۱۳ میں اس کی تصریح آ رہی ہے کہ ثبات قدم اور فتح و نصرت کا مدار ترک معاصی پر ہے

(۹) وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (۳ : ۱۲۰)
"اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر احاطہ رکھتے ہیں۔"

(۱۰) بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ؁ (۳ : ۱۲۵)

"ہاں کیوں نہیں اگر مستقل رہو گے اور متقی رہو گے اور وہ لوگ تم پر ایک دم سے آ پہنچیں گے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوں گے۔"

(۱۱) وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ؁ (۳ : ۱۳۹)
"اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔"

(۱۲) أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ؁ (۳ : ۱۴۲)

"ہاں! کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں جا داخل ہو گے حالانکہ ہنوز اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو ثابت قدم رہنے والے ہوں۔"

(۱۳) وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ

اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین o فاٰتٰھم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ واللہ یحب المحسنین o (۳-۱۴۷، ۱۴۸)

"اور ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے نکل جانے کو بخش دیجئے اور ہم کو ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے۔ سو ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بھی بدلہ دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ، اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکوکاروں سے محبت ہے۔"

ان اللہ والوں کا معمول یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ثبات قدم ونصرت غیبیہ کی دعاء مانگنے سے پہلے اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگتے تھے، اس سے ثابت ہوا کہ معاصی ثبات قدم ونصرت غیبیہ سے مانع بن جاتے ہیں۔ ان کے اس عمل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا وآخرت دونوں میں فلاح وکامیابی سے نوازا اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی محبوبیت کا تمغہ عطا فرمایا۔

(۲) ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین o (۳-۱۵۲)

"اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا تھا جب تم ان کفار کو اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم خود کمزور ہو گئے اور حکم میں باہم اختلاف کرنے لگے اور اس کے بعد کہ تمہیں تمہاری خواہش کی چیز دکھلا دی تھی، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلبگار تھے۔ پھر تمہیں ان کفار سے ہٹا دیا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری آزمائش کرے اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑے فضل والے ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر پہلے لکھی جا چکی ہے۔

(۳) ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون o (۳-۱۶۰)

"اگر اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے۔ اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے۔"

(۱۶) الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (۳ : ۱۷۲)

"جن لوگوں نے اللہ و رسول کے کہنے کو قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو زخم لگا تھا، ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے ثواب عظیم ہے۔"

(۱۷) إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ (۳ : ۱۷۵)

"اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو۔"

معلوم ہوا کہ دشمن سے سخت خطرہ کی حالت میں بھی حفاظت کی مصلحت سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب جائز نہیں۔

(۱۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (۳ : ۲۰۰)

"اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پورے کامیاب ہو۔"

(۱۹) وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ۖ وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۖ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنتُم بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّأُكَفِّرَنَّ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ فَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ (۵ : ۱۲)

"اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے اور اللہ تعالیٰ نے یوں فرما دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی رکھو گے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کر دوں گا اور ضرور تم کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جو شخص اس کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ بے شک راہ راست سے دور جا پڑا۔"

(۲۰) وَمَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (۵ : ۵۶)

"اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے سو اللہ کا گروہ بلاشک غالب ہے۔"

(۲۱) ولو انھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما انزل الیھم من ربھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم (۵ : ۶۶)

" اور اگر یہ لوگ تورات کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے ۔"

(۲۲) ولو ان اھل القری اٰمنوا واتقوا لفتحنا علیھم برکٰت من السماء والارض ولٰکن کذبوا فاخذنٰھم بما کانوا یکسبون ○ (۷ : ۹۶)

" اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا ۔"

(۲۳) قال موسٰی لقومہ استعینوا باللہ واصبروا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہٖ والعاقبۃ للمتقین ○ (۷ : ۱۲۸)

" موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور مستقل رہو یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں مالک بنا دیں اور اخیر کامیابی انھی کو ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ۔"

(۲۴) واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربھا التی بٰرکنا فیھا وتمت کلمت ربک الحسنٰی علٰی بنی اسراءیل بما صبروا ودمرنا ما کان یصنع فرعون وقومہ وما کانوا یعرشون ○ (۷ : ۱۳۷)

" اور ہم نے اُن لوگوں کو جو کہ بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے اُس سر زمین کے مشارق و مغارب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور آپ کے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں اُن کے صبر کی وجہ سے پورا ہوگیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے ساختہ پرداختہ کارخانوں کو اور جو کچھ وہ اونچی اونچی عمارتیں بنواتے تھے سب کو درہم برہم کر دیا ۔"

(۲۵) یٰایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون ○ واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصٰبرین ○ (۸ : ۴۵، ۴۶)

" اے ایمان والو! جب تم کو کسی جماعت سے مقابلہ کا اتفاق ہوا کرے تو ثابت قدم

رہو اور اللہ کا خوب کثرت سے ذکر کرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور نزاع مت کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔"

دشمن کے مقابلہ میں ثبات قدم کا نسخہ ارشاد فرمایا "کثرت ذکر" اور ذکر اللہ کی روح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق مضبوط ہو، اور تعلق مع اللہ معصیت سے مانع ہے۔ پھر آگے مزید تاکید کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تصریح بھی فرمادی علاوہ ازیں آپس میں تنازع سے منع فرمایا۔ اور دوسری جگہ رفع تنازع کا طریقہ یہ ارشاد فرمایا:

فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول (۴ : ۵۹)

یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرو۔

(۳۶) وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین (۸ : ۶۲)

"اور اگر وہ لوگ آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں، وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی۔"

(۳۷) یایھا النبی حرض المؤمنین علی القتال ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبوا مائتین وان یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون (۸ : ۶۵)

"اے نبی! آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے۔ اگر تم میں کے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں کے سو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفار پر غالب آجائیں گے اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔"

(۳۸) الئن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا فان یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین وان یکن منکم الف یغلبوا الفین باذن اللہ واللہ مع الصابرین (۸ : ۶۶)

"اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کردی اور معلوم کرلیا کہ تم میں ہمت کی کمی ہے سو اگر تم میں کے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں ہزار ہوں گے تو دو ہزار پر اللہ کے حکم سے غالب آجائیں گے اور اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہیں۔"

(۲۹) وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (۸ : ۷۱)

”اور اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ خیانت کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو گرفتار کرا دیا، اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں بڑی حکمت والے ہیں۔“

(۳۰) فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (۹ : ۷)

”سو جب تک یہ لوگ تم سے سیدھی طرح رہیں تم بھی ان سے سیدھی طرح رہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔“

(۳۱) لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ (۹ : ۲۵)

”تم کو اللہ تعالیٰ نے بہت مواقع میں غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت پر غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔“

(۳۲) وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (۹ : ۳۶)

”اور ان مشرکین سے سب سے لڑنا جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ اور یہ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقین کا ساتھی ہے۔“

(۳۳) التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ (۹ : ۱۱۲)

”وہ ایسے ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے حمد کرنے والے روزہ رکھنے والے رکوع اور سجدہ کرنے والے نیک باتوں کی تعلیم کرنے والے اور بری باتوں سے باز رکھنے والے اور اللہ کی حدود کا خیال رکھنے والے اور ایسے مومنین کو آپ خوشخبری سنا دیجئے۔“

(۳۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (۹: ۱۲۳)

"اے ایمان والو! ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس ہیں اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہیے، اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔"

اس میں بھی حالت جہاد میں تقویٰ یعنی حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

(۳۵) أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ (۱۰: ۶۲ تا ۶۴)

"یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں، وہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز رکھتے ہیں، ان کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے، اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا، یہ بڑی کامیابی ہے۔"

(۳۶) فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ (۱۱: ۴۹)

"سو صبر کیجئے یقیناً نیک انجامی متقین ہی کے لئے ہے۔"

(۳۷) وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝ (۱۱: ۵۲)

"اور اے میری قوم تم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اس کی طرف متوجہ رہو وہ تم پر خوب بارشیں برسادے گا اور تم کو اور قوت دے کر تمہاری قوت میں ترقی کر دے گا، اور مجرم رہ کر اعراض مت کرو۔"

(۳۸) إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (۱۲: ۹۰)

"واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کیا کرتا۔"

(۳۹) ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِن بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (۱۶: ۱۱۰)

"پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے مبتلائے کفر ہونے کے بعد ہجرت کی پھر جہاد کیا اور قائم رہے تو آپ کا رب ان کے بعد بڑی مغفرت کرنے والا بڑی رحمت کرنے والا ہے۔"

(۳۰) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ○ (۲۱ : ۱۰۵)

"اور ہم کتابوں میں لوح محفوظ کے بعد لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے۔"

(۳۱) إِنَّ اللَّهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ○ (۲۲ : ۳۸)

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے ہٹا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ کسی دغاباز کفر کرنے والے کو نہیں چاہتا۔"

(۳۲) الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ○ (۲۲ : ۴۰)

"جو اپنے گھروں سے بے وجہ نکالے گئے محض اتنی بات پر کہ وہ یوں کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا ایک کا دوسرے سے زور نہ گھٹاتا رہتا تو نصاریٰ کے خلوت خانے اور عبادت خانے اور یہود کے عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے سب منہدم ہو گئے ہوتے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو کہ اللہ کی مدد کریگا، بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔"

(۳۳) إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (۲۴ : ۵۱)

"مسلمانوں کا قول تو جبکہ ان کو اللہ کی اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے یہ ہے کہ وہ کہدیتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، اور ایسے لوگ ہی فلاح پائیں گے۔"

(۳۴) وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ○ (۲۴ : ۵۲)

"اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانے اور اللہ سے ڈرے اور اس کی مخالفت سے بچے بس ایسے ہی لوگ بامراد ہوں گے۔"

(۳۵) وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ○ (۲۴ : ۵۵)

"تم میں جو لوگ ایمان لاویں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو

ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دیگا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل با امن کر دیگا بشرطیکہ میری عبادت کرتے رہیں میرے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کریں، اور جو شخص اس کے بعد ناشکری کریگا تو یہ لوگ نافرمان ہیں۔"

اس آیت کریمہ میں ایمان و اعمال صالحہ پر فتح و نصرت کا وعدہ ہے اور عمل صالح کی بنیاد ترک معصیت ہے، معصیت کی وجہ سے فتح اور نصرت ناکامی اور نامرادی سے بدل جاتی ہے جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

(۴۶) یبنی اقم الصلوٰۃ وأمر بالمعروف وانہ عن المنکر واصبر علی ما اصابک ط ان ذلک من عزم الامور (۳۱: ۱۷)

"بیٹا! نماز پڑھا کرو اور اچھے کاموں کی نصیحت کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور تجھ پر جو مصیبت واقع ہو اس پر صبر کیا کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

نہی عن المنکر جہاد اکبر ہے، اس میں مصائب شدیدہ کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اسلئے صبر اور استقامت کا حکم فرمایا۔

(۴۷) ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ۞ انہم لھم المنصورون ۞ وان جندنا لھم الغلبون ۞ (۳۷: ۱۷۱ تا ۱۷۳)

"اور ہمارے خاص بندوں یعنی رسولوں کے لئے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بیشک وہی غالب کئے جائیں گے اور ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔"

(۴۸) قل یعباد الذین امنوا اتقوا ربکم ط للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ ط وارض اللہ واسعۃ ط انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب ۞ (۳۹: ۱۰)

"آپ کہئے کہ اے میرے ایمان والے بندو! تم اپنے رب سے ڈرتے رہو، جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لئے نیک صلہ ہے، اور اللہ کی زمین فراخ ہے، مستقل رہنے والوں کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا۔"

(۴۹) انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد ۞ (۴۰: ۵۱)

"ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز میں بھی جس میں کہ گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔"

(۵۰) ونجینا الذین امنوا وکانوا یتقون ۞ (۴۱: ۱۸)

"اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور ڈرتے تھے۔"

(۵۱) اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (۴۶ : ۱۳)

"جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر مستقیم رہے سو ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے۔"

(۵۲) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (۴۷ : ۷)

"اے ایمان والو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم جما دے گا۔"

(۵۳) ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ (۴۷ : ۱۱)

"یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا کارساز ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔"

(۵۴) کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (۵۸ : ۲۱)

"اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھ دی ہے کہ میں اور میرے رسول غالب رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ قوت والا غلبہ والا ہے۔"

(۵۵) لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ ؕ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۵۸ : ۲۲)

"جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہو، ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور انکو اپنے فیض سے قوت دی ہے اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔"

(۵۶) وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا ○ وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ○ (۶۵ : ۲،۳)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے، اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔"

(۵۷) ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسرا ○ (۶۵ : ۴)

"اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔"

(۵۸) فقلت استغفروا ربکم انہ کان غفارا ○ یرسل السماء علیکم مدرارا ○ ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انہارا ○ (۷۱ : ۱۰ تا ۱۲)

"میں نے کہا کہ تم اپنے رب سے گناہ بخشواؤ بیشک وہ بڑا بخشنے والا ہے، کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لئے باغ لگا دے گا اور تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔"

(۵۹) رب المشرق والمغرب لا الٰہ الا ہو فاتخذہ وکیلا ○ (۷۳ : ۹)

"وہ مشرق اور مغرب کا مالک ہے اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنائے رہو۔"

(۶۰) وکذلک نولی بعض الظلمین بعضا بما کانوا یکسبون ○ (۶ : ۱۲۹)

"اور اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کرتے ہیں ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے۔"

(۶۱) قال ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیرہا ان اللہ اذا اراد بقوم شرا ولی علیہم شرارہم واذا اراد بقوم خیرا ولی علیہم خیارہم وفی بعض الکتب المنزلۃ افنی اعدائی باعدائی ثم افنیہم باولیائی (البحر المحیط ص ۲۲۲ ج ۴)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کے لئے برائی مقدر فرماتے ہیں تو ان پر برے حکام مسلط فرما دیتے ہیں اور کسی قوم کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان پر اچھے لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں، اور بعض آسمانی کتابوں میں ہے میں اپنے دشمنوں کو اپنے دشمنوں کے ذریعہ تباہ کرتا ہوں پھر ان کو اپنے دوستوں کے ہاتھوں۔"

(۶۲) قال مالک بن دینار قرأت فی الزبور انی انتقم من المنافق بالمنافق ثم انتقم من المنافقین

جمیعا، وذلک فی کتاب اللہ قول اللہ تعالیٰ: وکذلک نولی بعض الظالمین بعضا۔

وقد روی الحافظ ابن عساکر فی ترجمۃ عبد الرزاق بن احمد من طریق سعید بن عبد الجبار الکرابیسی عن حماد بن سلمۃ عن عاصم عن زر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا: من اعان ظالما سلطہ اللہ علیہ وھذا حدیث غریب وقال بعض الشعراء:

وما من ید الا ید اللہ فوقہا

ولا ظالم الا سیبلی بظالم

ومعنی الآیۃ الکریمۃ کما ولینا ھؤلاء الخاسرین من الانس تلک الطائفۃ التی اغوتھم من الجن کذلک نفعل بالظالمین نسلط بعضھم علی بعض جزاء علی ظلمھم وبغیھم (تفسیر ابن کثیر ص ۱۷۶ ج ۲)

"مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے زبور میں پڑھا ہے: میں منافقوں سے منافقوں کے ذریعے انتقام لیتا ہوں، پھر سب منافقوں سے انتقام لیتا ہوں۔ اور یہ کتاب اللہ میں بھی ہے: وکذلک نولی بعض الظالمین بعضا۔

اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس ظالم کو اس پر مسلط فرما دیتے ہیں۔

اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں ان کے ظلم اور سرکشی کی سزا دینے کے لئے۔"

(۳) واخرج ابو الشیخ عن منصور بن ابی الاسود قال سألت الاعمش عن قولہ وکذلک نولی بعض الظالمین بعضا ما سمعتھم یقولون فیہ قال سمعتھم یقولون اذا فسد الناس امر علیھم شرارھم (الدر المنثور ص ۴۶ ج ۳)

"اعمش رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں نے اکابر سے اس آیت کی تفسیر یہ سنی ہے کہ جب لوگ خراب ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر شریر لوگوں کو حاکم بنا دیتے ہیں۔"

(۴) واخرج ابن ابی حاتم وابو الشیخ عن مالک بن دینار مثل ما اخرجہ ابن کثیر وقد مر نصہ (حوالۂ بالا)

(۵) واخرج الحاکم فی التاریخ والبیہقی فی شعب الایمان من طریق یحیی بن ہاشم ثنا یونس بن ابی اسحاق عن ابیہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما تکونون

كذلك يؤمر عليكم قال البيهقي هذا منقطع و يحيى ضعيف . (حوالہ بالا)

"جیسے تم ہوگے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے۔"

(۶۶) ابوبکرۃ : کما تکونوا یولی علیکم او یؤمر علیکم (مسند الفردوس للدیلمی ص ۲۳ ج ۳)

"جیسے تم ہوگے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے۔"

(۶۷) عن ابی اسحٰق السبیعی کما تکونوا کذلک یولی علیکم (شعب الایمان للبیہقی)

"جیسے تم ہوگے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے۔"

(۶۸) قال الامام السخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ : حدیث : کما تکونون یولی علیکم او یؤمر علیکم، الحاکم ومن طریقہ الدیلمی من حدیث یحیی بن ہاشم حدثنا یونس بن ابی اسحاق عن ابیہ عن ابی بکرۃ مرفوعاً بھذا، ومن ھذا الوجہ اخرجہ البیہقی فی الشعب والاربعین بلفظ : یؤمر علیکم، بدون شک وبحذف ابی بکرۃ، وقال : انہ منقطع وراویہ یحیی فی عداد من یضع (المقاصد الحسنۃ ص ۳۲۶)

(۶۹) ولہ طریق اخری اخرجہ ابن جمیع فی معجمہ، والقضاعی فی مسندہ من جہۃ الکرمانی بن عمرو حدثنا مبارک بن فضالۃ عن الحسن عن ابی بکرۃ بلفظ : یولی علیکم، بدون شک، وفی سندہ الی مبارک مجاھیل۔

(۷۰) عند الطبرانی معناہ من طریق عمر وکعب الاحبار والحسن فانہ سمع رجلا یدعو علی الحجاج فقال لہ : لا تفعل انکم من انفسکم اتیتم انا نخاف ان عزل الحجاج او مات ان تستولی علیکم القردۃ والخنازیر فقد روی ان اعمالکم عمالکم وکما تکونون یولی علیکم وانشد لبعضھم : بذنوبنا دامت بلیتنا، واللہ یکشفھا اذا تبنا، وفی المأثور من الدعوات : اللھم لا تسلط علینا بذنوبنا من لا یرحمنا۔ (المقاصد الحسنۃ ص ۳۲۶)

"حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو حجاج پر بددعا کرتے سنا، آپ نے فرمایا: ایسا مت کرو، تم خود اپنی بداعمالیوں سے اس کو لائے ہو، ہمیں خوف ہے کہ اگر حجاج معزول ہو جائے یا مر جائے تو تم پر بندر اور خنزیر حاکم بنا دیئے جائیں، روایت ہے:
"بے شک تمہارے اعمال تم پر حاکم بنائے جاتے ہیں، اور جیسے تم ہوگے ویسے ہی تم پر حاکم مسلط کئے جائیں گے۔" ہمارے گناہوں سے ہم پر مصیبتیں مسلط رہتی ہیں، ہم توبہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ

ان مصائب سے نجات دے دے۔ اور دعا ماثور یہ ہے: یا اللہ! ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر ایسا حاکم مسلط نہ فرما جو ہم پر رحم نہ کرے۔"

(۴۱) واخرج البیہقی عن کعب الاحبار قال ان لکل زمان ملکا یبعثہ اللہ علی نحو قلوب اھلہ فاذا اراد صلاحھم بعث علیھم مصلحا واذا اراد ھلکتھم بعث علیھم مترفیھم
(الدر المنثور ص ۲۴۹ ج ۳)

"ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کے حالات کے مطابق بادشاہ مسلط فرماتے ہیں، جب ان کی بھلائی چاہتے ہیں تو اچھا حاکم مقرر فرماتے ہیں اور ان کی ہلاکت چاہتے ہیں تو بُرا حاکم مسلط فرماتے ہیں۔"

(۴۲) واخرج البیہقی عن الحسن ان بنی اسرائیل سألوا موسیٰ علیہ السلام فقالوا سل لنا ربک یبین لنا علم رضاہ عنا وعلم سخطہ فسألہ فقال یا موسیٰ انبئھم ان رضای عنھم ان استعمل علیھم خیارھم وان سخطی علیھم ان استعمل علیھم شرارھم (حوالہ بالا)

"اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لوگوں کو بتا دیں کہ ان سے میری رضا کی علامت یہ ہے کہ ان کے لئے اچھا حاکم مقرر کرتا ہوں اور میرے غضب کی علامت یہ ہے کہ ان پر بُرا حاکم مسلط کرتا ہوں۔"

(۴۳) واخرج البیہقی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حدثت ان موسیٰ او عیسیٰ قال یا رب ما علامۃ رضاک عن خلقک قال ان انزل علیھم الغیث ابان زرعھم واحبسہ ابان حصادھم واجعل امورھم الی حلمائھم وفیئھم فی ایدی سمحائھم قال یا رب فما علامۃ السخط قال ان انزل علیھم الغیث ابان حصادھم واحبسہ ابان زرعھم واجعل امورھم الی سفھائھم وفیئھم فی ایدی بخلائھم (حوالہ بالا)

"اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ یا عیسیٰ علیہما السلام سے فرمایا: مخلوق سے میری رضا کی علامت یہ ہے کہ میں کھیتی بونے کے وقت بارش برساتا ہوں اور کاٹنے کے وقت روک لیتا ہوں اور ملک پر بردبار لوگوں کو حاکم بناتا ہوں، اور ان کی حاجاتِ مالیہ سخی لوگوں کے سپرد کرتا ہوں، اور میرے غضب کی علامت یہ ہے کہ کھیتی کاٹنے کے وقت بارش برساتا ہوں اور بونے کے وقت روک لیتا ہوں اور ان پر احمق لوگوں کو حاکم بناتا ہوں اور ان کی حاجاتِ مالیہ

بخیل لوگوں کے سپرد کرتا ہوں۔"

(۷۴) قال العلامۃ الآلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: واستدل بہا علی ان الرعیۃ اذا کانوا ظالمین فاللہ تعالیٰ یسلط علیہم ظالما مثلہم وفی الحدیث کما تکونوا یولی علیکم (روح المعانی ص ۲۳ ج ۸)

"حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں پر انہی جیسا ظالم حاکم مسلط فرماتے ہیں، اور حدیث میں ہے کہ جیسے تم ہوگے تم پر ویسا ہی حاکم مسلط کیا جائے گا۔"

(۷۵) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یقول انا اللہ لا الٰہ الا انا مالک الملوک وملک الملوک قلوب الملوک فی یدی وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکہم علیہم بالرحمۃ والرأفۃ وان العباد اذا عصونی حولتہا علیہم بالسخطۃ والنقمۃ فساموہم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک ولکن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع کی اکفیکم ملوککم (حلیۃ ص ۳۸۸ ج ۲، مشکوٰۃ ص ۳۲۳)

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہوں کا مالک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، میرے بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں میں ان کے بادشاہوں کے دل ان کی طرف رحمت اور شفقت سے متوجہ کر دیتا ہوں، اور بندے جب میری نافرمانی کرتے ہیں میں ان کی طرف بادشاہوں کے دل غصہ اور انتقام سے متوجہ کر دیتا ہوں، سو وہ ان کو سخت عذاب چکھاتے ہیں، اس لئے خود کو بادشاہوں پر بددعا میں مشغول نہ کرو بلکہ خود کو ذکر اللہ اور تضرع میں مشغول کرو تاکہ میں تمہیں تمہارے بادشاہوں کے مظالم سے محفوظ رکھوں۔"

(۷۶) وکذا فی مجمع الزوائد بروایۃ الطبرانی (۵) (حیاۃ المسلمین ص ۸۲)

(۷۷) اذا اراد اللہ بقوم خیرا ولی علیہم حلماءہم وقضی بینہم علماؤہم وجعل المال فی سمحائہم واذا اراد بقوم شرا ولی علیہم سفہاءہم وقضی بینہم جہالہم وجعل المال فی بخلائہم (فر) عن مہران (ض) (الجامع الصغیر ص ۱۷ ج ۱)

"جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی نیکی کی وجہ سے اس کی بھلائی چاہتے ہیں تو ان پر بردبار لوگوں کو حاکم بناتے ہیں، اور ان کے فیصلے علماء کرتے ہیں، اور مال سخی لوگوں کو دیتے ہیں، اور جب کسی قوم کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے لئے برائی مقدر فرماتے ہیں تو احمقوں کو ان پر حاکم بناتے ہیں

اور ان کے فیصلے خراب لوگ کرتے ہیں۔ اور مال بخیل لوگوں کو دیتے ہیں۔"

(۷۸) ان اللہ تعالیٰ اذا غضب علی امۃ لم ینزل بھا عذاب خسف ولا مسخ غلت اسعارھا ویحبس عنھا امطارھا ویلی علیھا اشرارھا (ابن عساکر عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) (الجامع الصغیر ص[illegible] ج۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں اور ان پر زمین میں دھنسانے یا صورتیں مسخ کرنے کا عذاب نازل نہیں فرماتے تو ضرورت کی چیزوں کے نرخ گراں کر دیتے ہیں اور بارشیں روک لیتے ہیں اور ان پر برے حکام کو مسلط فرما دیتے ہیں۔"

(۷۹) وفی مجمع الزوائد عن جابر رضی اللہ عنہ رفعہ ان اللہ عزوجل یقول انتقم ممن اغضب بمن اغضب ثم اصیر کلا الی النار رواہ الطبرانی فی الاوسط وفیہ احمد بن بکر البالسی وھو ضعیف [illegible]

"بے شک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جن لوگوں پر میرا غضب ہے میں ان سے انہی جیسے مغضوب لوگوں کے ذریعہ انتقام لیتا ہوں پھر سب کو جہنم میں پھینک دیتا ہوں۔"

(۸۰) لا تسبوا الائمۃ وادعوا اللہ لھم بالصلاح فان صلاحھم لکم صلاح (طب) عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ (الجامع الصغیر ص... ج۲) "حکام کو گالیاں نہ دو، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے صلاحیت کی دعا کیا کرو کیونکہ ان کی صلاحیت سے تمہاری صلاحیت وابستہ ہے۔"

(۸۱) لا تشغلوا قلوبکم بسب الملوک ولکن تقربوا الی اللہ تعالیٰ بالدعاء لھم یعطف اللہ قلوبھم علیکم (ابن النجار عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) (الجامع الصغیر ص... ج۲)

"اپنے دلوں کو بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو، بلکہ ان کے لئے دعا کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو تم پر مہربان فرما دیں گے۔"

(۸۲) واخرج ابن ابی شیبۃ عن مالک بن مغول قال فی زبور داؤد علیہ السلام مکتوب انی انا اللہ لا الہ الا انا ملک الملوک قلوب الملوک بیدی فایما قوم کانوا علی طاعۃ جعلت الملوک علیھم رحمۃ وایما قوم کانوا علی معصیۃ جعلت الملوک علیھم نقمۃ لا تشغلوا انفسکم بسب الملوک ولا تتوبوا الیھم توبوا الی اعطف قلوبھم علیکم (الدر المنثور ص... ج۲)

"حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور میں لکھا ہے: بے شک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، سو جو قوم میری فرمانبردار ہوتی ہے میں بادشاہوں کو ان پر رحمت بنا دیتا ہوں اور جو قوم نافرمان ہوتی ہے میں بادشاہوں کو ان پر عذاب بنا دیتا ہوں، تم خود کو بادشاہوں کو گالیاں دینے میں مشغول نہ کرو اور ان کی طرف توجہ نہ کرو، میری طرف توجہ کرو میں ان کے قلوب کو تم پر مہربان کر دوں گا۔"

(۹۳) عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا ابغض المسلمون علماءھم واظھروا عمارۃ اسواقھم وتناکحوا علی جمع الدراھم رماھم اللہ عز وجل باربع خصال بالقحط من الزمان والجور من السلطان والخیانۃ من ولاۃ الاحکام والصولۃ من العدو (مستدرک حاکم ص ۳۲۵ ج ۴)

"جب مسلمان اپنے علماء سے بغض رکھیں گے اور اپنے بازاروں کی عمارت کو ظاہر کریں گے اور مال جمع کرنے پر نکاح کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو چار قسم کے عذاب میں مبتلا کریں گے، قحط، بادشاہ کا ظلم، حکام کی خیانت، دشمنوں کے حملے۔"

(۹۴) اخرج عبد بن حمید عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لتأمرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر او لیسلطن اللہ علیکم شرارکم ثم لیدعون خیارکم فلا یستجاب لھم (الدر المنثور ص ۳۰۰ ج ۲)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم نیک کاموں کا ضرور حکم کرتے رہو اور برے کاموں سے لازماً روکتے رہو، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بدترین لوگوں کو مسلط فرمادیں گے، پھر تمہارے نیک لوگ دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں قبول نہ ہوں گی۔"

درمنثور اور جامع صغیر میں اس مضمون کی اور بھی بہت سی روایات ہیں۔

(۹۵) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث طویل لا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوہ بمعاصی اللہ فانہ لا یدرک ما عند اللہ الا بطاعتہ رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان۔

"تمہیں رزق میں تاخیر ناجائز ذرائع سے کمانے پر ہرگز برانگیختہ نہ کرے، کیونکہ اللہ کے خزانہ سے اس کو راضی کئے بغیر کچھ نہیں لیا جا سکتا۔"

(۹۶) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کانت الآخرۃ ھمہ جعل اللہ غناہ فی قلبہ وجمع لہ شملہ واتتہ الدنیا وھی راغمۃ ومن کانت الدنیا ھمہ جعل اللہ فقرہ بین عینیہ وفرق علیہ شملہ ولم یأتہ من الدنیا الا ما قدر لہ۔ رواہ الترمذی۔

"جس کے قلب میں آخرت کی اہمیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو غنا سے بھر دیتے ہیں

وہ اس کی حاجات پوری فرماتے ہیں اور دنیا اس کے پاس ناک رگڑتی آتی ہے، اور جس کے دل میں دنیا کی اہمیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو فقر و فاقہ سے خوفزدہ رکھتے ہیں اور اس کی حاجات پوری نہیں ہونے دیتے اور دنیا بھی اتنی ہی ملتی ہے جتنی مقدر ہے۔"

(۸۷) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال کنت خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما فقال یا غلام احفظ اللہ یحفظک احفظ اللہ تجدہ تجاھک واذا سألت فاسأل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ واعلم ان الامۃ لو اجتمعت علی ان ینفعوک بشیء لم ینفعوک الا بشیء قد کتبہ اللہ لک ولو اجتمعوا علی ان یضروک بشیء لم یضروک الا بشیء قد کتبہ اللہ علیک رفعت الاقلام وجفت الصحف۔ رواہ احمد والترمذی۔

"اللہ کے احکام کی حفاظت کر اللہ تیری حفاظت کریگا، اللہ کے احکام کی حفاظت کر تو اللہ کو ہر حالت میں سامنے پائے گا، اور سوال کر تو صرف اللہ سے اور مدد طلب کر تو صرف اللہ سے اور یقین رکھ کہ پوری دنیا مل کر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہے تو اس سے زیادہ نفع ہرگز نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تیری قسمت میں لکھا ہے، اور اگر پوری دنیا جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو اس سے زیادہ نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکے گی جو اللہ نے تیری تقدیر میں لکھا ہے، تقدیر کے قلم چل چکے اور نوشتۂ تقدیر خشک ہو چکے۔"

(۸۸) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال ربکم عز وجل لو ان عبادی اطاعونی لاسقیتھم المطر باللیل واطلعت علیھم الشمس بالنھار ولما اسمعتھم صوت الرعد۔ رواہ احمد۔

"اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں ان کو رات میں بارش سے سیراب کروں اور دن کو دھوپ نکال دوں اور ان کو بجلی کی آواز نہ سناؤں۔"

(۸۹) عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لاعلم آیۃ لو اخذ الناس بھا لکفتھم ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ رواہ احمد وابن ماجۃ۔

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل کریں تو وہ ان کو کافی ہو جائے۔"

ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ۔

"جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے ہر مشکل سے نکلنے کا راستہ پیدا فرما دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

(۵) قال حنظلۃ الاسلمی بعث ابوبکر خالد بن الولید رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما الی اھل الردۃ وامرہ ان یقاتلھم علی خمس خصال فمن ترک واحدۃ من الخمس قاتلہ علی شھادۃ ان لا الہ الا اللّٰہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصیام شھر رمضان وحج البیت (تاریخ الخمیس ص ۲۰۳ ج ۲)

"حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مرتدین کے ساتھ جہاد کے لئے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا تو ان کو وصیت فرمائی:

"ان سے پانچ چیزوں پر قتال کریں۔ کلمۂ شہادت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج۔"

یعنی جو شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے اس سے قتال کریں۔

(۹) حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں "اجنادین" میں رومیوں سے بہت زبردست جنگ ہوئی، اس میں قصہ ذیل پیش آیا:

عن ابن اسحاق لما تراءی العسکران بعث القبقلار رجلا عربیا فقال لہ ادخل فی ھؤلاء القوم فاقم فیھم یوما ولیلۃ ثم ائتنی بخبرھم فدخل فی الناس رجل عربی لا ینکر علیہ فاقام فیھم یوما ولیلۃ ثم اتاہ فقال لہ ما وراءک فقال لہ باللیل رھبان وبالنھار فرسان ولو سرق ابن ملکھم قطعوا یدہ ولو زنی رجم لاقامۃ الحق فیھم فقال لہ القبقلار لئن کنت صدقتنی لبطن الارض خیر من لقاء ھؤلاء علی ظھرھا ولوددت ان اللّٰہ یخلی بینی وبینھم فلا ینصرنی علیھم ولا ینصرھم علی (تاریخ الخمیس ص ۲۲۲ ج ۲)

"رومیوں کے سپہ سالار نے ایک عربی شخص کو مسلمانوں کے حالات کی تحقیق کرنے کیلئے جاسوس بنا کر بھیجا اور اس سے کہا کہ ایک دن رات مسلمانوں کے لشکر میں رہ کر ان کے حالات کی خبر دے، چونکہ وہ عربی تھا اس لئے ان میں ایک دن رات بے تکلف رہا، اس نے واپس جا کر بتایا:

"یہ لوگ رات کو راہب ہیں اور دن میں شہسوار، یعنی رات بھر اللہ کے سامنے ناک رگڑتے ہیں اور دن بھر گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کرتے ہیں، اگر ان کے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو حمایت حق کے لئے اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیں اور زنا کرے تو اس کو بھی سنگسار کر دیں۔"

سپہ سالار نے کہا:

(۹۵) فارسل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقدم علیہ فامرہ علی حرب العراق واوصاہ فقال :

یا سعد بن وھیب لا یغرنک من اللہ ان قیل خال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب رسول اللہ فان اللہ عز وجل لا یمحو السیئ بالسیئ ولکنہ یمحو السیئ بالحسن فان اللہ لیس بینہ وبین احد نسب الا طاعتہ فالناس شریفھم ووضیعھم فی ذات اللہ سواء اللہ ربھم وھم عبادہ یتفاضلون بالعافیۃ ویدرکون ما عندہ بالطاعۃ فانظر الامر الذی رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ منذ بعث الی ان فارقنا فالزمہ فانہ الامر ھذہ عظتی ایاک ان ترکتھا ورغبت عنھا حبط عملک وکنت من الخاسرین ولما اراد ان یسرحہ دعاہ فقال انی قد ولیتک حرب العراق فاحفظ وصیتی فانک تقدم علی امر شدید کریہ لا یخلص منہ الا الحق فعود نفسک ومن معک الخیر واستفتح بہ واعلم ان لکل عادۃ عتادا فعتاد الخیر الصبر فالصبر الصبر علی ما اصابک او نابک یجتمع لک خشیۃ اللہ واعلم ان خشیۃ اللہ تجتمع فی امرین فی طاعتہ واجتناب معصیتہ وانما اطاعہ من اطاعہ ببغض الدنیا وحب الآخرۃ وعصاہ من عصاہ بحب الدنیا وبغض الآخرۃ وللقلوب حقائق ینشئھا اللہ انشاء منھا السر ومنھا العلانیۃ فاما العلانیۃ فان یکون حامدہ وذامہ فی الحق سواء واما السر فیعرف بظھور الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ وبمحبۃ الناس فلا تزھد فی التحبب فان النبیین قد سألوا محبتھم وان اللہ اذا احب عبدا حببہ واذا ابغض عبدا بغضہ فاعتبر منزلتک عند اللہ تعالی بمنزلتک عند الناس ممن یشرع معک فی امرک (طبری ص ۴ ج ۳ - البدایۃ والنہایۃ ص ۳۵ ج ۷)

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عراق کی جنگ میں امیر لشکر بنا کر بھیجا تو ان کو یوں نصیحت فرمائی :

"اے سعد! اس پر غرور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جاتا ہے ، اللہ تعالیٰ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں ، اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ، اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے ، اس کے ہاں شریف و ذلیل سب برابر ہیں ، باہم تفاوت مراتب ہے تو عافیت نفس اور گناہوں سے بچنے میں ہے ، اس کے انعامات اس کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں ، حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی بعثت کے بعد سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے اس کو پیش نظر رکھنا اور اس کو مضبوط پکڑنا۔ یہ میری تم کو نصیحت ہے اگر اس کو تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہوگا اور نقصان اٹھاؤ گے۔

تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے لئے بھیجے جا رہے ہو جس کی ذمہ داریوں سے خلاصی اتباع حق کے سوا اور کسی صورت میں نہیں ہو سکتی اس لئے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو جلالی کاعادی بنانا۔

اللہ کا خوف کرنا اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے اس کی اطاعت میں اور اس کی معصیت سے اجتناب میں۔ اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی وہ دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی۔ اور جس نے بھی اللہ کی معصیت کی اس نے دنیا کی محبت اور آخرت سے بغض کی وجہ سے کی۔"

(۹۶) وعن خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال لقد شھدت عشرین زحفا فلم ار قوما اصبر لوقع السیوف ولا اضرب بھا ولا اثبت اقداما من بنی حنیفۃ یوم الیمامۃ انا لما فرغنا من طلیحۃ الکذاب ولم تکن لہ شوکۃ قلت کلمۃ والبلاء موکل بالقول وما بنو حنیفۃ ما ھی الا کمن لقینا فلقینا قوما لیسوا یشبھون احدا ولقد صبروا لنا من حین طلعت الشمس الی صلاۃ العصر حتی قتل عدو اللہ (تلخیص ص ۲۶۰ ج ۲)

"حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جب ہم طلیحہ کذاب سے نپٹ کر فارغ ہوئے اور اس کی شوکت کچھ زیادہ نہ تھی اس کے بعد بنی حنیفہ کی طرف متوجہ ہوئے تو میری زبان سے ایک کلمہ عجب نکل گیا، اور مصیبت تو بات کے ساتھ وابستہ ہے میں نے کہہ دیا:

بنی حنیفہ بھلا کیا چیز ہیں یہ بھی طلیحہ کی جماعت جیسے ہی ہیں جن سے ہم نپٹ چکے ہیں۔ مگر جب ہم بنی حنیفہ سے بھڑے تو ہم نے دیکھا کہ ان جیسی کوئی جماعت نہیں طلوع آفتاب سے لے کر نماز عصر تک وہ برابر مقابلے میں ڈٹے رہے اس کے بعد ان کو شکست ہوئی۔"

منہ سے ایسا ایک کلمہ نکل جانے کا یہ اثر ہوا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ساتھ نصرت کیسے آسکتی ہے؟

(۹۷) قال سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللہ لینصرن اللہ ولیہ، ولیظہرن اللہ دینہ،

ولیھزمن اللہ عدوہ ان لم یکن فی الجیش بغی او ذنوب تغلب الحسنات

(البدایۃ والنھایۃ ص ۹۵ ج ۷)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"اللہ کی قسم! اللہ اپنے دوستوں کی ضرور مدد کریگا اور اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنے دشمنوں کو ضرور مغلوب کریگا جب تک لشکر میں ظلم نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہوجائیں۔"

یہ پورا قصہ آگے فتح مدائن کے بیان میں آرہا ہے۔

(۹۹) ونزل سعد رضی اللہ عنہ القادسیۃ واقام بھا شھرا لم یر احدا من الفرس احد فارسل سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی میسان فطلب غنما او بقرا فلم یقدر علیھا وتحصن منہ من ھناک فاصاب عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رجلا بجانب اجمۃ فسألہ عن البقر والغنم فحلف ما یعلم فصاح ثور من الاجمۃ کذب والله عدو الله ھا نحن، فدخل فاستاق البقر فاتی بھا العسکر فقسم سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی الناس فاخصبوا ایاما، فبلغ ذلک الحجاج فی زمانہ فارسل الی جماعۃ فسألھم فشھدوا انھم سمعوا ذلک وشاھدوہ، فقال کذبتم، قالوا ذلک ان کنت شھدتھا وغبنا عنھا قال صدقتم فما کان الناس یقولون فی ذلک، قالوا آیۃ تبشیر یستدل بھا علی رضی اللہ وفتح عدونا، فقال ما یکون ھذا الا والجمع ابرار اتقیاء قالوا ما ندری ما اجنت قلوبھم فاما ما رأینا فما رأینا قط ازھد فی دنیا منھم ولا اشد بغضا لھا، لیس فیھم جبان ولا عاجز ولا غدار، وذلک یوم الاباقر (الکامل لابن الاثیر ص ۴۵۴ ج ۲)

"حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قادسیہ میں ایک ماہ قیام فرمایا، لشکر کے پاس خورد و نوش کا سامان ختم ہوا تو آپ نے حضرت عاصم بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو میسان کی طرف بھیجا، انھوں نے لشکر کے خورد و نوش کے لئے کوئی گائے بکری تلاش کی مگر دستیاب نہ ہوئی، البتہ وہاں کا ایک چرواہا ایک بن کے پاس ملا، اس سے دریافت کیا کہ کوئی گائے بکری مل سکتی ہے؟ اس نے جھوٹ کہہ دیا کہ مجھے خبر نہیں۔ بن کے اندر سے ایک بیل نے آواز دی:

"کذب عدو اللہ ھا نحن"

"اللہ کے دشمن نے جھوٹ بولا، ہم یہاں موجود ہیں۔"

عاصم بن میں جاکر ان کو پکڑ لائے، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو لشکر پر

یہاں صرف وہ آیات و احادیث و آثار نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے جو بلا قصد استقصاء صرف سرسری توجہ سے ذہن میں آگئیں۔ ورنہ اس مضمون کی سب آیات و احادیث کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد بن جائے۔

ان میں سے بعض میں تو زور خیلاء کے لئے صراحۃً صبر و تقویٰ مذکور ہے اور بعض میں مقتضیات تقویٰ یعنی یہاں بات بمعیت مع اللہ، توکل علی اللہ، صبر و استقامت وغیرہ۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دوسرے جن حضرات نے ہر فیصلہ اور ہر اقدام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو پیش نظر رکھا اور تاز مخلوق کے قانون اور ان کی رضا جوئی کو سیاست و مصلحت پر مقدم رکھا، اللہ تعالیٰ نے ہر مرحلہ اور ہر قدم پر ان کو فتح و نصرت سے ہمکنار و کامران فرمایا اور تمام تر اسباب ظاہرہ کے سراسر خلاف ایسے ذرائع سے مدد فرمائی جن کو اہل دنیا کی عقل ناممکن سمجھتی ہے، بطور مثال اس قسم کے چند واقعات نقل کئے جاتے ہیں:

① عن ابن المنكدر ان سفينة رضي الله تعالى عنه مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم اخطأ الجيش بارض الروم او اسر فانطلق هاربا يلتمس الجيش فاذا هو بالاسد فقال يا ابا الحارث انا مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم كان من امري كيت وكيت فاقبل الاسد له بصبصة حتى قام الى جنبه كلما سمع صوتا اهوى اليه ثم اقبل يمشي الى جنبه حتى بلغ الجيش ثم رجع الاسد، رواه في شرح السنة (مشكوٰة ص[illegible])

"حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روم میں لشکر سے بچھڑ گئے، یا قید سے چھوٹ کر جا رہے تھے اچانک ایک شیر سامنے آگیا، انہوں نے اس سے فرمایا:

"میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں، لشکر سے بچھڑ گیا ہوں"

وہ شیر دم ہلاتا ہوا ان کے ساتھ ہولیا، جہاں کہیں کوئی خطرہ کی آواز سنتا وہ اس طرف جھپٹتا، اس سے نمٹ کر پھران کے ساتھ چلنے لگتا، حتی کہ ان کو لشکر تک پہنچا کر واپس چلا گیا۔"

② خلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں حضرت عقبہ بن نافع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح افریقہ کے بعد مصالح جہاد کے پیش نظر وہاں ایک نیا شہر "قیروان" بسایا، اس شہر کی بنیاد کا قصہ یہ ہے:

فجمع عقبة حينئذ أصحابه وقال: إن أهل هذه البلاد قوم لا خلاق لهم إذا عضهم السيف أسلموا وإذا رجع المسلمون عنهم عادوا إلى عادتهم ودينهم، ولست أرى نزول المسلمين بين أظهرهم رأيا، وقد رأيت أن أبني ههنا مدينة يسكنها المسلمون، فاستصوبوا رأيه فجاؤوا إلى موضع القيروان وهي في طرف البر وهي أجمة عظيمة وغيضة لا يشقها الحيات من تشابك أشجارها، وقال: إنما اخترت هذا الموضع لبعده من البحر لئلا تطرقها مراكب الروم فتهلكها، وهي في وسط البلاد، ثم أمر أصحابه بالبناء فقالوا:

هذه غياض كثيرة السباع والهوام فنخاف على أنفسنا هنا، وكان عقبة مستجاب الدعوة فجمع من كان في عسكره من الصحابة رضي الله تعالى عنهم وكانوا ثمانية عشر ونادى: أيتها الحشرات والسباع نحن أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فارحلوا عنا فإنا نازلون فمن وجدناه بعد قتلناه، فنظر الناس يومئذ إلى أمر هائل، كان السبع يحمل أشباله والذئب يحمل أجراءه والحية تحمل أولادها وهم خارجون أسرابا أسرابا فحمل ذلك كثيرا من البربر على الإسلام، ثم اختط دار الإمارة واختط الناس حوله وأقاموا بعد ذلك أربعين عاما لا يرون فيها حية ولا عقربا. (معجم البلدان ص ۴۲۰ ج ۴)

"حضرت عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے فوجیوں نے کہا:

"یہاں درندے اور سانپ بچھو وغیرہ موذی جانور بہت ہیں، اس لئے ہمیں یہاں ٹھہرنے میں خطرہ ہے۔"

حضرت عقبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لشکر سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جمع کیا جو اٹھارہ تھے، پھر اعلان کیا:

"اے زمین کے اندر رہنے والے موذی جانورو اور درندو! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں، یہاں رہنا چاہتے ہیں، اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ، اس کے بعد تم میں سے جس کو بھی ہم پائیں گے قتل کردیں گے۔"

سو لوگوں نے خوفناک منظر دیکھا کہ شیر، بھیڑیے اور سانپ اپنے بچوں کو اٹھائے غول در غول بھاگے جارہے ہیں، یہ دیکھ کر دشمن کی قوم "بربر" کے بہت سے لوگ

مسلمان ہوگئے۔

اس کے بعد یہ حضرات وہاں چالیس سال رہے، اس عرصہ میں کسی نے وہاں نہ کوئی سانپ دیکھا نہ بچھو۔

(۴) ذکر فتح المدائن ومُلک کسریٰ:

لما فتح سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نهرشير واستقر بها، وذلك في صفر، لم يجد فيها احدا ولا شيئا مما يغنم، بل قد تحولوا بكمالهم الى المدائن وركبوا السفن وضموا السفن اليهم، ولم يجد سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ شيئا من السفن، وتعذر عليه تحصيل شيء منها بالكلية، وقد زادت دجلة زيادة عظيمة واسود ماؤها، ورمت بالزبد من كثرة الماء بها، واخبر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بان كسرى يزدجرد عازم على اخذ الاموال والامتعة من المدائن الى حلوان، وانك ان لم تدركه قبل ثلاث فات عليك وتفارط الامر، فخطب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ المسلمين على شاطئ دجلة، فحمد الله واثنى عليه وقال: ان عدوكم قد اعتصم منكم بهذا البحر فلا تخلصون اليهم معه، وهم يخلصون اليكم اذا شاؤوا فيناوشونكم في سفنهم، وليس وراءكم شيء تخافون ان تؤتوا منه، وقد رأيت ان تبادروا جهاد العدو بنياتكم قبل ان تحصركم الدنيا، الا اني قد عزمت على قطع هذا البحر اليهم، فقالوا جميعا: عزم الله لنا ولك على الرشد فافعل، فعند ذلك ندب سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ الناس الى العبور ويقول: من يبدأ فيحمي لنا الفراض - يعني ثغرة المخاضة من الناحية الاخرى - ليجوز الناس اليهم آمنين، فانتدب عاصم بن عمرو وذوو البأس من الناس قريب من ستمائة، فامر سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عليهم عاصم بن عمرو فوقفوا على حافة دجلة فقال عاصم: من ينتدب معي لنكون قبل الناس دخولا في هذا البحر فنحمي الفراض من الجانب الآخر؟ فانتدب له ستون من الشجعان المذكورين - والاعاجم وقوف صفوفا من الجانب الآخر - فتقدم رجل من المسلمين وقد احجم الناس عن الخوض في دجلة، فقال: اتخافون من هذه النطفة؟ ثم تلا قوله تعالى:

"وما كان لنفس ان تموت الا باذن الله كتابا مؤجلا"

ثم اقحم فرسه فيها واقتحم الناس، وقد افترق الستون فرقتين: اصحاب

مثله سواء، وهو منسوج بالذهب واللآلئ والجواهر الثمينة، وفيه مصور جميع ممالك كسرى، بلاده بأنهارها وقلاعها وأقاليمها وكنوزها، وصفة الزروع والأشجار التي في بلاده، فكان إذا جلس على كرسي مملكته ودخل تحت تاجه، وتاجه معلق بسلاسل الذهب، لأنه كان لا يستطيع أن يقله على رأسه لثقله، بل كان يجيء فيجلس تحته ثم يدخل رأسه تحت التاج وسلاسل الذهب تحمله عنه، وهو يستره حال لبسه، فإذا رفع الحجاب عنه خرت له الأمراء سجودا، وعليه المنطقة والسوارين والسيف والقباء المرصع بالجواهر، فينظر في البلدان واحدة واحدة، فيسأل عنها ومن فيها من النواب، وهل حدث فيها شيء من الحوادث؟ فيخبره بذلك ولاة الأمور بين يديه، ثم ينتقل إلى الأخرى، وهكذا حتى يسأل عن أحوال بلاده في كل وقت لا يهمل أمر المملكة، وقد وضعوا هذا البساط بين يديه تذكارا له بشأن الممالك، وهو إصلاح جيد منهم في أمر السياسة، فلما جاء قدر الله زالت تلك الأيدي عن تلك الممالك والأراضي، وتسلمها المسلمون من أيديهم قسرا، وكسروا شوكتهم عنها، وأخذوها بأمر الله صافية ضافية، ولله الحمد والمنة.

(البدایۃ والنہایۃ ص ۶۷ ج ۷، طبری ص ... ج ۳)

کسریٰ تک پہنچنے میں دریائے دجلہ حائل تھا، امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتہائی کوشش کے باوجود کوئی کشتی نہ مل سکی، ادھر دریا میں بہت زبردست طوفان بپا تھا، بہت ہولناک موجوں کے تصادم سے دریا جھاگ پھینک رہا تھا، پانی بالکل سیاہ نظر آرہا تھا، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دجلہ کے کنارے پر اپنے لشکر سے خطاب فرمایا، پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا:

"دشمن تک پہنچنے کے لئے اس دریا کو عبور کئے بغیر کوئی راستہ نہیں، میں نے اس سمندر کو قطع کرکے دشمن تک پہنچنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

پورے لشکر نے اس فیصلہ کا پرجوش خیر مقدم کیا، آپ نے حکم دیا:

"دریا میں گھوڑے ڈال دو"

دشمن نے یہ منظر دیکھا تو چلانے لگے: "دیوانے دیوانے"

پھر آپس میں کہنے لگے:

"تم انسانوں سے قتال نہیں کر رہے، تمہارے مقابلہ میں جنات ہیں۔"

دریا میں گھوڑے اتارتے وقت حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کو یہ کلمات کہنے کا حکم دیا:

"نستعین باللہ ونتوکل علیہ، حسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔"

پھر آپ نے دریا میں گھوڑا ڈال دیا، ساتھ ہی پورے لشکر نے بھی بے دھڑک دریا میں اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ ایک شخص نے دریا میں گھوڑا ڈالتے وقت کہا:

"اس نطفہ سے ڈرتے ہو؟"

پھر اس نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا (۳-۱۴۵)

"اور اللہ کے حکم کے بغیر کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں، اس کی معین میعاد لکھی رہتی ہے۔"

دریا میں ایسے اطمینان سے باہم باتیں کرتے جا رہے تھے جیسے زمین پر چل رہے ہوں، اگر کوئی گھوڑا تھک جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے دریا میں ٹیلہ بلند فرما دیتے، وہ اس پر رک کر تازہ دم ہو کر پھر دریا میں چلنے لگتا۔ دریا کے سفر میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے تھے:

"حسبنا اللہ ونعم الوکیل، واللہ لینصرن اللہ ولیہ، ولیظہرن اللہ دینہ، ولیھزمن اللہ عدوہ، ان لم یکن فی الجیش بغی او ذنوب تغلب الحسنات۔"

"اللہ کی قسم! اللہ اپنے دوستوں کی ضرور بہ ضرور مدد کرے گا اور اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنے دشمنوں کو ضرور مغلوب کرے گا جب تک لشکر میں ظلم نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہو جائیں۔"

اللہ تعالیٰ کی مدد سے پورا لشکر صحیح سلامت دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا، گھوڑے دریا سے نکلے تو پچھاڑیاں لگا رہے تھے، گردنوں کے بال جھاڑ رہے تھے اور مستی سے ہنہنا رہے تھے۔

لشکر مدائن میں داخل ہوا تو اس کو بالکل خالی پایا، کسریٰ اپنی فوج سمیت وہاں سے بھاگ گیا تھا، مسلمانوں نے بے حد و حساب بے بہا خزانے پائے۔

"یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم اسقنا"

ایک نہایت معمولی سا بادل اٹھا اور فوراً اس زور سے برسا کہ سب نے پیاس بجھائی، برتنوں کو بھرا، سواریوں کو پلایا، یہاں سے نپٹ کر دشمن کے تعاقب کے لئے دارین کا قصد کیا، وہاں پہنچنے کے لئے سمندر کو عبور کرنا پڑتا تھا، سمندر ایسا زبردست تھا کہ اس میں کبھی بھی کوئی اس سے پہلے داخل نہ ہوسکا تھا، بعد میں مرتدین نے کشتیاں بھی جلا ڈالی تھیں تاکہ مسلمان ان کا تعاقب نہ کرسکیں، حضرت علاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو رکعتیں پڑھ کر دعاء کی:

"یا حلیم یا علیم یا علی یا عظیم اجزنا"

پھر گھوڑے کی باگ پکڑ کر سمندر میں کود پڑے اور لشکر سے فرمایا:

"اللہ کا نام لے کر کود پڑو"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"ہم پانی پر چل رہے تھے، واللہ کی قسم! نہ ہمارا قدم بھیگا نہ موزہ بھیگا نہ گھوڑوں کے سم بھیگے اور چار ہزار کا لشکر تھا۔"

بعض روایات میں ہے کہ یہ سمندر ایک دن کی مسافت تھا۔

عفیف بن منذر اس جہاد میں شریک تھے، انھوں نے اس بارے میں دو شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے:

"کیا تو دیکھتا نہیں کہ اللہ نے سمندر کو مطیع کردیا، اور کفار پر کتنی سخت مصیبت نازل کی۔
ہم نے اس پاک ذات کو پکارا جس نے بنی اسرائیل کے لئے سمندر کو شق کردیا تھا، اس نے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل سے کہیں زیادہ اعانت کا معاملہ فرمایا۔"

(۳) اوپر لکھے ہوئے بیان کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واضح ارشادات اور مذکورہ واقعات سے ثابت ہوا کہ کامیابی کا صحیح طریقہ صرف یہی ہے کہ سیاست میں صرف مشروع و جائز طریقے اختیار کئے جائیں، پھر اگر صورۃً کامیابی نہ بھی ہوئی تو حقیقی کامیابی یعنی رضائے الٰہی تو بہرحال حاصل ہے، اور انسان مکلف بھی اسی کا ہے کہ جائز اسباب اختیار کرے اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ پھر خواہ غالب ہو یا مغلوب، ظاہراً کامیاب ہو یا ناکام بہرصورت عند اللہ کامیاب ہے۔

حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی کافر نے اچانک نیزہ مارا، خون کا فوارہ پھوٹ پڑا، آپ نے ہاتھ میں خون لیکر چہرے پر ملا اور فرمایا: فزت ورب الکعبۃ،
"رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا"

دیکھئے بظاہر ناکام ہونے کے باوجود خود کو کامیاب سمجھ رہے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ومن یقاتل فی سبیل اللہ فیقتل او یغلب فسوف نؤتیہ اجرا عظیما (۴-۷۴)
قل هل تربصون بنا الا احدی الحسنیین (۹-۵۲)
ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التوراۃ والانجیل والقرآن (۹-۱۱۱)

ان نصوص میں ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے جہاد کرتے ہیں ظاہراً کامیاب ہوں یا ناکام دونوں صورتوں میں بشارتیں ہیں اس لئے کہ اصل مقصد یعنی رضائے الٰہی حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور حدود کی پابندی اور ان کے لئے قربانی پر استقامت کی صورت میں زندہ رہیں یا مر جائیں ہر صورت کامیابی ہی کامیابی ہے۔

زندہ کی غنیمت تو [illegible] ∗ [illegible] مر جائیں تو شہادت [illegible]

قرآن مجید میں جگہ جگہ فلاح و فوز کی بشارتیں اور کامیابی کے تمغے صرف ان لوگوں کو عطا کئے گئے ہیں جو ہر حال میں اپنے مالک کی بیان فرمودہ حدود پر قائم رہتے ہیں۔ اولئک هم المفلحون ۔ اولئک هم الفائزون ۔ قد افلح المؤمنون ۔ الآیات ۔
ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنوا وعملوا الصالحات ۔ الآیۃ

مزید کئی متعدد آیات میں ہر حالت میں فرمانبردار بندوں کو کامیاب بتایا گیا ہے خواہ بظاہر وہ ناکام ہی کیوں نہ ہوں۔ اصل کامیابی رضائے مالک کی تحصیل ہے جو صرف اسکی اطاعت اور ترک معصیت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ظاہری کامیابی ہی کو مقصد سمجھ لیا جائے تو اس سے لازم آئیگا کہ معاذ اللہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کامیاب نہیں ہوئے اسلئے کہ ان کو حکومت نہیں ملی۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بعض نبی ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان پر صرف ایک شخص ایمان لایا اور بعض پر ایک شخص بھی ایمان نہیں لایا۔ اور قرآن کریم میں کئی مقامات میں تصریح ہے کہ بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل

کر دیا گیا تو کیا معاذ اللہ! یہ سب ناکام رہے؟ ہرگز نہیں! بس کامیابی کے معنی یہی ہیں کہ تحصیل رضائے مولیٰ کی خاطر اس کے بتائے ہوئے قواعد و ضوابط پر ثابت قدم رہے وفقنا اللہ الجمیع لما یحب و یرضی، وھو العاصم من جمیع الفتن ولہ الحمد اولا وآخرا۔

۲۳ رمضان ۹ھ ہجری
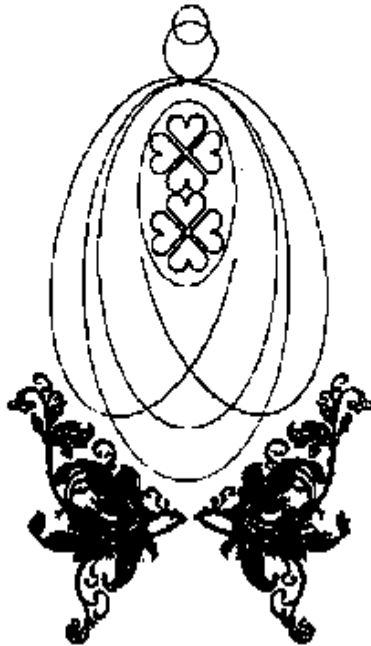
حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے سیاسی افکار

— تحریر مولانا محمد تقی عثمانی —

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کے ہر شعبے میں جو عظیم خدمات لیں ان کی نظیر ماضی کی کئی صدیوں میں ڈھونڈے سے نہیں ملتی مسلمانوں کی دینی ضرورت کا شاید ہی کوئی موضوع ایسا ہو جس پر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا کوئی مفصل یا مختصر کلام موجود نہ ہو۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف، مواعظ اور ملفوظات اپنے دور کی دینی ضروریات پر مشتمل ہیں اور زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں دین کی تعلیمات کو انھوں نے کسی نہ کسی شکل سے واضح کرنے کی کوشش نہ کی ہو۔

اس وقت میرے پیش نظر حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے سیاسی افکار کی تشریح و توضیح ہے۔ اگرچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت کسی بھی حیثیت سے کوئی سیاسی شخصیت نہیں تھی اور نہ سیاست آپ کا خصوصی موضوع تھا، لہٰذا آپ کی کوئی تصنیف خالصۃً سیاست کے موضوع پر موجود نہیں ہے، لیکن چونکہ اسلام کے احکام دین کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاست سے بھی متعلق ہیں اس لئے اسلامی احکام کی تشریح و وضاحت کے ضمن میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سیاسی احکام پر بھی اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں مختصر مگر جامع بحثیں فرمائی ہیں جن میں اسلامی احکام کی توضیح کے ساتھ ساتھ عہد حاضر کے دوسرے سیاسی نظاموں اور سیاست کے میدان میں پائی جانے والی فکری اور عملی گمراہیوں پر بھی بصیرت افروز تبصرے شامل ہیں۔ اس مقالے میں انہی بحثوں کا ایک ایسا مطالعہ مقصود ہے جس کے ذریعے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے بیان کے مطابق سیاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ایک واضح تصور ابھر کر سامنے آسکے۔

آج کی دنیا میں جو سیاسی نظام عملاً قائم ہیں، ان کے پھیلائے ہوئے تصورات لوگوں

کے ذہن و دماغ پر اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ ان کے اثرات سے اپنی سوچ کو آزاد کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے، ان سیاسی نظاموں نے کچھ چیزوں کو اچھا اور کچھ کو برا قرار دیکر اپنے ان نظریات کا پروپیگنڈا اتنی شدت کے ساتھ کیا ہے کہ لوگ ان کے خلاف کچھ کہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اوّل تو اس لئے کہ پروپیگنڈے کی عجیب طاقتوں نے ذہن ہی ایسے بنا دیئے ہیں کہ انہوں نے ان نظریات کو ایک مسلّم سچائی کے طور پر قبول کر لیا ہے اور دوسرے اس لئے کہ اگر کوئی شخص عقلی طور پر ان نظریات سے اختلاف بھی رکھتا ہو تو ان کے خلاف کچھ بولنا دنیا بھر کی ملامت اور طعن و تشنیع کو دعوت دینے کے مترادف ہے لہٰذا وہ خاموشی ہی میں عافیت سمجھتا ہے۔

اس بنا پر جب آج کی دنیا میں اسلام کی سیاسی تعلیمات کی تشریح کی جاتی ہے تو اچھے اچھے لوگ جن میں بہت سے علماء بھی داخل ہیں، اپنے ذہن کو زمانے کے ان مسلّمہ تصورات سے آزاد نہیں کر پاتے، اور اس کے نتیجے میں جب وہ اسلام کے مطلوب سیاسی ڈھانچے کی تفصیلات بیان کرتے ہیں تو ان تصورات کو مستعار لے کر اس ڈھانچے میں فٹ کرنا ضروری خیال کرتے ہیں، اس طرح اس نازک موضوع پر التباس اور غلط مبحث کی اتنی تہیں چڑھتی چلی گئی ہیں کہ حقیقت حال چھپ کر رہ گئی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے اللہ تعالیٰ نے چودھویں صدی میں دین کی تجدید کا عظیم الشان کام لیا، اور یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جس پر قرآن و سنت اور مآخذ شریعت کا پختہ رنگ اس طرح چڑھا ہوا ہو کہ کوئی دوسرا رنگ اس پر نہ چڑھ سکے۔ ایسا شخص زمانے کو جانتا ضرور ہے، لیکن قبول وہی بات کرتا ہے جو اس پختہ رنگ کے مطابق ہو۔ وہ اپنی آنکھیں پوری طرح کھلی رکھتا ہے، لیکن گرد و پیش میں ہونے والے پروپیگنڈے کے شور و شغب سے مرعوب نہیں ہوتا، اور اگر بالفرض ساری دنیا کسی ایک سمت میں چلی جائے تب بھی وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسی بات پر ڈٹا رہتا ہے جو مآخذ شریعت کی رو سے سچی اور کھری ہو اور اس کے اظہار میں کوئی مرعوبیت یا شرم یا مخلوق کا خوف اس کے آڑے نہیں آتا۔

سیاست کے معاملے میں بھی حکیم الامت قدس سرہ نے دین کی صراط مستقیم پر اسی ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا، اور اس دور میں جب بہت سے باطل نظریات کی آمیزش نے

سیاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو ڈھونڈلا کر دیا تھا، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے ان تعلیمات کو اپنی صحیح شکل و صورت میں پیش کیا اور پروپیگنڈے کے کسی شور و شغب سے مرعوب نہیں ہوئے۔

چونکہ آجکل کی سیاست جس میں وہ سیاست بھی داخل ہے جس کا مقصد اسلام کا نفاذ بتایا جاتا ہے ایک خاص رخ پر چل رہی ہے، اور اس میں بعض باتوں کو اصول موضوعہ کے طور پر اس طرح مسلمہ سمجھ لیا گیا ہے کہ ان کے خلاف کا تصور بھی ذہنوں میں نہیں آتا اس لئے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے سیاسی افکار ان سیاسی ذہنوں کو یقیناً اجنبی محسوس ہوں گے جو بنیادی طور پر مغربی انداز سیاست سے متأثر ہیں لیکن حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ افکار آپ کے ذاتی افکار نہیں ہیں، بلکہ ان کی بنیاد قرآن و سنت اور خلافت راشدہ کے طرز عمل پر ہے، اور ان کے پیچھے نقلی اور عقلی دلائل کی مضبوط طاقت ہے اس لئے ان کا مطالعہ اور ان پر ٹھنڈے دل اور غیر جانبدار ذہن سے غور کرنا ضروری ہے تاکہ حقیقت حال واضح ہو سکے۔

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے سیاسی افکار کو میں تین حصوں میں تقسیم کر کے پیش کرنا چاہتا ہوں:

(۱) اسلام میں سیاست کا مقام۔

(۲) اسلامی نظام حکومت اور حکومت کے فرائض۔

(۳) اسلام میں سیاسی جد و جہد کا طریق کار۔

(۱) اسلام میں سیاست کا مقام:

سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ دین میں سیاست کا مقام کیا ہے؟ اور دین میں ایک صحیح سیاسی نظام کے قیام کی اہمیت کس درجے میں ہے؟ عیسائیت کا یہ باطل نظریہ بہت مشہور ہے:

"قیصر کا حق قیصر کو دو، اور خدا کا حق کلیسا کو"

جس کا حاصل یہ ہے کہ مذہب کا سیاست میں کوئی عمل دخل نہیں ہے اور مذہب و سیاست دونوں کا دائرہ عمل مختلف ہے، دونوں کو اپنے اپنے دائرے میں ایک دوسرے کی مداخلت کے بغیر کام کرنا چاہیے، دین و سیاست کی تفریق کا یہی نظریہ عہد حاضر میں ترقی کر کے "سیکولرزم" کی شکل اختیار کر گیا جو آج کے نظام ہائے سیاست میں مقبول ترین نظریہ سمجھا جاتا ہے۔

سیاست اسلامیہ ——— ص۲۳

ظاہر ہے کہ اسلام میں اس نظریے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات چونکہ ہر شعبۂ زندگی سے متعلق ہیں جن میں سیاست بھی داخل ہے۔ اس لئے اسلام میں سیاست کو دین و مذہب سے بے تعلق رکھنے کا کوئی جواز موجود نہیں ہے۔

چنانچہ عہد حاضر میں بہت سے مسلمانوں نے عیسائیت اور سیکولرزم کے اس باطل نظریے کی پرزور تردید کی۔ اور یہ ثابت کیا کہ سیاست کو دین سے الگ نہیں کیا جا سکتا، بقول اقبال مرحوم ؎

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

لیکن سیکولرزم اور دین و سیاست کی تفریق کے اس نظریے کی پرزور تردید کرتے ہوئے بہت سے مسلمان مفکرین اور اہل قلم سے ایک نہایت باریک غلطی واقع ہو گئی جو دیکھنے میں بڑی باریک اور معمولی تھی لیکن اس کے ثمرات بہت دور رس تھے۔ اس باریک غلطی کو ہم مختصر لفظوں میں بیان کرنا چاہیں تو اسے اس طرح تعبیر کر سکتے ہیں کہ انھوں نے "سیکولرزم" کی تردید کے جوش میں سیاست کو اسلامی بنانے کے بجائے اسلام کو سیاسی بنا دیا، کہنا یوں تھا:

"سیاست کو دین سے الگ نہ ہونا چاہئے"

لیکن کہا یوں:

"دین کو سیاست سے الگ نہیں ہونا چاہئے"

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کے بہت سے احکام سیاست و حکومت سے متعلق ضرور ہیں اور ایمان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ ہر مسلمان اسلام کے دوسرے احکام کی طرح ان احکام پر بھی بقدر استطاعت عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کرے، حاکم کا فرض ہے کہ وہ اسلامی احکام کو نافذ کرے اور انہی احکام کے مطابق حکومت کرے اور عوام کا فرض ہے کہ وہ شرعی احکام کے مطابق ایسی حکومت کے قیام کی کوشش اور اگر وہ قائم ہو جائے تو اس کی اطاعت کریں۔

لیکن عہد حاضر کے بعض مفکرین اور مصنفین نے جنہوں نے سیکولرزم کی تردید میں کام کیا، تردید کے جوش میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے سیاست و حکومت کو اسلام کا مقصود اصلی، اس کا حقیقی نصب العین اور بعثت انبیاء علیہم السلام کا

مطمحِ نظر، بلکہ انسان کی تخلیق کا اصل ہدف قرار دیدیا اور اسلام کے دوسرے احکام مثلاً عبادات وغیرہ کو نہ صرف ثانوی حیثیت دیدی، بلکہ انھیں اسی مقصودِ اصلی یعنی "سیاست" کے حصول کا ایک ذریعہ اور اس کی تربیت کا ایک طریقہ قرار دیدیا۔

اس انتہا پسندی کا پہلا زبردست نقصان تو یہ ہوا کہ اسکے نتیجے میں دین کی مجموعی تصویر اور اسکی ترجیحات کی ترتیب (ORDER OF PRIORITY) اُلٹ کر رہ گئی، جو چیز وسیلہ تھی وہ مقصد بن کر ہمہ وقت دل و دماغ پر چھا گئی، اور جو مقصد تھا وہ ایک غیر اہم وسیلہ بن کر پس منظر میں چلا گیا، چنانچہ اس طرزِ فکر کے تحت ذہن کچھ اس طرح کا بن گیا کہ ایک مسلمان کا اصل مقصدِ زندگی سیاست اور حکومت کی اصلاح ہونا چاہیئے، کام وہی کام ہے جو اس راستے میں انجام دیا جائے، قربانی وہی قربانی ہے جو اس راہ میں پیش کی جائے، اور مثالی انسان وہی انسان ہے جس نے اس کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا کر دن رات اس کے لئے وقف کر رکھے ہوں۔ اور دین کے دوسرے شعبوں مثلاً طاعات وعبادات، زہد وتقویٰ، اصلاحِ نفس اور خشیت وانابت وغیرہ کی نہ صرف یہ کہ کوئی خاص اہمیت باقی نہ رہی بلکہ جو شخص ان کاموں میں مشغول ہو اس کے بارے میں یہ تصور قائم کر دیا گیا کہ گویا وہ سادگی میں اُلجھا ہوا ہے اور دین کے بنیادی مقاصد سے دور ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ جب اسلام کا مقصدِ اصلی سیاست وحکومت قرار پایا۔ اور عبادات وغیرہ کے احکام کی حیثیت محض وسیلے کی ہوگئی تو یہ ایک بدیہی بات ہے کہ کبھی کبھی وسائل کو مقصد پر قربان بھی کرنا پڑتا ہے، اور مقصد کے حصول کے لئے اگر کبھی کسی وسیلے میں کچھ اونچ نیچ یا کمی بیشی بھی ہوجائے تو وہ گوارا کرلی جاتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ انتہا پسندی کے نتیجے میں شعوری یا غیر شعوری طور پر اس بات کی بڑی گنجائش پیدا ہوگئی کہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے عبادات وغیرہ کے احکام میں کوئی کمی کوتاہی بھی ہوجائے تو وہ قابلِ ملامت نہیں، کیونکہ وہ ایک بڑے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہوئی ہے۔

سیاست کو دین کا ایک شعبہ نہیں، بلکہ دین کا مقصودِ اصلی قرار دینے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے تجارت ومعیشت بھی دین کا ایک شعبہ ہے، اس حیثیت

سے دین کے بہت سے احکام تجارت و معیشت سے بھی متعلق ہیں بلکہ کسب حلال کے بہت سے فضائل بھی احادیث میں وارد ہوئے ہیں، اب اگر ان فضائل کے پیش نظر کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ دین کا اصل مقصد ہی تجارت و معیشت اور کسب حلال ہے تو یہ بات اتنی غلط ہوگی کہ اس پر دلائل قائم کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔

بعینہ اسی طرح سیاست اس معنی میں دین کا ایک شعبہ ضرور ہے کہ دین کے بہت سے احکام اس سے متعلق ہیں اور اسکے بہت سے فضائل بھی قرآن و حدیث میں وارد ہوئے ہیں لیکن ان فضائل کی بنیاد پر اسکو دین کا مقصود اصلی قرار دینا ایسی ہی غلطی ہے جیسے تجارت و معیشت کو دین کا اصل نصب العین قرار دینا۔

لیکن چودہویں صدی ہجری کے آغاز میں جب سے مسلمانوں میں مغربی استعمار سے آزاد ہونے کی تحریکات شروع ہوئیں، اسوقت سے وہ انتہا پسندانہ طرز فکر عام ہوتا گیا جس میں سیاست کو "خلافت فی الارض" "حکومت الٰہیہ" وغیرہ کے عنوانات سے دین کا بنیادی مقصد قرار دیدیا گیا۔ طرز فکر کی اس غلطی نے مسلمانوں میں اتنی آہستگی سے اپنی جگہ بنائی کہ اچھے اچھے لوگوں کو یہ احساس نہ ہو سکا کہ ان کے فکر و عمل کا کانٹا تبدیل ہوگیا ہے "سیاسی استقلال" کی ضرورت و اہمیت اس درجہ ذہنوں پر چھائی ہوئی تھی کہ اس باریک مگر دوررس غلطی پر غور کرکے "دین میں سیاست" کا صحیح مقام متعین کرنے کی فرصت ہی نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تصور بعض حضرات نے شعوری طور پر اختیار کیا اور بعض نے غیر شعوری طور پر اور تحریکات کے اجتماعی عمل نے اس پر ایسی مہر ثبت کردی کہ اچھے اچھے اہل علم کو بھی کانٹے کی اس تبدیلی کا احساس نہ ہو سکا۔

اس ماحول میں احقر کے علم کے مطابق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ وہ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اس باریک غلطی کو دو ٹوک لفظوں میں واضح فرمایا اور قرآن و سنت کے دلائل سے ثابت کیا کہ دین میں سیاست کا صحیح مقام کیا ہے؟

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ۔

سیاست اسلامیہ ـــــــــــــ ۵۶

"وہ لوگ جن کو اگر ہم زمین کی حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں، اور سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

اس سے واضح ہے کہ دیانات مقصود بالذات ہیں، اور سیاست وجہاد مقصود بالذات نہیں، بلکہ اقامت دیانات کا وسیلہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیانات اور احکام دیانت تو انبیاء علیہم السلام کو مشترک طور پر سب کو دیئے گئے اور سیاسیات وجہاد سب کو نہیں دیا گیا، بلکہ جہاں ضرورت ومصلحت سمجھی گئی حکومت دی گئی ورنہ نہیں۔ وسائل کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ ضرورت ہی کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ دوسری آیات میں تو اسکے خلاف مضمون موجود ہے جن سے دیانت کا وسیلہ ہونا اور تمکین فی الارض اور سیاست کا مقصود ہونا سمجھ میں آتا ہے اور وہ یہ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ۔

"تم میں جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ان کے لئے قوت دے گا"

یہاں ایمان وعمل صالح کو شرط قرار دیا گیا ہے تمکین فی الارض کی جس سے تمکین و سیاست کا مقصود اصلی ہونا لازم آتا ہے۔

سو جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں ایمان اور عمل صالح پر تمکین وشوکت کا وعدہ کیا گیا ہے اور بطور خاصیت کے شوکت کا دین پر مرتب ہونا ذکر فرمایا گیا ہے، پس دین پر سیاست وقوت موعود ہوئی لیکن وعدہ کا مقصود ہونا ضروری نہیں، ورنہ آیت کریمہ:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ۔

"اور اگر یہ لوگ توریت کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی (یعنی قرآن) اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے۔"

جس میں اقامت تورات وانجیل وقرآن، یعنی عمل بالقرآن پر وسعت رزق کا وعدہ کیا گیا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ دین سے یہ مقصود ہے؟ بلکہ دین پر موعود ہے تو دنیا مقصود کا تنگی نہیں ہو سکتا، پس موعود کا مقصود ہونا ضروری نہیں۔ یہاں بھی ایسا ہی دو عملی مصالح پر شوکت وقوت اور سیاست وغیرہ موعود ہیں جو بطور نتائج کے اس پر مرتب ہوں گی، نہ کہ مقصود جو اس کی غایت کہلاتے۔

بہرحال! واضح ہو کہ سیاست دیانت میں سیاست وسیلہ ہے اور دیانت مقصود اصلی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سیاست کسی درجے میں بھی مطلوب نہیں، البتہ اس کا درجہ بلاشبہ مقصود سے کم رہتا ہے، مقصود اصلی نہیں اور دیانت خود مقصود اصلی ہے۔

(اشرف السوانح جلد ۳ افاضات سوانحی ص ۲۹۰ طبع ملتان)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک صفحے کی اس مختصر مگر انتہائی پُرمغز اور جامع تقریر میں اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص سے موضوع کو اس قدر واضح فرما دیا ہے کہ اس میں کوئی اشتباہ باقی نہیں رہا، جس کا خلاصہ یہ ہے:

"نہ تو یہ نظریہ درست ہے کہ سیاست وحکومت کا دین کا کوئی تعلق ہی نہیں ہونا چاہئے، اور نہ یہ خیال صحیح ہے کہ دین کا اصل مقصد سیاست وحکومت ہے، واقعہ یہ ہے کہ دین کا اصل مقصد بندے کا اپنے اللہ سے تعلق قائم کرنا ہے جس کا مظاہرہ عبادت وطاعات کے ذریعے ہوتا ہے، سیاست وحکومت بھی اسی مقصد کی تحصیل کا ایک ذریعہ ہے جو نہ بجائے خود مقصد ہے اور نہ اقامت دین کا مقصد اسی پر موقوف ہے، بلکہ وہ حصول مقاصد کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔

لہٰذا اسلام میں وہی سیاست وحکومت مطلوب ہے جو اس مقصد میں ممد ومعاون ہو، اس کے برعکس جو سیاست اس مقصد کو پورا کرنے کے بجائے دین کے اصل مقصد میں کمزوری پیدا کر کے اسے مجروح کرے، وہ اسلامی سیاست نہیں ہے خواہ اس کا نام "اسلامی" رکھ دیا گیا ہو۔

(۳) اسلام کا نظام حکومت:

قرون وسطیٰ میں یورپ کے اندر جو شخصی حکومتیں عام طور سے رائج رہی ہیں وہ مطلق العنان بادشاہتیں تھیں جن میں بادشاہ کی زبان قانون کی حیثیت رکھتی تھی اور اس

سیاست اسلامیہ — ص ۵۸

پر کوئی قانونی قدغن عائد نہیں ہوتی تھی۔ اس مطلق العنان حکمرانی کے نتیجے میں ظلم و ستم اور ناانصافیوں کا بازار گرم رہا، اس لئے اس کے خلاف یورپ میں شدید ردِّ عمل ہوا۔ "شخصی حکومت" کو بذاتِ خود نہایت معیوب سمجھا جانے لگا اور اسکی جگہ "جمہوریت" کو ایک مثالی طرزِ حکومت کے طور پر پیش کیا گیا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ شخصی حکومتیں ختم ہوگئیں اور ان کی جگہ جمہوری نظامِ حکومت وجود میں آیا، بیشتر ملکوں میں جمہوریت قائم کی گئی، یہاں تک کہ جمہوریت کو ایک ایسا قیمتی اصول نظامِ حکومت سمجھا جانے لگا جو سیاست میں عدل و انصاف اور حق و صداقت کا ضامن ہے۔ چنانچہ گذشتہ تقریبًا سو سال سے کر اب تک جتنی سیاسی تحریکیں اٹھی ہیں، ان کے ذہن میں جمہوریت کی حیثیت (معاذ اللہ) ایک ایسے "کلمہ طیبہ" کی ہوگئی ہے جس کے بغیر آج کے دور میں سیاست کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔

دُنیا بھر پر چھائے ہوئے اس پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عہدِ حاضر میں جو سیاسی جماعتیں اسلام کا نام لے کر اٹھی ہیں، ان کی اکثریت بھی نہ صرف یہ کہ جمہوریت کو ایک مسلّم اصول قرار دے کر آگے بڑھی ہے، بلکہ انھوں نے بھی اپنے مقاصد میں جمہوریت کے قیام کو سرِ فہرست رکھا ہے اور خود اپنی جماعت کو بھی جمہوری ڈھانچے پر تعمیر کیا ہے۔ چنانچہ اسی ضمن میں یہ دعوے بھی بکثرت کئے گئے ہیں کہ جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے بلکہ اسلام نے جمہوریت ہی کی تعلیم دی ہے۔ کسی نے بہت احتیاط کی تو یہ کہہ دیا کہ جمہوریت کے جو اجزاء اسلام کے خلاف ہیں، ہم ان کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا ہماری جمہوریت "اسلامی جمہوریت" ہے۔

یہ تصورات ہمارے دور میں اسقدر مشہور ہوگئے ہیں کہ ان کے خلاف کچھ سوچنا بالبداہت دنیا بھر کی اہانت و ملامت کو اپنے سر لینے کے مترادف ہے، اور اگر ایسے ماحول میں کوئی شخص جمہوری حکومت کے بجائے شخصی حکومت کی حمایت کرے تو ایسا شخص تو آج کی سیاسی فضا میں تقریبًا کلمۂ کفر کہنے کا مرتکب سمجھا جانے لگا ہے۔

لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور خالص دین کی دعوت و تجدید کے لئے منتخب فرمایا ہو، وہ زمانے پر چھائے ہوئے تصورات اور خوشنما نعروں سے مرعوب متأثر نہیں ہوتا، بلکہ ہر حال میں حق کو حق اور باطل کو باطل قرار دیتا ہے چنانچہ حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تسلیم نہیں فرمایا کہ اسلام نے جمہوریت کی تعلیم دی ہے یا جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے۔ اس کے بجائے انھوں نے اپنے متعدد مواعظ و ملفوظات و تصانیف میں جمہوریت پر نہایت جاندار تنقیدیں کی ہیں اور اپنے دینی نقطۂ نظر سے اس کی خرابیوں کو واضح فرمایا ہے۔

عام طور سے جمہوریت کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں صرف اتنا خیال رہا کہ مطلق العنان بادشاہت کے مقابلے میں یہ نظام عوام کو آزادیٔ اظہار رائے عطا کرتا ہے اور حکمرانوں پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن کے ذریعے وہ بے مہار نہ ہو سکیں۔ اور چونکہ اسلام نے "مشاورت" کا حکم دیا ہے اس لئے "جمہوریت" کو "مشاورت" کے ہم معنی سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "جمہوریت" عین اسلام ہے۔ حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں ہے، درحقیقت "جمہوری نظام حکومت" کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، اور جس کے لئے سیکولرزم پر ایمان لانا تقریباً لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

جمہوریت کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ جملہ مشہور ہے:

"IT IS A GOVERNMENT OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE."

جمہوریت عوام کی حکومت کا نام ہے جو عوام کے ذریعے اور عوام کے فائدے کے لئے قائم ہوتی ہے۔

لہٰذا "جمہوریت" کا سب سے پہلا رکن اعظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکم اعلیٰ تصور کیا جاتا ہے اور عوام کا ہر فیصلہ جو کثرت رائے کی بنیاد پر ہو وہ واجب اور ناقابل تنسیخ سمجھا جاتا ہے۔ کثرت رائے کے اس فیصلے پر کوئی قدغن اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جا سکتی۔ اگر دستور حکومت عوامی نمائندوں کے اختیار قانون سازی پر کوئی پابندی بھی عائد کر دے (مثلاً یہ کہ وہ کوئی قانون قرآن وسنت کے یا بنیادی حقوق کے خلاف نہیں بنائے گی) تو یہ پابندی اس لئے واجب التعمیل نہیں ہوتی کہ یہ عوام سے بالاتر کسی اتھارٹی نے عائد کی ہے، یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے

جیسے ہر حال میں ماننا ضروری ہے، بلکہ صرف اس لئے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے کہ یہ پابندی خود کثرتِ رائے نے عائد کی ہے۔ لہٰذا اگر کثرت رائے کسی وقت چاہے تو اسے منسوخ بھی کر سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہوریت نے کثرتِ رائے کو (معاذ اللہ) خدائی کا مقام دیا ہوا ہے کہ اس کا کوئی فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مغربی ممالک میں بد سے بدتر قوانین کثرتِ رائے کے زور پر مسلسل نافذ کئے جاتے رہے ہیں اور آج تک نافذ کئے جا رہے ہیں۔ زنا جیسی بدکاری سے لے کر ہم جنسی جیسے گھناؤنے عمل تک کو اسی بنیاد پر سندِ جواز عطاء کی گئی ہے، اور اس طرزِ فکر نے دنیا کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے تک پہنچا دیا ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے کثرتِ رائے کے اس جمہوری فلسفے پر جا بجا تبصرے فرما کر اس کی کمزوری کو واضح کیا ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

"اور اگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے۔"

کثرتِ رائے کو معیارِ حق قرار دینے کے خلاف اس سے زیادہ واشگاف اعلان اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن زمانے پر چھائے ہوئے نظریات سے مرعوب ہو کر مسلمانوں میں بھی یہ خیال تقویت پا گیا کہ جس طرف کثرتِ رائے ہوگی وہ بات ضرور حق ہوگی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اپنی تالیفات اور مواعظ و ملفوظات میں بہت سے مقامات پر اس پھیلی ہوئی غلطی کی تردید فرمائی ہے، ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

"آجکل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرتِ رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے۔ صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے، مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا ان عوام کالانعام کی! اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے

پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف۔ آخر انھوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی؟ کیوں تفریق قوم کا الزام سر لیا؟ اس لئے کہ وہ قوم جاہل تھی، اس کی رائے جاہلانہ رائے تھی۔"

(فضائل العلم والخشیۃ ص ۲۰ و معارف حکیم الامت ص ۶۱۷)

مطلب یہ ہے کہ عوام کی کثرت رائے کبھی معیار حق نہیں ہو سکتی، کیونکہ عوام میں اکثریت عموماً بے علم یا کم علم لوگوں کی ہوتی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"مولانا محمد حسین الہ آبادی نے سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو، کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ، تو اس قاعدے کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا۔" (تقلیل الاختلاط مع الانام ص ۲۲ و معارف حکیم الامت ص ۶۱۷)

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"غزوہ احد میں ان پچاس آدمیوں میں جو پہاڑ کی گھاٹی پر متعین تھے اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہو گئی ہے، اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس غرض کے لئے ہم کو یہاں متعین کیا تھا وہ غرض حاصل ہو چکی، اس لئے حکم قرار بھی ختم ہو گیا، اب یہاں سے ہٹنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود کی مخالفت نہ ہوگی، اور ہم نے اب تک جنگ میں کچھ حصہ نہیں لیا تو کچھ ہم کو بھی کرنا چاہئے۔ ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، ہم کو مال غنیمت جمع کر لینا چاہئے۔ بعض نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا تھا کہ بدون میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا، اس لئے ہم کو بدون آپ کی اجازت کے ہرگز نہ ہٹنا چاہئے، مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے،

سیاست اسلامیہ —— ۶۲

یہ اُن سے اجتہادی غلطی ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ صرف دس آدمی اور ایک افسر اکیلے رہ گئے۔
بس اس واقعہ میں کثرت رائے غلطی پر تھی اور قلت رائے صواب پر تھی،
جو لوگ کثرت رائے کو علامتِ حق سمجھتے ہیں، وہ اس سے سبق حاصل کریں۔"

(ذم النسیان ص ۳۰، از معارف حکیم الامت ص ۱۶۱)

اسی وعظ میں آگے چل کر حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے کثرت رائے کی لازمی حقانیت کے خلاف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرز عمل کی مثال بھی دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب بعض قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا تو ان کے خلاف آپ نے جہاد کا ارادہ فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت بیشتر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے یہ تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ جہاد نہ کیا جائے، لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور اسی کے مطابق فیصلہ بھی ہوا اور بعد میں سب لوگوں نے یہ اعتراف کیا کہ صائب رائے یہی تھی۔

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے کثرت رائے کو معیار حق قرار دینے کے نظریے پر شرعی اور عقلی دونوں قسم کے دلائل سے تنقید فرمائی ہے اور سادہ سادہ لفظوں میں ایسے حقائق بیان فرما دیئے ہیں کہ جب بھی کوئی شخص ٹھنڈے دل سے غور کریگا اسی نتیجے تک پہنچے گا۔ چنانچہ جدید علم سیاست کے بعض حقیقت پسند ماہرین نے بھی "جمہوریت" کے ان نقائص کو تسلیم کیا ہے۔ ایک مشہور ماہر سیاسیات ایڈمنڈ برک (BURKE) لکھتا ہے:

"اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرنا کوئی فطرت کا قانون نہیں ہے۔ کم تعداد بعض اوقات زیادہ مضبوط طاقت بھی ہو سکتی ہے، اور اکثریت کی حرص و ہوس کے مقابلے میں اسکے اندر زیادہ معقولیت بھی ہو سکتی ہے، لہٰذا یہ قول:
'اکثریت کے فیصلے کو قانون بننا چاہیے'
اس میں افادیت اور پالیسی کی بھی اتنی ہی کمی ہے جتنی حقانیت کی" ؎

؎ Quoted by A. Appadorai, The Substance of Politics, Oxford University Press 8th ed. 1961 p. 123

حکیم الامت قدس سرہٗ ایک اور وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں :

"اوّل تو کثرتِ رائے میں احمقوں کو جمع کیا جاتا ہے، ان کی کثرت تو حماقت ہی کی طرف ہوگی، پھر ان سے بھی پہلے اپنی رائے منوائی جاتی ہے اور سبق کی طرح پڑھا دیا جاتا ہے کہ ہم یوں کہیں گے تم یوں کہہ دینا جیسے وکیل گواہوں کو پڑھایا کرتے ہیں، اب وہ کثرت کیا خاک ہوئی"

(وعظ الانسداد ماخوذ از اصلاح مسلمین ص ۵۰۶ مطبوعہ ادارۂ اسلامیات، لاہور)

بعض جمہوریت پرست لوگوں نے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس تبصرے کو ایک سطحی تبصرہ قرار دینے کی کوشش کی ہے اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ یہ ایک ایسے بزرگ کا تبصرہ ہے جن کا میدان علم سیاست نہیں تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی نگاہ اپنی گوشہ نشینی کے باوجود زمانے کی دکھتی ہوئی رگوں پر ہوتی تھی۔ ان کا اصل مأخذ قرآن و سنت تھے اور وحی کی اسی روشنی نے انھیں وہ نورِ فراست عطا فرمادیا تھا جس کے ذریعے وہ ان مسائل کو انتہائی سادگی سے بیان فرما گئے ہیں جن کو لوگوں نے ایک مستقل فلسفہ بنا رکھا ہے، چنانچہ یہ تبصرہ بھی اسی فراستِ ایمانی کا نتیجہ تھا، علم سیاست بیشک آپ کا اصل میدان نہیں تھا، لیکن جو سچائی وحی کے نور سے معلوم ہوئی ہو اُسے رسمی علوم کی حاجت نہیں ہوتی۔

لیکن اب علم سیاست کے وہ ماہرین بھی جنھوں نے پروپیگنڈے سے ذرا آزاد ہوکر سوچنے کی کوشش کی ہے وہ بھی بالآخر اسی نتیجے تک پہنچے ہیں۔

ڈاکٹر اے ایادرائے برصغیر میں اپنی سیاسی تصانیف کی وجہ سے خاصے مشہور ہیں[۱] وہ "جمہوریت" کے تعارف اور اس کی کامیابی کی شرائط پر بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

"جمہوریتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ یہ شرائط جن کے وجود پر جمہوریت کی کامیابی موقوف ہے شاذ و نادر ہی پوری ہوئی ہیں۔ عملی اعتبار سے جمہوریت دراصل جہالت کی حکمرانی کا نام ہے۔ اس کی ساری توجہ کمیت اور تعداد (QUANTITY) پر رہتی ہے، کیفیت (QUALITY) پر نہیں، اس میں ووٹ گنے جاتے ہیں انھیں تولا نہیں جاتا۔ شہریوں کی بہت بڑی تعداد اب بھی حکومت کو اپنے بنیادی وظائفِ زندگی میں سے نہیں گنتی، چنانچہ

---

[۱] سیاست اسلامیہ ص ۴۳

اس کو حکومت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوتی، وہ کام کرتی اور کھیلتی رہتی، اپنے پیشے وراثت ورفتی کاموں کو انجام دیتی رہتی ہے، ہل چلاتی، بیج بوتی، فصلیں کاٹتی اور انھیں بیچتی رہتی ہے، اور یہ بھول جاتی ہے کہ وہ دراصل ملک کی حاکم ہے۔ جمہوریت میں یہ حقیقی خطرہ موجود ہے کہ شہریوں کی ایسی ذہنی تربیت نہیں ہو پاتی جس کے ذریعہ وہ ان مسائل کے حقیقی مفہوم کا ادراک کر سکیں جو انتخابات کے موقع پر ان کے سامنے فیصلے کیلئے آتے ہیں، لہٰذا وہ طبقاتی جذبات اور نعروں سے گمراہ ہو سکتے ہیں۔ سر ہنری مین تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جمہوریت کبھی بھی اکثریت کی حکمرانی کی نمائندگی نہیں کر سکتی، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ عوام تو محض اپنے لیڈروں کی آراء کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ [۵۰]

مغرب کے مشہور مؤرخ اور فلسفی کارلائل کا یہ اقتباس علم سیاست میں کافی شہرت پا گیا ہے۔

Surely, of all "rights of man", this right of the ignorant man to be guided by the wiser, to be, gently or forcibly, held in the true course by him, is the indisputablest. Nature herself ordains it from the first, society struggles towards perfection by enforcing and accomplishing it more and more . . . . In Rome and Athens, as elsewhere if you look practical we shall find that it was not by loud voting and debating of many, but by wise insight and ordering of a few that the word was done. So is it ever, so will it ever be".

"انسانی حقوق میں یقینی طور پر جاہل افراد کا یہ حق سب سے زیادہ غیر متنازع ہے کہ عقلمند افراد ان کی رہنمائی کریں اور انھیں نرمی سے یا طاقت کے ذریعہ سیدھے راستے پر رکھیں۔ فطرت کا شروع سے یہی حکم ہے، اسی حکم کو نافذ کر کے اور اس کی زیادہ سے زیادہ تکمیل کر کے ہی سوسائٹی کمال تک پہنچنے کی جد وجہد کرتی ہے۔

---

۵۱ A. Appadorai, op cit p. 133

اگر ہم عملی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ روم اور ایتھنز میں لوگ کے مقامات کی طرح بلند آواز سے رائے شماری کرنے اور بہت سے لوگوں کے بحث مباحثے کے ذریعے نہیں بلکہ گنے چنے افراد کے حکم سے کام چلتا تھا، یہ بات ہمیشہ سے سچ رہی ہے، لہذا آئندہ بھی یہی بات سچ رہے گی۔[۵۱]

شخصی حکومت:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے جمہوریت پر تنقید فرماتے ہوئے کئی مقامات پر اس کے مقابلے میں "شخصی حکومت" کی حمایت فرمائی ہے۔ آج کے جمہوریت پرست دور میں شخصی حکومت کی حمایت کلمۂ کفر کی طرح نشانۂ ملامت سمجھی جاتی ہے، لیکن اس کے بنیادی سبب دو ہیں۔ ایک یہ کہ جمہوریت کی حمایت میں پروپیگنڈا اس قدر زور شور کے ساتھ کیا گیا ہے کہ کسی مخالف نظام حکومت پر سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کے لئے ذہن آمادہ ہی نہیں ہوتے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ "شخصی حکومت" کا نام آتے ہی ذہن ان مطلق العنان بادشاہوں کی طرف چلا جاتا ہے جن کی زبان "قانون" کی حیثیت رکھتی تھی اور ان پر کوئی بالاتر پابندی عائد نہ تھی، یا پھر اس نام سے ان نازی حکمرانوں کا تصور آجاتا ہے جن کے نزدیک حکومت کی بنیاد محض زور زبردستی پر تھی۔ حالانکہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ "شخصی حکومت" سے وہ "مثالی اسلامی حکمران" مراد لیتے ہیں جسے امیر المؤمنین یا خلیفۂ وقت کہا جاتا ہے۔

اس اجمال کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ دنیا میں جو غیر اسلامی شخصی حکومتیں رائج رہی ہیں ان کی خرابیوں اور مفاسد کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ان شخصی حکومتوں کی بنیاد بادشاہتوں میں عموماً خاندانی وراثت پر تھی اور فاشزم کے فلسفے میں صرف "قوت" پر، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو قوی ہو وہ کمزور پر حکومت کا حق رکھتا ہے۔

لہذا ان شخصی حکومتوں کے قیام میں سنجیدہ غور و فکر اور مناسب انتخاب کا کوئی قابل ذکر دخل نہیں تھا۔

---

۵۱ Chartism (1839) as quoted by Appadorai, op cit p. 128.

(۲) ان شخصی حکمرانوں کے لئے کوئی ایسی لازمی صفات اہلیت ضروری نہیں تھیں جن کے بغیر وہ حکمرانی کے منصب تک نہ پہنچ سکتے ہوں۔

(۳) شخصی حکومتیں عموماً ایسے آسمانی قوانین کی پابند نہیں تھیں جو ان کے فیصلے کو کسی بندھی حدود میں محدود رکھ سکیں۔

لہٰذا قانون ساز وہ خود تھے اور مطلق العنان ہونے کی بنا پر ان کی زبان قانون بن گئی تھی۔

(۴) ان حکومتوں میں کوئی ایسا لازمی ادارہ موجود نہیں تھا جو ان کے اقدامات، ان کے صادر کئے ہوئے احکام اور ان کے بنائے ہوئے قوانین کو کسی بندھے ٹکے معیار پر پرکھ سکتا اور ان کی طرف سے آسمانی قانون کی خلاف ورزی، اپنی حدود اختیار سے تجاوز یا کسی ظلم وستم کی صورت میں ان کے اقدامات کی تلافی کر سکتا۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر شخصی حکومتوں میں لوگوں کے حقوق پامال ہوئے اور انسان انسان کا غلام بن گیا، ورنہ اگر یہ خرابیاں موجود نہ ہوں تو بیشتر ماہرین سیاست اس بات پر متفق ہیں کہ شخصی حکومت میں بذات خود کوئی خرابی نہیں اور وہ جمہوریت کے مقابلے میں کہیں زیادہ کامیاب اور عوام کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہے، یہاں تک کہ روسو نے بھی یہ اعتراف کیا ہے:

"حکومت کا بہترین اور سب سے فطری انتظام یہ ہے کہ عقلمند ترین انسان کو کثرت پر حکومت کرنی چاہئے، بشرطیکہ اس بات کی ضمانت مل جائے کہ وہ اس کثرت کے مفاد کے لئے حکومت کریں گے نہ کہ اپنے مفاد کے لئے۔" [۱]

کارلائل کہتا ہے:

"کسی بھی ملک میں وہاں کے قابل ترین آدمی کو دریافت کر لو، پھر اسے اٹھا کر اطاعت کے اعلیٰ ترین مقام پر رکھ دو اور اس کی عزت کرو، اس طرح تم اس ملک کے لئے ایک مکمل حکومت دریافت کر لوگے، پھر بیلٹ بکس، جو

[۱] Roussiar, the Soca. Contract, Bk 111, Ch. V. as quoted by Appadora , op cit p. 127

یا پارلیمنٹ میں بولنے والی فصاحت و بلاغت یا رائے شماری یا دستور سازی یا کسی بھی قسم کی کوئی اور مشینری، اس حکومت میں کوئی بہتر اضافہ نہیں کر سکے گی، یہ ایک مکمل ریاست ہوگی اور وہ ملک ایک مثالی ملک ہوگا۔ ؀

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ جس "شخصی حکومت" کو اسلام کا تقاضا قرار دے رہے ہیں وہ شخصی حکومت کی مذکورہ بالا خرابیوں سے خالی ہے، وہ اس معنی میں بیشک "شخصی حکومت" ہے کہ اس میں جمہوری انداز کی پارلیمنٹ مختار کل نہیں ہے اور اختیارات حکومت بڑی حد تک "خلیفہ" یا "امیر المؤمنین" کی ذات میں مرکوز ہیں۔

لیکن سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اس "خلیفہ" یا "امیر المؤمنین" کا تعین وراثت یا قوت کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ اہل حل وعقد کے انتخاب کے ذریعے ہوتا ہے اور اس انتخاب کے لئے "خلیفہ" میں کچھ معیاری اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے جن کے بغیر اہل حل و عقد کے لئے کسی شخص کا انتخاب جائز نہیں۔ ان اوصاف میں علمی قابلیت کے علاوہ کردار کی اعلیٰ ترین پختگی اور رائے کی اصابت بھی داخل ہے۔

(۲) مغرب کی جمہوریتوں میں سربراہ کے انتخاب کے لئے عموماً نہ کوئی قابلیت شرط ہوتی ہے، نہ کردار و عمل کی کوئی خوبی۔ لیکن "خلیفہ" کے لئے اسلام میں نہایت کڑی شرائط تجویز فرمائی گئی ہیں اور اہل حل وعقد کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ ان شرائط کا مکمل اطمینان حاصل کرنے کے بعد خلیفہ کا انتخاب کریں۔

پھر یہ خلیفہ بھی جو اعلیٰ ترین علمی اور عملی اوصاف کا حامل ہے مطلق العنان قانون ساز نہیں ہوتا، بلکہ قرآن و سنت اور اجماع امت کا پابند ہوتا ہے، دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قانون وضع نہیں کرتی، بلکہ ایک ایسے آسمانی قانون کی بنیاد پر وجود میں آتی اور اسی کو نافذ کرتی ہے جو کائنات کی اعلیٰ ترین اقتدار کی کا بنایا ہوا ہے، اور قرآن و سنت کی صورت میں محفوظ ہے۔

یہاں قرآن و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے انتظامی قوانین اور احکام جاری کرنا حکومت کے اختیار میں ہوتا ہے لیکن اس کے لئے بھی اس پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی ہے کہ وہ اس قسم کے اقدامات کے لئے اہل شوریٰ سے مشورہ لے، اس مشورے کا مقصد

؀ G. N. Sabine, A History of Political Theory p. 764 [Appoonrai p. 122].

یہ نہیں ہے کہ وہ لازمی طور پر کثرت رائے کی پابندی کرے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ
مسئلے کے تمام پہلو سامنے آجائیں اور ان کو مدنظر رکھنے کے بعد وہ اپنی بہترین قابلیت
اور اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر خود فیصلہ کرے۔

اس کے علاوہ سربراہ حکومت کا ہر اقدام، اس کا ہر حکم اور اس کا بنایا ہوا ہر
قانون چونکہ قرآن وسنت کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اگر کسی وقت یہ سربراہ قرآن وسنت
کے احکام سے تجاوز کرے یا عدل وانصاف کے خلاف کوئی کام کرے تو قاضی کی عدالت
سے اس کے خلاف چارہ کار حاصل کرنا ہر ادنیٰ شہری کا ناقابل تنسیخ حق ہوتا ہے۔

اس نظام حکومت کی تمام تفصیلات کو بیان کرنا اس مقالے کی حدود سے باہر ہے، لیکن
یہاں بتلانا صرف یہ تھا کہ حکیم الامت قدس سرہٗ نے اسلام میں جس "شخصی حکومت" کا تذکرہ فرمایا ہے،
قدیم بادشاہتوں اور جدید فاشی حکمرانوں اور ڈکٹیٹروں کی خرابی کے بنیادی اسباب موجود نہیں ہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے جمہوریت اور شخصی حکومت پر اپنے متعدد مواعظ
اور ملفوظات میں تبصرہ فرمایا ہے جن میں سے غالباً سب سے جامع اور مفصل بحث اس
وعظ میں فرمائی ہے جو "تقلیل الاختلاط مع الانام" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کے
چند مختصر اقتباسات ذیل میں پیش خدمت ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی
کے حامی ہیں، مگر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے، کبھی حکمی، فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ
بھی شخص واحد ہے، مگر وہ واحد حکمی ہے، حقیقی نہیں، تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ
کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اس میں گو بظاہر بہت سے آدمی ہوتے ہیں مگر
مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے، کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی
رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ میں بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو
رائے دیدے وہی پاس ہوجایا کرے۔ اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کسی
قدر آدمی کا دعوی صحیح ہوتا، مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی
رائے معتبر نہیں، بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے، اور اجتماعی رائے پھر شخصی
رائے ہے، کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہوجاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم شخص واحد
حقیقی کے حامی ہیں اور تم شخص واحد حکمی کے حامی ہو، جمہوریت کے حامی تو

تم بھی نہ رہے، جمہوریت اور آزادی کامل تو جب ہوتی جب ہر شخص اپنے فعل میں آزاد ہوتا، کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا، نہ ایک بادشاہ کا، نہ پارلیمنٹ کے دس ممبروں کا، یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنا دیا، ہم تو ایک ہی کا غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنا دیا، تم ہی فیصلہ کرلو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے یا دس بیس کا غلام ہونا؟ ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس بیس کی حکومت ہو۔

پس حاصل یہ ہے جمہوری سلطنت کا کہ رعایا کی غلامی سے تو اسے بھی انکار نہیں مگر وہ یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو۔"

آگے ارشاد فرماتے ہیں:

"نظام عالم بدون اس کے قائم نہیں ہو سکتا کہ مخلوق میں بعض تابع ہوں بعض متبوع ہوں، آزادی مطلق سے فساد برپا ہوتے ہیں، اس لئے یہاں آکر ان کو اپنے دعویٰ آزادی سے ہٹنا پڑتا ہے اور شریعت کو کبھی اپنے دعویٰ سے ہٹنا نہیں پڑتا، کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے تابعیت و متبوعیت کی حامی ہے وہ تو آزادی کا سبق سکھاتی ہی نہیں، اول ہی دن سے نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے جس سے تمام مخلوق کو ایک کا تابع کر دیا، بلکہ اگر کسی وقت خدا تعالیٰ نے ایک زمانے میں دو نبی بھی ایک قوم کی طرف ارسال کئے ہیں تو ان میں بھی ایک تابع تھے دوسرے متبوع تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ایک زمانہ میں دو نبی تھے، جو بنی اسرائیل اور قوم قبط کی طرف مبعوث ہوئے تھے، مگر ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام متبوع تھے حضرت ہارون علیہ السلام تابع تھے، دونوں برابر درجہ میں نہ تھے اور یہ تابعیت محض ضابطہ کی تابعیت نہ تھی بلکہ واقعی تابعیت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام پر پوری حکومت رکھتے تھے، وہ ان کی مخالفت نہ کر سکتے تھے۔"

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"عرض اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں۔ اسلام میں شخصی حکومت کی تعلیم ہے اور جن مفاسد کی وجہ سے جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے وہ سلطنت شخصی میں تو محتمل ہی ہیں اور جمہوری میں متیقن ہیں۔ شخصی سلطنت میں یہ خرابیاں بیان کی جاتی ہیں کہ اس میں ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے، حالانکہ ممکن ہے کہ کسی وقت اس کی رائے غلط ہو۔ اس لئے ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام نہ چھوڑنا چاہئے بلکہ ایک جماعت کی رائے سے کام ہونا چاہئے۔

میں کہتا ہوں کہ جس طرح شخصی سلطنت کے بادشاہ کی رائے میں کبھی غلطی کا احتمال ہے اسی طرح جماعت کی رائے میں بھی غلطی کا احتمال ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ایک شخص کی رائے ہمیشہ غلط ہوا کرے اور دس کی رائے ہمیشہ صحیح ہوا کرے۔ بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں ہزاروں آدمیوں کا ذہن نہیں پہنچتا،

ایجادات عالم میں رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، دیکھئے جتنی ایجادات ہیں وہ اکثر ایک ایک شخص کی عقل کا نتیجہ ہیں، کسی نے کچھ سوچا کسی نے کچھ سمجھا، ایک نے تار برقی کو ایجاد کیا، ایک نے ریل کو ایجاد کیا، تو موجد اکثر ایک شخص ہوتا ہے اور اس کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں صدہا ہزارہا مخلوق کا ذہن نہیں پہنچتا۔

علوم میں بھی یہ امر مشاہد ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کسی مضمون کو اس طرح صحیح حل کرتا ہے کہ تمام شراح و محشین کی تقریریں اس کے سامنے غلط ہو جاتی ہیں۔

تو جماعت کی رائے کا غلط ہونا بھی محتمل ہے، اب بتلائیے:

"اگر کسی وقت بادشاہ کی رائے صحیح ہوئی اور پارلیمنٹ کی رائے غلط ہوئی تو عمل کس پر ہوگا؟

جمہوری سلطنت میں کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے، بادشاہ بھی

سیاست اسلامیہ .. ـــ ۱۰

سے فیصلہ نہیں کر سکتا ، بلکہ کثرت رائے سے مغلوب ہو کر غلط رائے کی موافقت پر مجبور ہوتا ہے اور شخصی سلطنت میں بادشاہ اپنی رائے پر ہر وقت عمل کر سکتا ہے ، اور جمہوری میں اگر کثرت رائے غلطی پر ہو تو صحیح رائے پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں ، سب مجبور ہیں غلط رائے کی موافقت پر ، اور یہ کتنا بڑا ظلم ہے اس لئے یہ قاعدہ کلیہ غلط ہے :

" کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے "

بلکہ قاعدہ یہ ہونا چاہئے :

" صحیح رائے پر عمل کیا جائے خواہ وہ ایک ہی شخص کی رائے ہو "

مزید آگے ارشاد فرماتے ہیں :

" دوسرے جو لوگ کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھتے ہیں وہ بادشاہ کو تنہا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیتے ، وہ پہلے ہی سے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ ایسا ضعیف الرائے ہے کہ اس کی تنہا رائے قابل اعتبار نہیں ، اور وہ نااہل ہے تو واقعی جو لوگ اپنے بادشاہ کو ایسا سمجھتے ہیں ہم ان سے گفتگو نہیں کرتے ، ان کو جمہوریت مبارک ہو - ایسا نااہل بادشاہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو شخصی سلطنت کا بادشاہ بنایا جائے ، اسلام میں جو شخصی سلطنت کی تعلیم ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے : " اے اہل حل و عقد ، اور اے جماعت عقلاء ! بادشاہ ایسے شخص کو بناؤ جو اتنا صاحب الرائے ہو کہ اگر کبھی اس کی رائے سارے عالم کے بھی خلاف ہو تو یہ احتمال ہو سکے کہ شاید اسی کی رائے صحیح ہو اور جس کی رائے میں اتنی درایت نہ ہو اس کو ہرگز بادشاہ نہ بناؤ "

اب بتلاؤ :

جس کی رائے اتنی وزنی ہو کہ سارے عالم کے مقابلے میں بھی اس کی رائے کے صائب ہونے کا احتمال ہو وہ حکومت شخصی کے قابل ہے یا نہیں ؟

یقیناً قابل ہے بشرطیکہ اہل حل و عقد انتخاب میں خیانت نہ کریں -

بس ہم شخصی سلطنت کے اس لئے حامی ہیں کہ ہم بادشاہ کو متدین العقل صاحب الرائے سمجھتے ہیں اور تم کثرت رائے کے اس لئے حامی ہو کہ تم اپنے بادشاہ

کو ضعیف الرائے اور نااہل سمجھتے ہو تو ایسے شخص کو بادشاہ بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے جس کے لئے ضم ضمیمہ کی ضرورت ہو؟ بلکہ پہلے ہی سے بادشاہ ایسے شخص کو بناؤ جو ضم ضمیمہ کا محتاج نہ ہو، مستقل الرائے ہو، اور اگر تم بھی اچھے بادشاہ کو مستقل الرائے، صائب العقل، رزین سمجھتے ہو تو پھر کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھنا اور کامل العقل کو ناقصین کی رائے کا تابع بنانا ظلم ہے جس کا حماقت ہونا بدیہی ہے۔

بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی تعلیم ہے اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ

مگر یہ بالکل غلط ہے، ان لوگوں نے مشورہ کی دفعات ہی کو دفع کر دیا اور اسلام میں مشورہ کا جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا، اسلام میں مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم اپنے شوہر سے رجوع کر لو۔

قصہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے باندی تھیں اور اسی حالت میں ان کا نکاح ایک شخص سے جن کا نام مغیث تھا ان کے آقا نے کر دیا تھا، جب وہ آزاد ہوئیں تو قانون اسلام کے مطابق ان کو اختیار دیا گیا کہ جو نکاح حالت غلامی میں ہوا تھا اگر چاہیں اس کو باقی رکھیں، اگر چاہیں فسخ کر دیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کو اختیار عتق کہتے ہیں، اس اختیار کی بنا پر حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نکاح سابق کو فسخ کر دیا، لیکن ان کے شوہر کو ان سے بہت محبت تھی۔ وہ صدمۂ فراق میں مدینہ کی گلی کوچوں میں روتے پھرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر رحم آیا اور حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ نے فرمایا:

"اے بریرہ! کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنے شوہر سے رجوع کر لو۔"

تو یہ دریافت فرماتی ہیں:

سیاست اسلامیہ ——— ۲۰

"یا رسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ کی ایک فرد ہے؟ اگر حکم ہے تو بسر و چشم منظور ہے گو مجھ کو تکلیف ہی ہو۔"

آپ نے فرمایا:

"حکم نہیں صرف مشورہ ہے۔"

حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے صاف عرض کر دیا:

"اگر مشورہ ہے تو میں اس کو قبول نہیں کرتی۔"

دیکھئے! اسلام میں یہ درجہ ہے مشورہ کا۔ کہ اگر نبی اور خلیفہ بدرجۂ اولیٰ رعایا کے کسی آدمی کو کوئی مشورہ دیں تو اس کو حق ہے کہ مشورہ پر عمل نہ کرے اور یہ محض ضابطہ کا حق نہیں، بلکہ واقعی حق ہے، چنانچہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر عمل نہ کیا تو حضور ان سے ذرا بھی ناراض نہ ہوئے اور نہ حضرت بریرہ کو کچھ گناہ ہوا، نہ ان پر کچھ عتاب ہوا، سو جب امت اور رعایا اپنے نبی یا بادشاہ کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے اسلام میں مجبور نہیں تو نبی یا خلیفہ رعایا کے مشورہ سے کیونکر مجبور ہو جائے گا کہ رعایا جو مشورہ دیں اسی کے موافق عمل کرے اس کے خلاف کبھی نہ کرے۔

پس شاورھم فی الامر سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کر لیا کریں، یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں، اور اگر کثرت رائے بادشاہ کے خلاف ہو جائے تو وہ کثیرین کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے۔

اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اس وقت تک شاورھم فی الامر سے جمہوریت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔ جب اسلام میں ایک معمولی آدمی بھی بادشاہ کے مشورہ پر مجبور نہیں ہوتا تو تم بادشاہ کو رعایا کے مشورہ پر کیونکر مجبور کرتے ہو؟ آخر اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے؟ اور ہمارے پاس حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں، خواہ نبی

ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو

اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر حکام رعایا سے مشورہ لیں تو وہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے ہرگز مجبور نہیں ہیں، بلکہ عمل خود اپنی رائے پر کریں، خواہ وہ دنیا بھر کے مشورہ کے خلاف کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے:

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔

کہ مشورہ کے بعد جب آپ ارادہ کسی بات کا کریں تو خدا پر بھروسہ کرکے اس پر عمل کریں۔ یہاں اِذَا عَزَمْتَ صیغہ واحد ہے، معلوم ہوا کہ عزم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستقل تھے۔ اسی طرح آپ کا نائب یعنی سلطان بھی عزم میں مستقل ہے۔ اگر عزم کا مدار کثرت رائے پر ہوتا تو اذا عزمت نہ فرماتے بلکہ اس کے بجائے:

اذا عزم اکثرکم فتوکلوا علی اللہ۔

فرماتے:

پس جس آیت سے یہ لوگ جمہوریت پر استدلال کرتے ہیں اس کا اخیر جزو خود ان کے دعوے کی تردید کر رہا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے:

حفظت شیئا و غابت عنک اشیاء۔

کہ ایک جزو کو دیکھتے ہیں اور دوسرے جزو سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔

دوسرے اس آیت میں صرف حکام کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ رعایا سے مشورہ کر لیا کریں۔ رعایا کو تو یہ حق نہیں دیا گیا کہ از خود مستحق ہو کر حکام کو مشورہ دیا کریں، چاہے وہ مشورہ لیں یا نہ لیں، بلکہ مشورہ ان کو مشورہ لینے پر مجبور کر سکیں۔ چنانچہ شریعت میں:

اشیروا الحکام وھو حقکم علیھم۔

کہیں نہیں کہا گیا۔ جب رعایا کو از خود مشورہ دینے کا کوئی حق یا رجسٹرڈ لزوم نہیں تو پھر اسلام میں جمہوریت کہاں ہوتی! کیونکہ جمہوریت میں تو رعیت کو از خود رائے دینے کا حق ہوتا ہے، چاہے بادشاہ ان

سیاست ملاحیہ ص ۵۵

سے راضی رہے یا نہ رہے؟

(تفصیل الاختلاف مع الامام ص۹۰، واشرف الجواب ص۶۳ ج۱ مطبوعہ ملتان و معارف حکیم الامت ص۶۲۲ تا ۶۲۳)

حکمرانی ایک ذمہ داری ہے نہ کہ حق:

پھر غیر اسلامی شخصی حکومتوں میں اور اسلام کی شخصی حکومت میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ غیر اسلامی معاشروں میں تو شخصی حکومت "ایک حق" (PRIVILEGE) یا ایک فائدہ (ADVANTAGE) ہے۔ اسی لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حق کس کو ملے! اور کس کو نہ ملے؟ اور اسی لئے لوگ از خود اس کے حصول کے لئے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس اسلام میں یہ ایک "امانت" یا ایک "ذمہ داری" ہے جو حکمران کے لئے اسباب عیش فراہم کرنے کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ کندھے پر دنیا و آخرت کا ایک زبردست بوجھ سوار کرنے کے مترادف ہے۔ لہذا یہ از خود کوشش کر کے حاصل کرنے کی چیز نہیں ہے بلکہ ایسی چیز ہے جس سے انسان اپنی استطاعت کی حد تک جتنا بھاگ سکے اتنا ہی بہتر ہے۔ اسی لئے اسلام میں اس شخص کو "حکومت" کے لئے نااہل قرار دیا گیا ہے جو خود اس کا طلب گار ہو، چنانچہ اسلامی سیاست میں "امیدواری" (CANDIDATURE) کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔

حکومت کے فرائض:

لہٰذا جس شخص کو بھی یہ ذمہ داری سونپی جائے اُسے اس نقطۂ نظر کے ساتھ اُسے سنبھالنا ہے کہ "حکومت" بذات خود مقصود نہیں جس سے ہر حال میں چمٹے رہنا ضروری ہو، بلکہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہے، لہٰذا اگر کبھی حکومت اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں تعارض ہوگا تو وہ بلا تامّل اپنی حکومت کو اللہ کی خوشنودی پہ قربان کر دے گا۔ اس سلسلے میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ایک خطبے میں فرماتے ہیں:

"یاد رکھو! سلطنت مقصود بالذات نہیں، بلکہ اصل مقصود رضائے حق ہے، اگر ہم سے خدا راضی نہ ہو تو ہم سلطنت کی حالت میں فرعون ہیں، اور لعنت ہے ایسی سلطنت پر جس سے ہم فرعون کے مشابہ ہوں۔ اگر سلطنت مقصود بالذات

ہوتی تو فرعون، ہامان، نمرود، شداد بڑے مقرب ہونے چاہئیں، حالانکہ وہ مردود ہیں۔ معلوم ہوا کہ سلطنت وہی مطلوب ہے جس میں رضائے حق بھی ساتھ ساتھ ہو۔ اور جس سلطنت میں رضائے حق نہ ہو وہ وبالِ جان ہے۔ اگر ہم سے خدا راضی ہو تو ہم پاخانہ اٹھانے پر راضی ہیں، اور اسی حالت میں ہم بادشاہ ہیں۔

آخر حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ کیا تمہارے نزدیک پاگل تھے؟ ان کو تو سلطنت ملی ہوئی تھی، پھر کیوں چھوڑی؟ محض اس لئے کہ مقصود میں خلل واقع ہوتا تھا۔ معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود دوسری چیز ہے کہ اگر اس میں خلل واقع ہونے لگے تو اس وقت ترکِ سلطنت ہی سلطنت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ تعالیٰ ہر فن کے امام ہیں، حدیث میں ثقہ اور محدث ہیں، اور فقہاء میں فقیہ، اور صوفیہ میں تو امام ہیں، ان کو کوئی پاگل نہیں کہہ سکتا۔ جو ان کو پاگل کہے وہ خود پاگل ہے۔ پھر دیکھو تو انھوں نے کیا کیا؟ جب رضائے حق کو سلطنت کا مزاحم دیکھا تو بادشاہت پر لات مار کر الگ ہو گئے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلطنت مخل مقصود نہ تھی تو ان کو اجازت دی گئی کہ منصبِ خلافت کو قبول کریں، اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مخلِ مقصود تھی تو ان کے لئے حکم ہے:

لا تأمرن على اثنين ولا تولين مال يتيم۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت خود مقصود نہیں، بلکہ مقصود رضائے حق ہے، اگر سلطنت سے مقصود میں خلل واقع ہو تو اس وقت اس سے منع کیا جائے گا۔ (تفصیل الاعتدال ص ۲۱، تمام ملحقہ ۲۱۲، اشرف الجواب ص ۱۴۸ تا ۱۵۰)

لہٰذا اسلامی حکمران کا فرض ہے کہ وہ حکومت کو رضائے الٰہی کا وسیلہ بنانے کے لئے اسلامی احکام پر عمل اور ان کے نفاذ کے لئے اپنی جان توڑ کوشش صرف کرے، ورنہ اس کی حکومت بیکار محض اور اس کا حکومت سے چمٹا رہنا ناجائز و حرام ہے۔ لہٰذا اس کا یہ فرض ہے کہ انتہائی جرأت کے ساتھ اپنے اقدامات

سیاستِ اسلامیہ ——— ۴۴

کا جائزہ لیتا رہے، اور شریعت کے معاملے میں ادنیٰ غفلت کو گوارا نہ کرے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"سلطنتیں جو گئی ہیں میرے نزدیک چھوٹی چیزوں کے اہتمام کی غفلت ہی سے گئی ہیں، کیونکہ چھوٹی چھوٹی جزئیات کی طرف سے جو غفلتیں ہوتی رہتی ہیں وہ سب مل کر ایک بہت بڑا مجموعہ غفلتوں کا ہو جاتا ہے جو آخر میں رنگ لاتا ہے اور زوال سلطنت کا موجب ہوتا ہے، نیز جب چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام نہیں ہوتا تو غفلت کی عادت پڑ جاتی ہے۔ پھر بڑے بڑے امور میں بھی غفلت ہونے لگتی ہے، اور وہ براہ راست مخل ہے سلطنت کی۔" (اصلاح المسلمین ص ۲۰، بحوالہ الانتباہات المفیدۃ ص ۲۹۵)

مسلمان حاکم کا فرض جس طرح یہ ہے کہ وہ خود انصاف کے خلاف کوئی کام نہ کرے، اسی طرح اس کا فرض یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کو بھی ظلم نہ کرنے دے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حاکم تنہا اپنی احتیاط سے نجات نہیں پا سکتا، بلکہ اس کا انتظام بھی اس کے ذمے ہے کہ متعلقین بھی ظلم نہ کرنے پائیں، جس کی صورت یہ ہے کہ عام طور سے اشتہار دیدے کہ میرے یہاں رشوت کا بالکل کام نہیں، اس لئے اگر میرے عملے میں بھی کوئی شخص کسی سے رشوت مانگے تو ہرگز نہ دے، بلکہ ہم سے اس کی اطلاع کرے۔ پھر اطلاع کے بعد جس نے ایسی حرکت کی ہو اس سے رقم واپس کرائے اور کافی سزا دے .....
نیز حکام کو یہ بھی چاہیئے کہ لوگوں کے تعلقات براہ راست اپنے سے رکھیں کسی شخص کو واسطہ نہ بنائیں، کیونکہ یہ واسطے بہت ستم ڈھاتے ہیں۔ اگر کہو کہ صاحب! یہ تو بڑا مشکل ہے، تو حضرت! حکومت کرنا آسان نہیں، یہ منہ کا نوالہ نہیں ہر وقت جہنم کے کنارے پر ہے۔"

(انفاس عیسیٰ ص ۳۲۰ جلد ۱ باب ۴)

اسلامی حکومت میں حکمران اور علماء کے درمیان تقسیم کار کیا ہونی چاہیئے؟ اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دو شانیں تھیں، شانِ نبوت اور شانِ سلطنت، آپ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی دونوں کے جامع تھے، مگر اب یہ دونوں شانیں دو گروہ پر تقسیم ہوگئیں، شانِ نبوت کے مظہر علماء رہیں اور شانِ سلطنت کے مظہر سلاطینِ اسلام، اب اگر یہ سلاطین علماء سے استغناء کرتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے، اور اگر علماء سلاطین کی مخالفت کرتے ہیں تو اس سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایک شان سے اعراض لازم آتا ہے، اب صورت دونوں کے جمع کرنے کی یہ ہے کہ سلاطین سے تو میں یہ کہتا ہوں:

"وہ اپنی حدود میں کوئی حکم اس وقت تک نافذ نہ کریں جب تک علماء حق سے استفسار نہ کرلیں"

اور علماء سے یہ کہتا ہوں:

"وہ نفاذ کے بعد اس پر کاربند ہوں"

"اگر یہ دونوں شانیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہیں اس طرح جمع ہوجائیں تو مسلمانوں کی بہبود اور فلاح کی صورت نکل آئے، اور ان کی ڈوبی ہوئی کشتی ساحل پر جا لگے، ورنہ اللہ ہی حافظ ہے"

(اصلاح المسلمین ص۵۳)

مباحات کے دائرے میں رہتے ہوئے حکمران کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ عقلمند اور تجربہ کار لوگوں سے مشورہ لیتا رہے، لیکن مشورہ کے بعد جب کسی جانب رجحان ہوجائے اور اللہ کے بھروسے پر اس کے مطابق فیصلہ کرلے تو تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ہے خواہ ان کی رائے کے خلاف ہو۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"سلطان کو چاہیے کہ ہمیشہ عقلاء سے رائے لیتا رہے، بدون رائے لئے بہت سی باتیں نظر سے غائب رہتی ہیں، اور یہ مشورہ اور رائے تو مطلوب ہے مگر یہ مخترعہ متعارفہ جمہوریت محض گھڑا ہوا ڈھکوسلہ ہے، بالخصوص ایسی

جمہوری سلطنت جو مسلم اور کافر ارکان سے مرکب ہو وہ تو غیر مسلم ہی سلطنت ہوگی، ایسی سلطنت اسلامی سلطنت نہ کہلائے گی۔

اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر سلطان کے مشورہ لینے کے وقت اہل شوریٰ میں اختلاف رائے ہو جائے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ سلطان کی رائے سے اختلاف کرنا مذموم تو نہیں، اس پر فرمایا:

"جو اختلاف حکمت اور مصلحت اور تدین و خیر خواہی پر مبنی ہو وہ مذموم نہیں، مگر اس کی بھی ایک حد ہے، یعنی یہ اختلاف بھی وقت تک جائز ہے جب تک مشورہ کا درجہ رہے، مگر بعد نفاذ اختلاف کرنا یا خلاف کرنا مذموم ہے، نفاذ کے بعد تو اطاعت ہی واجب ہے۔"

(الافاضات الیومیہ ص ۲۴۰ جلد ۴ قسط ۱۲۵)

یہ درحقیقت اس آیت قرآنی کی توضیح ہے جس میں باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔

"اور ان سے معاملے میں مشورہ کرو، اور جب کوئی عزم کر لو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔"

۳ اقامت دین کے لئے سیاسی جد و جہد کا شرعی مقام اور اس کی حدود

تیسرا موضوع جس پر اس مقالے میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے ارشادات پیش کرنے مقصود ہیں یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ایک صحیح اسلامی حکومت کے قیام اور غیر اسلامی طاقتوں کے شر سے دفاع کے لئے جد و جہد کریں؟ اگر ضروری ہے تو اس جد و جہد کی حدود کیا ہونی چاہئیں؟ اس موضوع پر حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل رسالہ "الروضة الناضرة فی المسائل الحاضرة" کے نام سے تحریر فرمایا ہے جس میں اصولی طور پر سیاسی جد و جہد کی شرعی حیثیت کو بھی واضح فرمایا ہے اور اپنے زمانے کے سیاسی حالات کے بارے میں اپنی رائے بھی ظاہر فرمائی ہے۔ یہ رسالہ مختصر مگر بہت پر مغز اور جامع ہے، لیکن چونکہ اہل علم کے لئے لکھا گیا ہے، اس لئے اس میں علمی اور اصطلاحی اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اس میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مدافعت کفار کی مطلقاً اہل اسلام سے، اور بخصوص سلطنت اسلامیہ سے جس میں خلافت وغیر خلافت، اور جس میں سلطنت اسلامیہ واقعیہ و سلطنت اسلامیہ مزعومہ کفار سب داخل ہیں، پھر بخصوص شعائر اسلام سے جن میں مقامات مقدسہ، بالخصوص حرمین شریفین بھی داخل ہیں، سب مسلمانوں پر فرض ہے، کبھی علی العین، کبھی علی الکفایۃ علی اختلاف الاحوال،

مگر اس کی فرضیت کے کچھ شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں،

منجملہ ان کے ایک شرط استطاعت بھی ہے، اور استطاعت سے مراد استطاعت لغویہ نہیں استطاعت شرعیہ ہے، جس کو اس حدیث نے صاف کر دیا ہے:

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ الحدیث، رواہ مسلم (مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف)

ظاہر ہے کہ استطاعت باللسان ہر وقت حاصل ہے، پھر اس کے انتفاء کی تقدیر کب متحقق ہوگی؟ اس سے ثابت ہوا کہ استطاعت سے مراد یہ ہے کہ اس میں ایسا خطرہ نہ ہو جس کی مقاومت بظن غالب عادۃً ناممکن ہو۔

اسی طرح ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس دفاع کے بعد اس سے زیادہ شر میں مبتلا نہ ہو جائیں، مثلاً کفار کی جگہ کفار ہی مسلط ہوں یا مرکب کافر و مسلم سے، مگر مجموعہ تابع اخس کے ہوتا ہے، کیونکہ اس صورت میں غایت ہی مفقود ہے، اور وہ اخلاء الارض من الفساد ہے، اور قاعدہ ہے:

الشیء اذا خلا عن الغایۃ انتفی۔

اور اگر ایسا خطرہ ہو تو پھر وجوب تو ساقط ہو جائے گا، باقی جواز، اس میں تفصیل ہے، بعض صورتوں میں جواز بھی نہیں، بعض میں جواز بلکہ استحباب بھی ہے، اور مدار بنا جواز و عدم جواز یا استحباب کا اجتہاد اور رائے پر ہے۔ پس اس میں دو اختلاف کی گنجائش ہے۔

ایک جزئی کے واقعات سے ایک شخص کے نزدیک عدم جواز کی بنا،

مستحق ہے اور دوسرے کے نزدیک جواز یا استحباب کی۔

دوسرا عمل کہ باوجود بنا بر جواز یا استحباب پر متفق ہونے کے ایک نے بنا بر عدم وجوب رخصت پر عمل کیا، دوسرے نے بنا بر استحباب عزیمت پر عمل کیا۔ ایک کو دوسرے پر ملامت کرنے کا حق نہیں۔

اور اگر کسی مقام پر تسلط مسلمان ہی کا ہو مگر وہ مسلمان کافر سے مسالمت رکھتا ہو تو اس کو تسلط کا فر کہنا محض نا سمجھی ہے۔

(افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۱۱)

خلاصہ:

اگر استطاعت ہو اور کسی بڑے مفسدے کا اندیشہ نہ ہو تو یہ جدوجہد واجب ہے کبھی علی العین اور کبھی علی الکفایۃ۔

لیکن اگر کسی بڑے مفسدے کا اندیشہ ہو یا استطاعت نہ ہو تو واجب نہیں، لیکن مختلف حالات میں جائز یا مستحب ہو سکتی ہے اور اس کے تعین میں اہل علم کی آراء بھی مختلف ہو سکتی ہیں اور یہ اختلاف اگر اخلاص کے ساتھ ہو تو مذموم نہیں، نہ اس میں کسی کو دوسرے پر ملامت کرنے کا حق ہے۔

لیکن چونکہ دین کا مقصود اصلی سیاست نہیں، بلکہ دیانات اور ان کے ذریعے رضائے حق کا حصول ہے، جیسا کہ مقالے کے آغاز میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ ہی کے الفاظ میں اس کی تفصیل عرض کی جا چکی ہے، اس لئے ہر قسم کی سیاسی جدوجہد شرعی احکام کے دائرے میں رہ کر ہونی چاہئے۔ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے دین کے کسی معمولی سے معمولی حکم یا تقاضے کو بھی قربان کرنا جائز نہیں ہے۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب جدوجہد کرنے والا پورے اخلاص اور للہیت کے ساتھ صرف دین حق کی سربلندی اور باری تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نیت سے یہ جدوجہد کر رہا ہو اور محض جاہ و جلال کا حصول اس کا مطمح نظر نہ ہو اور وہ شدید نفسانی تقاضوں کے باوجود اپنے آپ کو شریعت کے تابع رکھنے پر قادر ہو، ورنہ سیاست ایسا خارزار ہے جس میں قدم قدم پر نام و نمود اور جاہ و مال کے فتنے پیدا ہوتے ہیں، نفس و شیطان کی تاویلات انسان پر یلغار کرتی ہیں اور بسا اوقات وہ ان تمام ترکات سے

مغلوب ہوکر اسی راستے پر چل پڑتا ہے جس پر دنیا جارہی ہے اور رفتہ رفتہ اسکی سیاست اسلامی سیاست کے بجائے لادینی سیاست ہوکر رہ جاتی ہے۔

سیاسی جدوجہد اور تزکیۂ اخلاق:

لہٰذا اس جدوجہد کی شرط اول یہ ہے کہ انسان کے اعمال و اخلاق کا تزکیہ ہو چکا ہو، اور اس کے جذبات و خیالات اعتدال کے سانچے میں ڈھل چکے ہوں، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیس سالہ عہد نبوت میں ابتدائی تیرہ سال اس طرح گزرے ہیں کہ ان میں کوئی جہاد ہے، نہ حکومت وریاست ہے، نہ کسی قسم کی سیاسی جدوجہد ہے، کوئی اگر مارتا اور اذیتیں دیتا ہے تو اس کے جواب میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں اور اس کے بجائے مسلسل صبر کی تعلیم وتلقین کی جارہی ہے، یہ تیرہ سال تعلیم وتربیت اور تزکیۂ اخلاق کے سال ہیں، مجاہدات نفس کی اس بھٹی سے گزرنے کے بعد جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اخلاق واعمال صیقل ہوچکے تو اس کے بعد مدنی زندگی میں حکومت وسیاست اور جہاد وقتال کا سلسلہ شروع ہوا ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"دیکھئے اس کی تائید میں ایک باریک نکتہ بتلاتا ہوں، وہ یہ کہ مسلمانوں کو مکہ میں رہتے ہوئے قتال کی اجازت نہیں ہوئی مدینہ میں پہنچ کر اجازت ہوئی، اس کی کیا وجہ ہے؟ ظاہر بیں یہ سمجھتے ہیں کہ قلت جماعت وقلت اسباب اس کا سبب تھا۔

یہ خلاف تحقیق ہے، کیونکہ مدینہ ہی میں پہنچ کر کیا جماعت بڑھ گئی تھی؟ کفار کا پھر بھی غلبہ تھا۔ مدینہ کی تمام جماعت تمام عرب کے مقابلے میں کیا چیز تھی؟ بلکہ اگر یہ دیکھا جائے کہ تمام کفار عالم کے مقابلے میں یہ اجازت ہوئی تھی، تب تو مدینہ کیا سارا عرب بھی قلیل تھا اسی طرح مدینہ پہنچ کر سامان میں کیا زیادتی ہوگئی تھی؟ ..... نصوص سے خود معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کفار کے مقابلے میں اکثر موقع میں اس قدر کم ہوتی تھی کہ ملائکہ کا جوڑ لگایا جاتا تھا.... اور یہ صورت ملائکہ کی مکہ میں رہتے ہوئے بھی ممکن تھی مگر پھر بھی اس صورت

سیاست اسلامیہ۔ ص ۴۰

کو اختیار کرتے، وہاں اجازت نہ دی گئی، تو اس کی کوئی اور وجہ بتلانی چاہیے
نہیں، ظاہراً اس کی شافی وجہ نہیں بتلا سکتے۔

محققین نے فرمایا ہے کہ اصل بات یہ تھی کہ مکہ میں عام مسلمانوں کے
اندر اخلاقِ حمیدہ اخلاص و صبر و تقویٰ کامل طور پر راسخ نہ ہوئے تھے، اس
وقت اگر اجازت قتال کی ہو جاتی تو سارا مقابلہ جوشِ غضب اور انتقام
للنفس کے لئے ہوتا، محض اخلاص و اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہوتا، اور
اس حالت میں وہ اس قابل نہ ہوتے کہ ملائکہ کی جماعت سے ان کی
امداد کی جاوے اور حمایتِ الٰہی ان کے شاملِ حال ہو۔ چنانچہ آیت
مذکورہ میں بھی اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا کی شرط بتلا رہی ہے کہ حمایتِ
الٰہی اسی وقت متوجہ ہوتی ہے جبکہ مسلمان صبر و تقویٰ میں راسخ ہوں
(اور تقویٰ کے معنی ہیں: احتراز عما نہی اللہ عنہ وامتثال ما
امر بہ جس میں اخلاص اور احتراز عن الریاء وعن شائبۃ النفس بھی
داخل ہے) اور مدینہ میں پہنچ کر یہ اخلاق راسخ ہو گئے تھے۔ مہاجرین
کو مکہ میں رہنے کی حالت میں کفار کی ایذا پر صبر کرنے سے نفس
کی مقاومت سہل ہو گئی تھی، قوتِ غضب نفسانی ضعیف بلکہ زائل
ہو گئی تھی۔

پھر ہجرت کے وقت جب انھوں نے اپنے وطن، اہل و عیال
اور مال و دولت سب پر خاک ڈال دی تو ان کی محبتِ الٰہی کامل
ہو گئی، اور محبتِ دنیا ان کے قلب سے بالکل نکل گئی۔ انصارِ مدینہ
نے مہاجرین کے ساتھ جو سلوک کیا اس سے ان کے قلوب بھی محبتِ
الٰہی سے لبریز اور محبتِ دنیا سے پاک ہو گئے تھے، چنانچہ انصار نے خوشی خوشی
ان حضرات کو اپنے مکانات و اموال میں شریک کرنا چاہا۔

غرض واقعۂ ہجرت سے مہاجرین و انصار دونوں کا امتحان ہو گیا
جس میں وہ کامل اترے، اس کے بعد ان کو اجازتِ قتال دی گئی
کہ اب جو کچھ کریں گے محض خدا کے لئے کریں گے، جوشِ غضب اور تحوّر

انتقام اور شفاء غیظ نفس کے لئے کچھ نہ کریں گے اس وقت یہ اس قابل ہوں گے کہ عنایت الٰہی ان کا ساتھ دے اور ملائکہ رحمت ان کی مدد کریں۔
چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات اس پر شاہد ہیں کہ وہ جو کچھ کرتے تھے خدا کے لئے کرتے تھے حتیٰ کہ مثنوی میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کو معرکۂ قتال میں پچھاڑا اور ذبح کا ارادہ کیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ اس کم بخت نے آپ کے چہرۂ مبارک پر تھوکا۔ اب چاہیے تھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو فوراً ہی ذبح کر ڈالتے، مگر تھوکنے کے بعد آپ فوراً اس کے سینے پر سے کھڑے ہوگئے۔ اور فوراً اسے چھوڑ دیا۔ وہ یہودی بڑا متعجب ہوا، اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ سے اس کی وجہ پوچھی کہ اگر آپ نے مجھ کو کافر سمجھ کر قتل کرنا چاہا تھا تو تھوکنے پر کیوں رہا کر دیا؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"بات یہ ہے کہ اول جب میں نے تجھ پر حملہ کیا تو اس وقت بجز رضائے حق کے مجھے کچھ مطلوب نہ تھا۔ اور جب تو نے مجھ پر تھوکا تو مجھے غصہ اور جوش انتقام پیدا ہوا، میں نے دیکھا کہ اب میرا تجھے قتل کرنا محض خدا کے لئے نہ ہوگا بلکہ اس میں نفس کی بھی آمیزش ہوگی اور میں نے نہ چاہا کہ نفس کے لیے کام کر کے اپنے عمل کو ضائع کروں اس لئے تجھے رہا کر دیا۔"

وہ یہودی فوراً مسلمان ہوگیا اور سمجھ گیا کہ واقعی یہی مذہب حق ہے جس میں شرک سے اس درجہ نفرت دلائی گئی ہے کہ کوئی کام نفس کے لئے نہ کرو۔ بلکہ محض خدا کے لئے ہر کام کرو۔ دوستی اور دشمنی میں بھی نفس کی آمیزش سے روکا گیا ہے۔

اب ہماری یہ حالت ہے کہ جو لوگ خدمت اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ان میں اکثر وہ لوگ ہیں جو نفس کے واسطے کام کرتے ہیں اپنے ذرا ذرا سے کارناموں کو اچھالتے اور اخباروں میں شائع کرتے ہیں۔ احکام الٰہی کی پروا نہیں کرتے بس ان کا مقصود یہ ہے کہ کام ہونا چاہیئے خواہ

شریعت کے موافق ہو یا مخالف، چندہ میں جائز و ناجائز کی پروا نہیں، صرف میں حلال و حرام کا خیال نہیں، پھر حمایت الٰہی ان کے ساتھ کیونکر ہو؟ بلکہ اب تو یہ کہا جاتا ہے کہ میاں مسئلہ مسائل کو ابھی رہنے دو اس وقت تو کام کرنا چاہیے، بعد کو مسئلہ مسائل دیکھے جائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان صاحبوں کو یہ خبر نہیں کہ مسئلہ مسائل کے بغیر تو مسلمان کو نہ دنیوی فلاح ہو سکتی ہے نہ اخروی۔ اور سب سے زیادہ خلاص نیت کی ضرورت ہے جس کا یہاں صفر ہے۔"

(ماخوذ از محاسن اسلام در مجموعہ مواعظ محاسن اسلام ص۲۶ بعنوان علمائے)

یہ بات مشہور ہے کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ ہندوستان کی سیاسی تحریکات سے الگ رہے۔ اس دوران ایک صاحب نے یہ پیش کش کی کہ ہم آپکو امیرالمؤمنین بناتے ہیں آپ ہماری قیادت فرمائیے۔ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پیش کش کا مناسب جواب دینے کے بعد فرمایا:

"سب سے پہلے جو امیرالمؤمنین ہو کر حکم دوں گا وہ یہ ہوگا کہ دس برس تک سب تحریک اور شور و غل بند۔ ان دس سالوں میں مسلمانوں کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔ جب یہ قابل اطمینان ہو جائیں گے تب مناسب حکم دوں گا۔"

(الافاضات الیومیہ ص ۹۹ ج ۲ مطبوعہ ملتب بہ تعمیر الملفوظ)

اگر ہم حقیقت پسندی سے اپنے حالات کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس اقتباس میں ہماری دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہے اگر آج ہماری سیاست کی بیل منڈھے نہیں چڑھتی تو اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہم ملکی زندگی کے تیرہ سال کی بھلا تک لگا کر پہلے ہی دن سے مدنی زندگی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو اخلاقی اور روحانی اعتبار سے تیار کئے بغیر اصلاح قوم کا جھنڈا لے کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ جھنڈا کس طرح پکڑا جاتا ہے؟ نہ ہمیں یہ پتہ ہے کہ اسے سربلند رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟ نہ ہم نے اس کام کی کوئی تربیت حاصل کی ہے، بس ہم نے کچھ دوسری قوموں کو اپنے سیاسی مقاصد کے

حصول کے لئے جھنڈا اٹھائے دیکھا تو انہی کی نقالی ہم نے بھی شروع کر دی، نتیجہ یہ ہے کہ ہماری سیاسی جدوجہد کا طرز و انداز ہماری کوششوں کا طریق کار، ہماری اختیار کی ہوئی تدبیریں تقریباً سب کی سب وہ ہیں جو ہم نے دوسری قوموں سے مستعار لی ہیں اور ان کو شریعت کی کسوٹی پر صحیح طریقے سے پرکھے بغیر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ جب ان طریقوں سے لادینی سیاست کامیاب ہو سکتی ہے تو اسلامی سیاست بھی کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ حالانکہ اسلامی سیاست کو لادینی سیاست پر قیاس کرنا کھجور کے درخت کو انگور پر قیاس کرنے کے مترادف ہے۔

سیاسی تدبیریں:

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اپنی تصانیف اور مواعظ و ملفوظات میں جابجا اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلامی سیاست میں صرف مقصد کا نیک اور شریعت کے موافق ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کے طریق کار اور اس کی تدبیروں کا بھی شریعت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ شریعت کے احکام کو پس پشت ڈال کر اور ان کی خلاف ورزی کر کے اسلامی حکومت قائم کرے گا تو وہ ایسی خام خیالی میں مبتلا ہے جس کا نتیجہ محرومی کے سوا کچھ نہیں۔ اگر اس طرح کوئی حکومت اس نے قائم کر بھی لی تو وہ اسلامی حکومت نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کا دھوکہ ہوگا۔

جیسا کہ مقالے کے آغاز میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ گزر چکا ہے، اسلام میں سیاست و حکومت بذات خود مقصود نہیں، بلکہ اصل شریعت کی اتباع اور اس کے نتیجے میں رضائے حق کا حصول ہے، اس لئے یہ طرز فکر اسلام کے دائرے میں نہیں کھپ سکتا کہ اسلامی حکومت کے قیام کی جدوجہد میں اسلام کے بعض احکام کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے جزوی شرعی احکام کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ اس کے بجائے مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ شرعی احکام کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کرے اور ہر اس طریقے سے اپنا دامن بچائے جس سے کسی شرعی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو، مسلمان کی کامیابی کا راز اتباع شریعت میں ہے۔ اسی پر نصرت الٰہی کا وعدہ ہے لہٰذا کامیابی ان شاء اللہ اسی طریقے سے ہوگی۔ اور اگر بالفرض کسی شرعی حکم کی پابندی کی وجہ

سے ظاہر کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکے، تب بھی مسلمان اس سے زیادہ کا مکلف نہیں، نہ اس ناکامی کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے، نہ اس سے آخرت میں اس ناکامی پر باز پرس ہوگی۔ اگر وہ شریعت کے فرمان پر چل رہا ہے تو وہ پوری طرح کامیاب اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر کا مستحق ہے اور اس کی زندگی کا اصل مقصد پوری طرح حاصل ہے۔

لہٰذا سیاسی جد و جہد کے دوران ہر تدبیر اور ہر اقدام کے بارے میں یہ اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ وہ شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا ناجائز؟ کسی تدبیر کو اختیار کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے کہ اس تدبیر کا موجودہ سیاست کی دنیا میں رواج عام ہے یا وہ سیاسی تحریکوں میں بہت مؤثر ثابت ہوئی ہے، اور اسے آج کی سیاست میں ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔

اگر وہ تدبیر شریعت کے اعتبار سے جائز نہ ہو، یا شرعی مفاسد پر مشتمل ہو تو خواہ موجودہ سیاست کے علمبردار اسے کتنا ہی ضروری کیوں نہ سمجھتے ہوں، اسے ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ سیاست مقصود نہیں، شریعت کی اطاعت مقصود ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حالات میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانباز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مؤثر سے مؤثر تدبیر کو صرف اس لئے چھوڑ دیا کہ وہ شریعت کے خلاف تھی۔

غزوۂ بدر کے موقع پر جب حق و باطل کا پہلا فیصلہ کن معرکہ در پیش تھا، اور تین سو تیرہ بے سر و سامان صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی تین گنی طاقت سے ٹکر لینے جا رہے تھے تو ایک ایک شخص کی بڑی قدر و قیمت تھی، اور قدرتی طور پر نفری میں تھوڑا سا اضافہ بھی کامیابی میں مؤثر ہو سکتا تھا، اس موقع پر حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جانثار صحابی اور ان کے والد نے لشکر میں شامل ہونا چاہا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس بنا پر جب وہیں

شامل ہونے سے روک دیا کہ آتے وقت انھیں کفار نے گرفتار کر لیا تھا، اور ان سے وعدہ لے کر چھوڑا تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں کریں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جہاد کی شرکت سے روکتے ہوئے فرمایا:

نفی لہم بعہدہم ونستعین اللہ تعالیٰ علیہم۔

ہم ان سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کریں گے اور انکے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں گے۔

(صحیح مسلم ص ۱۰۶ ج ۲ وسیر اعلام النبلاء ص ۲۳۰، ۳۶ ج ۲ والاصابہ ص ۳۱۶ ج ۲)

اسی غزوے میں ایک نہایت تجربہ کار مشرک شخص نے جو اپنی بہادری اور جنگجوئی میں مشہور تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی میں شامل ہونا چاہا، لیکن یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا اور اس پہلے معرکے میں کسی کافر کی مدد لینا اسلام کو گوارا نہ تھا۔ چنانچہ اسوقت حکم یہی تھا کہ کافروں سے مدد نہ لی جائے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بھی لڑائی میں شامل کرنے سے انکار فرمادیا اور ارشاد فرمایا:

ارجع فلن استعین بمشرك۔

میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہ لوں گا۔

(جامع ترمذی، کتاب السیر باب فی اہل الذمۃ یغزون مع المسلمین)

خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مقام تو بہت بلند ہے۔ بعد کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی اصول پر ہمیشہ کاربند رہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رومیوں سے جنگ بندی کا معاہدہ تھا اس کی مدت ختم ہونے سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی فوجیں سرحد پر ڈال دیں اور مدت کے ختم ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ رومی لوگ بے خبری میں تھے اس لئے پسپا ہونے شروع ہو گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاتحانہ آگے بڑھتے رہے اتنے میں حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے سے گھوڑا دوڑاتے ہوئے پہنچے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روک کر انھیں ایک حدیث سنائی جس کی رو سے یہ حملہ شرعاً جائز نہیں تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ حملہ چونکہ جنگ بندی ختم ہونے کے بعد

ہوا ہے اس لئے یہ عہد شکنی میں داخل نہیں ہے۔ لیکن حدیث سنتے ہی کوئی تاویل کرنے کے بجائے پیچھے پورے لشکر کے ساتھ واپس لوٹ گئے۔

(جامع ترمذی: ابواب السیر، باب ما جاء فی الغدر)

جو سالار لشکر اپنی کامیاب تدبیر کے بعد فتح کے نشے میں آگے بڑھ رہا ہو اس کے لئے اپنی یلغار کو روکنا بڑا مشکل ہوتا ہے، چنانچہ مفتوحہ علاقہ بھی واپس کردیے لیکن مقصد چونکہ سیاست و حکومت نہیں، اطاعت شریعت تھا اس لئے تدبیر کے ناجائز ہونے کا علم ہوتے ہی اس سازی تدبیر سے دستبردار ہوگئے۔

غرض ہماری تاریخ ایسی درخشاں مثالوں سے بھری پڑی ہے جن میں مسلمانوں نے مؤثر سے مؤثر تدبیر کو بھی شریعت کی ادنیٰ خلاف ورزی گوارا نہیں کی بنا پر سے ترک کردیا۔

لہٰذا اسلامی سیاست میں جدوجہد کی تدبیروں کا شرعاً جائز ہونا ضروری ہے لیکن آج کل عموماً سیاسی جدوجہد کے دوران یہ پہلو نظروں سے بالکل اوجھل ہوجاتا ہے، جو تدبیریں لادینی سیاست کے علمبرداروں نے اختیار کئے ہوئے ہیں، اور جن کا رواج عام ہوچکا ہے انہیں یہ دیکھے بغیر اختیار کرلیا جاتا ہے کہ یہ تدبیریں اپنے تمام لوازم کے ساتھ جائز بھی ہیں یا نہیں؟ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے سیاسی جدوجہد کے کئی مروجہ طریقوں پر شرعی نقطۂ نظر سے بحث فرمائی ہے، اور ان کے شرعی حکم کو واضح فرمایا ہے۔

بائیکاٹ اور ہڑتال کا شرعی حکم:

مثلاً حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کے لئے آج کل ہڑتالوں کا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے، اگر بات صرف اس حد تک ہوتی کہ لوگ اپنی خوشی سے اپنی دکانیں بند کردیں تو دوسرے مفاسد کی عدم موجودگی میں اسے ایک مباح تدبیر کہا جاسکتا تھا۔ چنانچہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بائیکاٹ یا تان کو آپریشن، یہ شرعاً افراد جہاد میں سے نہیں، داخل میں مرخطہ کیا جائے، بلکہ مستقل تدبیر تقاومت کی ہیں جو فی نفسہ مباح ہیں۔

(الروضۃ الناضرۃ، افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۱۰)

لیکن ایسی ہڑتال جو لوگوں نے کلیۃً اپنی خوشی سے کی ہو، آج عملاً دنیا میں اس کا وجود نہیں ہے، اکثر و بیشتر تو لوگوں کو ان کی خواہش اور رائے کے برخلاف ہڑتال میں حصہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے، اگر کوئی حصہ نہ لے تو اس کو جسمانی اور مالی اذیتیں دی جاتی ہیں، سنگباری اور آتشزنی تو ہڑتال کا لازمی حصہ بن گئے ہیں۔ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر کے لوگوں کے لئے اپنی ضرورت سے چلنا پھرنا مسدود کر دیا جاتا ہے۔ چلتی ہوئی گاڑیوں پر پتھراؤ ہوتا ہے۔ بہت سے لوگ اس قسم کی ایذا رسانیوں کے خوف سے اپنا کاروبار بند رکھتے ہیں اور جو ضرورت مند شخص باہر نکلنے پر کسی وجہ سے مجبور ہو وہ ہر وقت جانی و مالی نقصان کے خطرے میں رہتا ہے اور بسا اوقات کوئی نہ کوئی بے گناہ مارا جاتا ہے، بعض مرتبہ مریض علاج کو ترس ترس کر رخصت ہو جاتے ہیں اور بہت سے غریب لوگ فاقہ کشی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام باتیں ہڑتال کا ایسا لازمی حصہ بن کر رہ گئی ہیں کہ ان کے بغیر کسی "کامیاب ہڑتال" کا تصور نہیں ہو سکتا، اور ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں شرعاً حرام و ناجائز ہیں اور جو چیز ان حرام و ناجائز باتوں کا لازمی سبب بنے وہ کیسے جائز ہو سکتی ہے؟

لہٰذا حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے ہڑتال کے مروجہ طریقوں کو شرعاً ناجائز قرار دیا ہے۔ تحریکات خلافت کے زمانے میں "ترک موالات" کے جو طریقے اختیار کئے گئے تھے ان میں ہڑتال بھی داخل تھی، ترک موالات کے تحت یہ تحریک چلائی گئی تھی کہ برطانوی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے، چنانچہ اس تحریک نے ایسی دکانوں پر جو برطانوی مصنوعات فروخت کرتی تھیں رضاکار مقرر کر دیئے تھے جو لوگوں کو جس طرح ممکن ہو وہاں سے خریداری کرنے سے روکتے تھے، اگر خرید چکے ہوں تو ان کو واپسی پر مجبور کرتے تھے، نیز دکانداروں کو مجبور کرتے تھے کہ وہ ایسی اشیاء اپنی دکانوں میں نہ رکھیں، اگر وہ نہ مانیں تو ان کو نقصان پہنچاتے تھے خواہ اس دکاندار کے پاس کوئی اور ذریعہ معاش نہ ہو اور اس تجارت کے بند کرنے سے اس کے اہل و عیال پر فاقوں کی نوبت آجائے۔ حضرت ان طریقوں کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یہ تحریک متعدد گناہوں پر مشتمل ہے:

اول
ایک مباح فعل کے ترک پر مجبور کرنا، کیونکہ بجز بعض خاص تجارتوں کے سب اشیاء کی خرید و فروخت کا معاملہ اہل حرب تک کے ساتھ

بھی جائز ہے بہ جائیکہ معاہدین کے ساتھ ۔

دوسرا یہ ہے بعد اتمام بیع کے واپسی پر مجبور کرنا جو زیادہ گناہ ہے کیونکہ بدون تعاون خیار کے یہ واپسی بھی شرعاً مثل بیع کے ہے جس میں تراضی متعاقدین شرط ہے ۔

تیسرا یہ ہے نہ ماننے والوں کو ایذاء دینا جو ظلم ہے ،

چوتھے اہل وعیال کو تکلیف پہنچانا کہ یہ بھی ظلم ہے ،

پانچویں اگر اس کو واجب شرعی بتلایا جاوے تو شریعت کی تغییر و تحریف ہونا ۔ ۔ ۔ ۔ "

اس کے بعد حضرت ہڑتال کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

" اسمیں بھی وہی خرابیاں ہیں جو نمبر ۲ میں مذکور ہوئیں ، اور اگر ان احتجاجات مذکورہ میں شرکت نہ کرنے پر ایذاء جسمانی کی بھی نوبت آجئے تو یہ گناہ ہونے میں اضرار مالی سے بھی اشد اور منافی مقتضائے اسلام ہے پھر ان مقاطعات پر مجبور کرنے میں یہ جابرین خود اپنے تسلیم کردہ قانون حریت کے بھی خلاف کر رہے ہیں ۔ ورنہ کیا وجہ کہ اپنی آزادی کو کوشش کریں ، اور دوسروں کی آزادی کو سلب کریں :

(معاملات المسلمین ۔ افادات اشرفیہ ص ۲۷،۲۰۸)

اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہڑتال ہی کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ "تلبین العرائک" کے نام سے لکھا ہے ، جس کا اصل موضوع تو تعلیمی اداروں میں طلبہ کی ہڑتال ہے ، لیکن اس میں مطلق ہڑتال کے بارے میں بھی اصولی بحثیں آگئی ہیں ، اس رسالے کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہڑتال کا مروجہ طریق کار شریعت کے خلاف اور ناجائز ہے ۔ (ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ص ۱۰۱ ج ۶)

بھوک ہڑتال :

اسی طرح مطالبات منوانے کے لئے ایک طریقہ بھوک ہڑتال کا بھی اختیار کیا جاتا ہے ۔ اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا گیا تھا :

" اگر کوئی گرفتار ہو جائے اُن میں سے بعضے لوگ جیل جانے میں مقاطعہ

چونکہ کرتے ہیں یہاں تک کہ مرجاتے ہیں اور قوم میں ان کی مدح کی جاتی ہے:

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا شرعی حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اس کا خودکشی اور حرام ہونا ظاہر ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ولا تقتلوا انفسکم۔

وفی الھندیۃ کتاب الاکراہ، فیأثم کما فی حالۃ المخمصۃ۔

وفی العنایۃ: فامتناعہ عن التناول کامتناعہ عن تناول الطعام الحلال حتی تلفت نفسہ او عضوہ فکان آثما۔ الخ

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جان بچانا اس درجہ فرض ہے کہ اگر حالت اضطرار میں اندیشہ مرجانے کا ہو اور مردار کھانے سے جان بچ سکتی ہو تو اسکا کھانا اور جان بچانا معصیت ہے، چہ جائیکہ طعام حلال کا ترک اور اس فعل کی مدح کرنے میں تو اندیشہ کفر ہے کہ صریح تکذیب ہے شریعت کی کہ شریعت جس فعل کو مذموم کہتی ہو یہ اس کو محمود کہتا ہے۔"

(افادات اشرفیہ در مسائل سیاسیہ ص ۲۰،۲۱ بعنوان)

ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

"یہ (بھوک ہڑتال) خودکشی کے مترادف ہے۔ اگر موت واقع ہوجائیگی تو وہ موت حرام ہوگی۔" (الافاضات الیومیہ ص ۲۰ ج ۲ ملفوظ نمبر ۳)

پبلسٹی کے مروجہ ذرائع:

آج کی سیاست میں پبلسٹی اور پروپیگنڈے کو بھی نہایت اہم مقام حاصل ہے اور اس سلسلے میں عموماً مغربی سیاست کے ایک مشہور نمائندے گوئبلز کے اس مقولے پر عمل کیا جاتا ہے:

"جھوٹ اتنی شدت کے ساتھ بولو کہ دنیا اسے سچ جان لے"

آج کل کی حکومتیں ہوں یا لادینی سیاسی جماعتیں وہ تو اس مقولہ پر عمل کرتی ہی ہیں لیکن بسا اوقات اسلام کے لئے سیاسی جدوجہد کرنے والے حضرات بھی چھائے ہوئے ماحول سے متأثر ہوکر پبلسٹی اور پروپیگنڈے کے مروجہ ذرائع کو

استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کے جائز و ناجائز ہونے کی طرف یا تو دھیان نہیں جاتا یا پھر وہی نظریہ کارفرما ہوتا ہے کہ سیاست کی اصلاح ایک بلند مقصد ہے اور اس کے حصول کے لئے چھوٹے چھوٹے امور کی قربانی دی جاسکتی ہے۔

غلط بیانی تو حرام ہے ہی لیکن سیاسی مخالفین کی بلا وجہ غیبت، ان کے خلاف ناجائز بدگوئی، ان پر بہتان و افتراء اور تحقیق کے بغیر افواہیں پھیلانا، یا ان پر تحقیق کے بغیر یقین کرنا یہ سب باتیں ہیں جو ہماری سیاسی تحریکات میں شعوری یا غیر شعوری طور پر داخل ہوگئی ہیں اور ان کی وجہ سے افتراق و انتشار، پارٹی بندیوں اور فتنہ و فساد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف، مواعظ و ملفوظات میں اس طریق کار پر بھی تنقید فرمائی ہے اور ایسی سیاسی تدبیروں کو ناجائز اور واجب الترک قرار دیا ہے جو ان مفاسد پر مشتمل ہوں۔

اسی طرح جلسے جلوس بھی پبلسٹی اور اپنے نقطۂ نظر کو عوام تک پہنچانے کا اہم ذریعہ سمجھے جاتے ہیں، لیکن ان میں بھی بعض اوقات احکام شرعیہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، اس کے بارے میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"جب کوئی تدبیر تدابیر منصوصہ کے خلاف اختیار کی جاوے گی، شرعاً اس کو تو ممنوع ہی کہا جاوے گا۔ خصوصاً جبکہ وہ فعل عبث یا مضر بھی ہو تو اس کی حرمت میں پھر کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ وہاں تو الضرورات تبیح المحظورات کا شبہ بھی نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ہڑتالیں ہیں، جلوس ہیں، ان میں وقت کا ضائع ہونا، روپیہ کا صرف ہونا، حاجت مند لوگوں کو تکلیف ہونا، نمازوں کا ضائع ہونا، کھلے مفاسد ہیں تو یہ افعال کیسے جائز ہوسکتے ہیں!

"ایک صاحب نے عرض کیا کہ اگر نیت امداد حق کی ہو؟

تو فرمایا:

ان باتوں سے حق کو کوئی امداد نہیں پہنچتی دوسرے نامشروع فعل نیت سے مشروع نہیں ہو جاتا؟ (الافاضات الیومیہ ص ۱۳۶ ج ۵ ملفوظ نمبر ۲۵۱)

مروجہ سیاسی تدابیر کے بارے میں ایک اور موقع پر آپ نے اپنا نقطۂ نظر واضح فرمایا ہے، آپ سے پوچھا گیا تھا:

"جتھے (حکومت کے) مقابلے کے لئے جاتے ہیں اور گرفتار ہوتے ہیں، خاموش مقابلہ کرتے ہیں، اگر حکومت کی طرف سے تشدد بھی ہو تب بھی جواب نہیں دیا جاتا۔ ان صورتوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

"عقلی دو ہی احتمال ہیں، یا تو مقابلے کی قوت ہے، یا قوت نہیں، اگر قوت ہے تو گرفتار ہونے کے کیا معنی! مقابلہ کرنا چاہیئے، اور جب مقابلہ نہیں کر سکتے تو یہ صورت عدم قوت کی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، تو عدم قوت کی حالت میں قصداً ایسی صورت اختیار کرنے کی کہ خود مضرت جیس میں مبتلا ہو شریعت اجازت نہیں دیتی، بلکہ بجائے ایسے مخترع مقابلے کے مکارہ (ناگوار امور) پر صبر سے کام لینا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ اگر قوت ہے مقابلہ کرو، اگر قوت نہیں صبر کرو، ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت منقول نہیں۔"

آگے ارشاد فرماتے ہیں:

"اس وقت سب سے بڑی وجہ ناکامی کی یہی ہوئی کہ مسلمانوں کے سر پر کوئی بڑا نہیں، نہ مسلمانوں کی قوت کسی مرکز پر جمع ہے اور نہ ہو سکتی ہے جب تک کہ بالاتفاق ایک کو بڑا نہ بنالیں۔ اگر امام ہو تو سب کام ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ اس کے حکم سے میدان میں جا دیں، اگر جان بھی جاتی رہے تو کوئی حرج نہیں، اور یہ کیا کہ بیٹھے بیٹھے جا کر قتل ہو جاویں، یہ کوئی انسانیت ہے؟ اصل بات وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی کہ خیر القرون میں دو ہی صورتیں تھیں کہ قوت کے وقت مقابلہ، اور عدم قوت کے وقت صبر، اس کے سوا سب من گھڑت تدابیر ہیں۔ اس لئے ان میں خیر و برکت نہیں ہو سکتی، اور جب خیر و برکت نہ ہوا و مسلمان ظاہراً کامیاب بھی ہو جائیں تو اس کامیابی پر کیا خوشی جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف

تدابیر اختیار کر کے کامیابی حاصل کی جا رہی ہے، اور حقیقی کامیابی کا ہو جانا تو کوئی کمال کی بات نہیں، اس لئے کہ ایسی کامیابی کا فرون کو بھی ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کی اصل کامیابی تو وہ ہے کہ جا ہے غلامی ہو مگر خدا راضی ہو۔ اور اگر حکومت ہوئی اور ان کی مرضی کے خلاف ہوئی، وہ راضی نہ ہوئے تو فرعون کی حکومت اور تمہاری حکومت میں کیا فرق ہوا؟ بس ان کے راضی کرنے کی فکر کرو، ان سے صحیح معنوں میں تعلق جوڑو، اسلام اور احکام اسلام کی پابندی کرو۔ ان بتوں کا اتباع تو بہت دن کر کے دیکھ لیا، اب خدا کے سامنے سر رکھو کر اور اس سے اپنی حاجت اور ضرورتیں مانگ کر بھی دیکھو کہ کیا ہوتا ہے؟

(الافاضات الیومیہ ص ۱۲۱ ج ۹ ملفوظ نمبر ۱۹۰)

حکومت کے ساتھ طرزِ عمل:

اسلام نے اپنے احکام میں اصل زور اس بات پر دیا ہے کہ ہر حالت میں احکام شریعت کی اتباع کی جائے، اگر حاکم وقت کی طرف سے خلاف شرع امور کا حکم دیا جائے تو اس کی اطاعت واجب نہیں۔ بلکہ جب تک اکراہ کی شرعی حالت متحقق نہ ہو شریعت کے احکام پر عمل ضروری ہے، اس راستے میں جتنی تکلیفیں پیش آجائیں ان پر صبر کرنا چاہئے کہ وہ موجب اجر ہے۔ اسی طرح اگر کوئی حاکم شریعت کے خلاف کام کر رہا ہے تو اسے راہِ راست پر لانے کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کی شرائط کے ساتھ انجام دینا بھی ضروری ہے اور ضرورت کے وقت اس کے سامنے اظہارِ حق بھی جیسے حدیث میں "افضل الجہاد" قرار دیا گیا ہے۔ یہ تمام کام شریعت کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں بشرطیکہ شرعی حدود میں ہوں اور پیش نظر اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور دینِ حق کی تبلیغ و نصرت ہو، محض اپنی بہادری جتانا، لوگوں سے داد حاصل کرنا یا خود طلب اقتدار پیش نظر نہ ہو۔

لیکن آج کی سیاسی فضا میں یہ معاملہ بھی شدید افراط و تفریط کا شکار ہے۔ جو لوگ "حزبِ اقتدار" سے وابستہ یا حکومت کے طرفدار ہوتے ہیں، وہ ہر حال میں حکومت کی تعریفوں کے پل باندھے رکھتے ہیں اور اس کے ہر جائز و ناجائز فعل کی

تائید و حمایت کرتے ہیں۔ حکومت کے ناجائز یا ظالمانہ اقدامات کو قطعی آنکھوں بھتے ہیں پھر بھی خاموش رہتے ہیں اور ان کی تاویلات تلاش کرتے رہتے ہیں جو صریح مداہنت ہے، اور بعض لوگ تو ان ناجائز اقدامات کی حمایت کے لئے تحریف دین تک سے دریغ نہیں کرتے۔

اور دوسری طرف جو لوگ "حزب اختلاف" سے وابستہ یا حکومت کے مخالف ہیں، وہ حکومت کی مخالفت کو بذات خود ایک مقصد بنا لیتے ہیں۔ اور اسے سیاسی فیشن کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ خاص طور پر یہ بات اپنے فرائض منصبی میں سے سمجھتے ہیں کہ وہ حکومت کی ہر بات میں کیڑے نکالیں اور اس کی کسی اچھائی کا اعتراف نہ کریں۔ اس طرز عمل کا مقصد بسا اوقات حق کی نصرت کے بجائے حکومت کو بدنام کرکے اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کرنا اور عوام سے بہادری کی داد حاصل کرنا ہوتا ہے۔

عوام میں بھی حکام کو وقت بے وقت برا بھلا کہنے اور انھیں گالیاں تک دینے کا رواج عام ہو چکا ہے۔ جلوسوں میں سربراہان حکومت کو "کتا" اور "سور" تک بنا کر ان کے خلاف ہائے ہائے کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مجلسوں میں ایک مشغلہ کے طور پر حکام کا ذکر کرکے ان کی برائیاں کی جاتی ہیں، جو کسی معقول وجہ کے بغیر ہونے کی وجہ سے غیبت میں تو داخل ہیں ہی، بعض اوقات افتراء اور بہتان کی حدود میں بھی داخل ہو جاتی ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو برا کہنا غیبت میں داخل نہیں۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے اس طرز عمل پر بھی تنقید فرمائی ہے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"حجاج بن یوسف اس امت کا سب سے بڑا ظالم مشہور ہے، مگر کسی بزرگ کی مجلس میں ایک شخص نے اس پر کوئی الزام لگایا اور غیبت کی تو انھوں نے فرمایا کہ وہ اگرچہ ظالم و فاسق ہے مگر حق تعالیٰ کو اس سے کوئی دشمنی نہیں وہ جس طرح دوسرے مظلوموں کا انتقام حجاج سے لے گا اسی طرح اگر کوئی حجاج پر ظلم کریگا تو اس سے بھی انتقام لیا جائے گا۔"

(مجالس حکیم الامت ص ۹۲، ملفوظات ۸ رمضان ۱۳۴۸ھ)

اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے کئی مقامات پر یہ بات واضح فرمائی ہے کہ کسی ضرورت کے بغیر حکام کی علی الاعلان اہانت شرعاً پسندیدہ بھی نہیں ہے فرماتے ہیں:

"سلاطین اسلام کی علی الاعلان اہانت میں ضرر ہے جمہور کا، ہیبت نکلنے سے فتن پھیلتے ہیں، اس لئے سلاطین اسلام کا احترام کرنا چاہئے"

(انفاس عیسیٰ ص ۳۵۵ ج ۱ - باب ۳)

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ بات درحقیقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی شرح ہے جو حضرت عیاض بن غنم رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے:

من اراد ان ینصح لذی سلطان بامر فلا یبدہ علانیۃ۔ ولکن لیاخذ بیدہ فیخلوا بہ فان قبل منہ فذاک والا کان قد ادی الذی علیہ۔

"جو شخص کسی صاحب اقتدار کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو اس نصیحت کو علانیہ ظاہر نہ کرے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خلوت میں لیجائے اگر وہ اس کی بات قبول کرلے تو بہتر ورنہ اس نے اپنا فرض ادا کر دیا"

(مجمع الزوائد ص ۲۲۹ ج ۵ - بحوالہ مسند احمد بسند ثقات)

ایک اور وعظ میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"بعض لوگ بعض مصائب سے تنگ ہوکر حکام وقت کو برا بھلا کہتے ہیں، یہ بھی علامت ہے بے صبری کی، اور یہ تدبیر نہیں، اور حدیث شریف میں اس کی ممانعت بھی آئی ہے، فرماتے ہیں:

"لا تسبوا الملوک"

یعنی بادشاہوں کو برا مت کہو، ان کے قلوب میرے قبضے میں ہیں میری اطاعت کرو، میں ان کے دلوں کو تم پر نرم کردوں گا"

(وعظ الصبر ص ۲۶ ماخوذ از اصلاح المسلمین ص ۴۶۳)

جس حدیث کی طرف حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے وہ مختلف

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مختلف الفاظ میں مروی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کے یہ الفاظ مروی ہیں:

"لا تشغلوا قلوبکم بسب الملوک، ولکن تقربوا الی اللہ تعالیٰ بالدعاء لھم یعطف اللہ قلوبکم علیکم"

"اپنے دل بادشاہوں کو برا بھلا کہنے میں مشغول نہ کرو، بلکہ ان کے حق میں دعاء کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو تمہاری طرف متوجہ فرما دیں گے۔"

(کنز العمال ص ۲ ج ۶ حدیث ۵۸ بحوالہ ابن النجار)

اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

ان اللہ یقول: انا اللہ لا الٰہ الا انا، مالک الملک وملک الملوک قلوب الملوک بیدی، وان العباد اذا اطاعونی حولت قلوب ملوکھم علیھم بالرأفۃ والرحمۃ، وان العباد اذا عصونی حولت قلوبھم علیھم بالسخط والنقمۃ، فساموھم سوء العذاب فلا تشغلوا انفسکم بالدعاء علی الملوک، ولکن اشغلوا انفسکم بالذکر والتضرع اکفکم ملوککم۔

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں مالک الملک ہوں اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھ میں ہیں اور بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں تو میں ان کے بادشاہوں کے دلوں کو ان کی طرف رحمت و رافت سے متوجہ کر دیتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو ان کے خلاف ناراضی اور عذاب کے ساتھ متوجہ کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ انھیں بدترین اذیتیں پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا تم بادشاہوں کو بددعائیں دینے میں مشغول نہ ہو، بلکہ اپنے آپ کو ذکر اور دعاء و تضرع میں مشغول رکھو، میں تمہارے بادشاہوں کے معاملے میں تمہاری مدد کروں گا۔"

(مجمع الزوائد ص ۲۴۹ ج ۵ بحوالہ طبرانی، وفیہ ابراہیم بن راشد وہو متروک)

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں :

لا تسبوا الائمۃ وادعوا اللہ لہم بالصلاح فان صلاحہم لکم صلاح۔

"ائمہ (سربراہِ حکومت) کو برا بھلا نہ کہو، بلکہ ان کے حق میں نیکی کی دعاء کرو، کیونکہ ان کی نیکی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

(السراج المنیر للعزیزی ص ۱۴۱ ج ۳، وقال ۱ اسنادہ حسن)

بہر صورت، حکام کو بلا ضرورت برا کہنے کو مشغلہ بنالینا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے، اگر وہ اتنے برے ہوں کہ ان کے خلاف خروج (بغاوت) جائز ہو تو پھر شرعی احکام کے مطابق خروج کیا جائے (جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے) لیکن بدگوئی کو شیوہ بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ غیبت کے نقصان کے علاوہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بدگوئی کے ایک اور نقصان کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ حکومت کی فی الجملہ ہیبت امن وامان کے قیام کے لئے ضروری ہے، اور جب یہ ہیبت دلوں سے اٹھ جاتی تو اس کا لازمی نتیجہ مجرموں کی بے باکی کی صورت میں نکلتا ہے، ملک میں بدامنی پھیلتی ہے اور اس کا نقصان پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے۔

حکومت کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف چارۂ کار

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہڑتال، جلوس، ہڑتال اور احتجاج کی مروجہ جیسے ۲۲ طریقوں کو درمیان سے نکال دیا جائے تو موجودہ حکومتوں کے غیر شرعی قوانین اور اقدامات کے خلاف جدوجہد کے لئے کس چارۂ کار کیا رہ جاتا ہے؟ کیا موجودہ حکومتوں کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ اسلامی احکام کو پامال کرتی رہیں؟ لوگوں کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے برگشتہ کرنے کیلئے حکومت کی پوری مشینری کو استعمال کرتی رہیں؟ تعلیم گاہوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ غیر اسلامی نظریات کی ترویج جاری رہے، اور جو مسلمان دین پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ زبانی وعظ ونصیحت کے سوا کچھ نہ کریں، جبکہ آج کل کی حکومتوں کا تجربہ یہ ہے کہ وہ زبانی وعظ ونصیحت کو در خور اعتنا نہیں سمجھتیں اور جب تک ان پر احتجاج

کھڑا ہو نہ ڈالا جائے اس وقت تک وہ کسی مطالبے کو عموماً تسلیم نہیں کرتیں۔

اس سوال کا جواب حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ مغربی سیاست کے رواجِ عام کے سبب ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ احتجاج کا طریقہ ہڑتالوں، جلوسوں اور مظاہروں ہی میں منحصر ہے حالانکہ ایک مسلمان کو احتجاج کا طریقہ بھی خود اپنے دین کے احکام ہی سے لینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اگر حکومت کے غیر اسلامی اقدامات اس حد تک پہنچ جاتے ہیں جہاں حکومت کے خلاف خروج (مسلح بغاوت) جائز ہو جائے وہاں تو خروج کے احکام جاری ہوں گے (جن کی کچھ تفصیل آگے آ رہی ہے) لیکن جہاں خروج جائز نہ ہو وہاں وعظ و نصیحت کے علاوہ مسلمانوں کے پاس احتجاج کا ایک طریقہ ایسا ہے جو بڑی بڑی حکومتوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتا ہے اور وہ طریقہ ہے:

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق

"خالق کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔"

اور یہ طریقہ خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے ثابت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خذوا العطاء ما دام عطاء، فاذا صار رشوة على الدين فلا تاخذوه ولستم بتاركيه يمنعكم الفقر والحاجة الا ان رحا الاسلام دائرة فدوروا مع الكتاب حيث دار الا ان الكتاب والسلطان سيفترقان فلا تفارقوا الكتاب، الا انه سيكون عليكم امراء يقضون لانفسهم ما لا يقضون لكم فان عصيتموهم قتلوكم وان اطعتموهم اضلوكم، قالوا: يا رسول الله كيف نصنع؟ قال: كما صنع اصحاب عيسى ابن مريم نشروا بالمناشير وحملوا على الخشب، موت فى طاعة الله خير من حياة فى معصية الله۔

"تنخواہ اس وقت تک لو جب تک وہ تنخواہ رہے، لیکن اگر وہ دین

(فروختگی) کے لئے رشوت بن جائے تو نہ لو، اور تم فقر اور حاجت کے خوف سے اسے
چھوڑو گے نہیں، خوب سن لو کہ اسلام کی چکی چل پڑی ہے لہٰذا قرآن جہاں بھی جائے
تم اس کے ساتھ جاؤ۔ خبردار! قرآن اور اقتدار دونوں الگ الگ ہو جائیں
گے، ایسے میں تم قرآن کا ساتھ نہ چھوڑنا، یاد رکھو کہ تم پر کچھ ایسے امراء آئیں گے
جو اپنے حق میں وہ فیصلے کریں گے جو تمہارے حق میں نہیں کریں گے۔ اگر تم نے ان
کی خلاف ورزی کی تو وہ تمہیں قتل کر دیں گے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو وہ تمہیں
گمراہ کر دیں گے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسے میں
کیا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی کرو جو عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام
کے ساتھیوں نے کیا، ان کو آروں سے چیر دیا گیا، اور لکڑیوں پر سولی چڑھایا گیا،
اللہ کی اطاعت میں موت آجائے تو وہ اللہ کی نافرمانی میں زندگی گزارنے سے بہتر ہے۔"
(مجمع الزوائد ص ۲۳۸ ج ۵ بحوالہ طبرانی و قال الہیثمی: یزید بن مرثد لم یسمع من
معاذ والوضین بن عطاء وثقہ ابن حبان وغیرہ وضعفہ جماعۃ وبقیۃ رجالہ ثقات)

اس حدیث نے واضح فرما دیا کہ اگر کبھی حکومت وقت کی طرف سے ایسے احکام جاری
کئے جائیں جو اللہ کی کتاب کے صراحۃً خلاف ہوں (جن میں اسلام کے تمام قطعی اور منصوص
احکام داخل ہیں) تو ایک مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ان احکام کے بجائے اللہ کے حکم کی پابندی
کرے۔ یہ طریق کار جہاں انفرادی طور پر اخروی نجات کا راستہ ہے وہاں اجتماعی
اصلاح کی بھی زبردست صلاحیت ہے کیونکہ اب اگر عوام میں یہ عام دینی شعور پیدا کر دیا
جائے کہ وہ خالص اپنے دینی جذبے سے حکومت کے غیر اسلامی احکام کی تنفیذ میں حصہ دار
بننے سے ہاتھ روک لیں تو ایک حکومت پر اس سے بڑے کسی دباؤ کا تصور نہیں کیا
جا سکتا۔ غور فرمائیے کہ اگر مسلمان اپنے دینی شعور کے تحت یہ فیصلہ کر لیں کہ وہ بینکوں
کے سودی کھاتوں میں رقمیں نہیں رکھیں گے۔ ملازمین یہ طے کر لیں کہ وہ سودی بینکوں
کی ملازمت چھوڑ دیں گے اور تجار یہ طے کر لیں کہ وہ کسی بینک سے سود پر قرض نہیں لیں گے۔
تو کیا یہ سودی نظام ایک دن باقی رہ سکتا ہے؟ اگر مسلمان جج یہ طے کر لیں کہ وہ کسی غیر اسلامی
قانون کے تحت فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور اس کے لئے ملازمت چھوڑنی پڑے تو چھوڑ دیں گے
وکلاء یہ طے کر لیں کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کے تحت کسی مقدمے کی پیروی نہیں کریں گے

خواہ انھیں کتنے مالی فوائد سے ہاتھ دھونے پڑیں تو کیا یہ غیر اسلامی قوانین عوام کے سروں پر مسلط رہ سکتے ہیں؟ اگر مسلمان سرکاری ملازمین یہ عزم کرلیں کہ وہ حکومت کے کسی غیر اسلامی اقدام کی تنفیذ میں حصہ دار بننا گوارا نہیں کریں گے اور اگر انھیں ایسا کرنا پڑا تو وہ ملازمت سے مستعفی ہو جائیں گے تو کیا یہ غیر اسلامی اقدامات باقی رہ سکتے ہیں۔؟

احتجاج کے مروجہ طریقوں کے مقابلے میں اس تجویز میں صرف یہ خرابی ہے کہ یہ مغربی سیاست کے ٹکسال سے ڈھل کر نہیں نکلی اس لئے ذہنوں کے لئے اجنبی اور نامانوس ہے لیکن اگر اس تجویز پر ٹھیک ٹھیک عمل کرلیا جائے تو اس میں ملک کا نظام بدلنے کی پوری صلاحیت موجود ہے اور یہ مروجہ تدابیر کے مفاسد سے بھی خالی ہے، ہاں اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ نفاذ اسلام کی جد وجہد کرنے والوں کے دل میں خدا کا خوف، آخرت کی فکر، اللہ تعالی کے سامنے جواب دہی کا احساس اور اتباع شریعت کی لگن موجود ہو۔ اور وہ پہلے اپنی ذات پر اسلامی احکام کے نفاذ کے لئے تیار ہوں۔

اس کے برعکس مروجہ طریق کار لوگوں کو اس لئے آسان معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنی ذات پر اسلام کی کوئی پابندی عائد کرنے کی کوئی شرط نہیں ہے جس شخص کی ذاتی زندگی اسلام کی بنیادی تعلیمات تک سے خالی ہو، وہ بھی نفاذ اسلام کا جھنڈا بلند کرکے سڑکوں پر نعرے لگا سکتا ہے: اس طریق کار میں "اسلامی جذبے" کے اظہار کے لئے ایک دن ہڑتال میں حصہ لے لینا کافی ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد دکانوں اور دفتروں میں بیٹھ کر خالص غیر اسلامی معاملات اپنے ہاتھوں سے طے کئے جا رہے ہوں تو اس سے اس جد وجہد پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال یہ ہے کہ جو لوگ خود اپنی ذاتی زندگی پر اسلامی احکام نافذ نہ کرسکتے ہوں وہ کیسے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ نفاذ اسلام کے لئے ان کی جد وجہد اور ان کے مطالبات پورے ہو جائیں گے؟ اس عظیم کام کے لئے اتنی شرط تو ہونی چاہیئے کہ جو لوگ اس جد وجہد کا بیڑا اٹھائیں کم از کم وہ تو اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالے ہوئے ہوں اور اس راہ میں جان و مال اور جذبات و مفادات کی قربانی پیش کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔ اگر یہ بنیادی شرط ہی مفقود ہے تو نفاذ اسلام کی جد وجہد کی حیثیت و اہمیت ایک بے جان اور سطحی شورش سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

سیاست اسلامیہ ۔۔ ص ۱۰۲

حکومت کے خلاف خروج :

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کو شدید جرم قرار دیا ہے اور باغی کی سزا موت قرار دی ہے، چنانچہ اس بات پر فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا اجماع ہے۔

حکومت عادلہ کے خلاف بغاوت کس وقت جائز ہوتی ہے؟ اس مسئلے میں فقہاء امت نے کافی مفصل بحثیں کی ہیں، یہ بات تو احادیث سے واضح ہے کہ اگر حکمراں سے کفر بواح (واضح کفر) کا صدور ہو جائے تو اسکے خلاف بغاوت بالکل برحق ہے لیکن اگر کسی سے فسق و فجور سرزد ہو تو اس صورت میں عموماً فقہاء رحمہم اللہ بغاوت کو جائز نہیں کہتے کیونکہ حدیث میں صرف کفر بواح کی صورت میں بغاوت کی اجازت دی گئی ہے۔

لیکن دوسری طرف بعض احادیث کے کچھ الفاظ اس کے خلاف بھی نظر آتے ہیں جن سے حکمران کے فسق کی صورت میں خروج کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اسی بناء پر بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارتیں بھی کچھ متضاد سی نظر آتی تھیں۔ خود راقم الحروف کو اس مسئلے میں ایک مدت تک بہت اشکال رہا، اور کوئی منقح بات سامنے نہیں آئی۔

لیکن حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے اس موضوع پر ایک نہایت جامع مفصل اور مدلل رسالہ تحریر فرمایا ہے جو امداد الفتاوی کی پانچویں جلد میں "جزل الکلام فی عزل الامام" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس موضوع کی تمام احادیث اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کو یکجا جمع کرکے اس مسئلے کو اتنا منقح فرما دیا ہے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر بحث احقر کی نظر سے نہیں گزری، حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسئلے کی تمام صورتوں کا تجزیہ فرما کر ہر صورت کا حکم احادیث و فقہی حوالوں کے ذریعے واضح فرمایا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حکمران کے غیر اسلامی اقدامات کی چند صورتیں ہیں اور ہر صورت کا حکم جدا ہے۔

① حکمران کا فسق اسکی ذات کی حد تک محدود ہو، مثلاً شراب نوشی وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے :

"اگر بدون کسی فتنے کے آسانی سے جدا کر دینا ممکن ہو، جدا کر دیا جائے، اگر فتنے

کا اندیشہ ہو صبر کیا جائے ۔۔۔۔ اور اگر نہی عن العدل کی صورت میں اس پر کوئی خروج
کرے تو عامۃ مسلمین پر اس کی نصرت واجب ہے خاص کر جب امام متمکن بھی کر سکے
لقولہ فی العبارۃ التالیۃ وسنۃ فاذا خرج جماعۃ مسلمون" الخ

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا فسق دوسروں تک متعدی ہو یعنی لوگوں
کا مال ناحق طریقے سے لیتے تھے، لیکن اس میں اشتباہ جواز کا بھی ہو سکتا ہو جیسے
مصالح سلطنت کے نام سے ٹیکس وغیرہ وصول کرتے تھے۔ اس صورت کا حکم یہ ہے
کہ اس میں اس کی اطاعت بھی واجب ہے خروج جائز نہیں۔

(۳) ایسا مالی ظلم کرے جس میں جواز کا شبہ بھی نہ ہو بلکہ صریح ظلم ہو اسکا حکم یہ ہے:
"اپنے اوپر سے ظلم کا دفع کرنا، اگرچہ قتال کی نوبت آجائے ۔۔۔۔۔۔ اور صبر بھی
جائز ہے۔ بلکہ غالباً اولیٰ ہے ۔۔۔۔۔۔"

(۴) لوگوں کو معصیتوں پر مجبور کرے، مگر اس کا منشا دین کا استخفاف یا کفر و
معصیت کی پسندیدگی نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر اکراہ کے وہ احکام جاری
ہونگے جو فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ لیکن خروج جائز نہ ہوگا۔

(۵) لوگوں کو معصیت پر مجبور کرے، اور اس کا منشا دین کا استخفاف یا کفر و معصیت
کی پسندیدگی ہو تو یہ کفر ہے،
یا اگرچہ فی الحال تو اکراہ کا منشا استخفاف وغیرہ نہ ہو لیکن اکراہ عام لیشکل
قانون ایسے طور پر ہو کہ ایک مدت تک اس پر عام عمل ہونے سے فی المآل ظن
غالب ہو کہ طبائع میں استخفاف پیدا ہو جاوے گا تو ایسا اکراہ بھی بحکم کفر ہے۔ اور ان تمام
صورتوں میں وہی حکم ہوگا جو کفر بواح کا ہے، اور جو چھٹی صورت میں آرہا ہے۔

(۶) نعوذ باللہ! کافر ہو جائے، اس کا حکم یہ ہے:
"معزول ہو جاوے گا اور اگر جدا نہ ہو تو بشرط قدرت جدا کر دینا علی الاطلاق
واجب ہے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کفر متفق علیہ ہو اور جس طرح اسکا کفر
ہونا قطعی ہو اسی طرح اس کا صدور بھی یقینی ہو، مثل روئیت عین کے نہ کہ بعض
روایات ظنیہ کے درجے میں،
کما دل علیہ قولہ علیہ السلام الا ان تروا

افراد بہ رؤیۃ العینین بل لیلی تعدیتہ الی مفعول واحد"

کسی امر موجب کفر کی دلالت علی الکفر یا اس امر موجب کفر کا ثبوت قرائن مقامیہ یا مقالیہ کے اختلاف سے مختلف فیہ ہوسکتا ہے۔ اور خود قطعیت بھی کبھی مختلف فیہ ہوسکتی ہے، اسی طرح کبھی اجماع مختلف فیہ ہوسکتا ہے ...... اس صورت میں ہر عامل اپنے عمل میں معذور ہوگا۔

اسی طرح ایک اور صورت میں بھی رائے کے اختلاف میں مسامحت ہے وہ یہ کہ عبارت خاصہ میں تعارض مصالح کے وقت اخف المضرتین کے تحمل کا حکم کیا گیا ہے تو ممکن ہے کہ دو شخصوں کا اجتہاد مضرات مختلفہ کے اخف واشد ہونے میں مختلف ہو۔ وبہ ینحل کثیر من الاشکالات من اختلاف جوابات الثقات فی مثل ھٰذہ المقامات۔

(امداد الفتاوی ص ١٢٠- ج ٥)

پھر جن صورتوں میں خروج کی اجازت یا وجوب بیان کیا گیا ہے ان میں شرط یہ ہے کہ خروج کے لئے مناسب قوت موجود ہو۔ اور اس کے نتیجے میں کسی اور بدتر حکمران کے مسلط ہوجانے یا کسی غیر مسلم طاقت کے قبضہ جما لینے کا اندیشہ نہ ہو۔

یہاں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کا نہایت اجمالی خلاصہ پیش کیا گیا ہے ورنہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہر صورت کے حکم کو حدیث اور فقہ کے دلائل سے مبرہن فرمایا ہے اور تمام ممکنہ شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔ اہل علم کے لئے یہ رسالہ نہایت مفید اور اطمینان بخش ہے۔

فھٰذا اٰخر ما اردنا ایرادہ فی ھٰذہ العجالۃ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد النبی الامین وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین۔

(ماہنامہ البلاغ شعبان ورمضان ١٤١٠ ہجری)

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ
(القرآن)

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید
فرنگ آئین جمہوری نہاد است
رسن از گردن دیوے کشاد است

رفع النقاب
عن
وجہ الانتخاب

- جمہوریت اسلامیہ
- عورت کی سربراہی کی حرمت کے بارے میں

اکابر علماء کا متفقہ فیصلہ

○ قرآن ○ حدیث ○ فقہ ○ عقل ○ اجماع امت

مکتبہ قادری

رفع النقاب

مندرجات :

جمہوریت اسلامیہ

سوال : اسلام میں طرز حکومت شاہی ہے یا جمہوری؟ اگر جمہوری ہے تو طریق انتخاب کیا ہے؟

اسلامی جمہوریت میں مسلمانوں کا سربراہ کیسے منتخب کیا جاتا ہے؟ کیا مرد اور عورت سب کو رائے دہی کا حق ہے یا صرف مردوں کو؟ اور کیا صرف ارباب عقول اور سمجھدار لوگوں سے رائے لی جائے یا سب سے، سمجھدار اور بے سمجھ تجربہ کار اور بے وقوفوں سے بھی؟ جیسا کہ آجکل کے ریفرنڈم کا تصور ہے، غرض جن لوگوں کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے میں کوئی سمجھ نہیں کہ کون اہلیت رکھتا ہے، کیا ان سے بھی رائے لی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام کا طرز حکومت جمہوری ہے، جمہوریت اسلامیہ اور جمہوریت مروجہ میں دو قسم کا فرق ہے۔

(۱) جمہوریت مروجہ میں سربراہ مملکت خود مختار نہیں ہوتا بلکہ مقننہ کے فیصلہ کا پابند ہوتا ہے اور جمہوریت اسلامیہ میں امیر المؤمنین خود مختار ہوتا ہے، اہم اُمور میں اہل حل وعقد سے مشورہ کے بعد جو اس کی رائے میں صواب ہو اس کے مطابق فیصلہ کرے، شوریٰ کے فیصلہ کا پابند نہیں،

قال اللہ تعالیٰ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (۳-۱۵۹)

(۲) جمہوریت مروجہ میں ہرکس وناکس کو رائے دہی کا حق ہے مگر جمہوریت اسلامیہ میں انتخاب خلیفہ کا حق صرف اہل حل وعقد کو ہے۔

اہلیت حل وعقد کے لئے پانچ شرائط ہیں۔

(۱) عقائد اسلام میں رسوخ و مضبوطی۔

(۲) ذکورۃ۔ (۳) علم دین میں رسوخ۔

(۴) تقویٰ و تصلب فی الدین۔

(۵) ملکی حالات وسیاسیات حاضرہ میں بصیرت تامہ۔

دلائل :

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ وَاِذَا جَآءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ (۴-۸۳)

جب عمومی مسائل کے لئے اہل حل وعقد کی طرف رجوع کا حکم ہے تو خلافت جیسے اہم و عظیم مسئلہ کے لئے عوام کالانعام کی طرف رجوع کی کیسے اجازت دی جا سکتی ہے؟

(۲) وقال تعالیٰ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ (۴-۵۹)

اس آیت میں اولی الامر کی دو تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) حکام۔ (۲) اہل حل وعقد۔

پہلی آیت میں اولی الامر سے اہل حل وعقد ہی متعین ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ دوسری آیت میں بھی یہی تفسیر راجح ہے۔

جب عام معاملات میں اہل حل وعقد کی اطاعت کا حکم ہے تو انتخاب امیر جیسے اہم مسئلہ میں بطریق اولیٰ ان کی اطاعت فرض ہوگی۔

(۳) وقال تعالیٰ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ (۶-۱۱۶)

(۴) وقال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَھْلِھَا ۙ (۴-۵۸)

اس سے جیسے یہ ثابت ہوا کہ امیر ایسے شخص کو منتخب کرنا فرض ہے جس میں امارت کی اہلیت ہو، اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ عوام پر یہ فرض ہے کہ انتخاب امیر کا مسئلہ خود طے کرنے کی بجائے ایسے اہل حل وعقد کے سپرد کریں جن میں انتخاب کی اہلیت ہو۔

(۵) نصوص شرعیہ کے علاوہ عقل کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ انتخاب امیر ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ اس کے لئے کمال عقل کی ضرورت ہے اور علم دین و تقویٰ کے بغیر عقل کامل نہیں ہو سکتی۔

شرائط امیر :

امیر کے لئے اہلیت حل وعقد کی شرائط مذکورہ کے علاوہ چھ شرائط یہ

مجتہد ہے کہ صاحبِ ہمت و شجاعت ہو۔

طریق انتخابِ امیر:

اسلام میں انتخابِ امیر کے تین طریقے ہیں:

(۱) بیعتِ اہلِ حل وعقد، کما وقع لسیدنا ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۲) استخلاف، خلیفہ وقت چند اہلِ حل وعقد سے مشورہ کرکے کسی کے بارے میں وصیت کردے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، عبد الرحمن بن عوف، سعید بن زید، اسید بن حضیر اور مہاجرین وانصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے دوسرے اہلِ حل وعقد سے مشورہ کرکے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نامزد فرمایا۔

روی ابن الاثیر رحمہ اللہ تعالیٰ ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما مرض دعا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال لہ اخبرنی عن عمر بن الخطاب، فقال عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما تسألنی عن امر الا وانت اعلم بہ منی، قال ابوبکر وان، فقال عبد الرحمن ھو واللہ افضل من رأیک فیہ ثم دعا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال اخبرنی عن عمر، فقال انت اخبرنا بہ، فقال علی ذلک یا ابا عبد اللہ، فقال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللھم علمی بہ ان سریرتہ خیر من علانیتہ وان لیس فینا مثلہ، فقال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یرحمک اللہ واللہ لو ترکتہ ما عدوتک، وشاور معھما سعید بن زید ابا الاعور واسید بن حضیر وغیرھما من المھاجرین والانصار رضی اللہ تعالیٰ عنھم، فقال اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللھم اعلمہ الخیرۃ بعدک یرضی للرضی ویسخط للسخط الذی یسر خیر من الذی یعلن ولم یل ھذا الامر احد اقوی علیہ منہ (اسد الغابۃ ص[illegible] ج[illegible])

بذریعہ استخلاف انعقادِ خلافت کی شرائط:

استخلافِ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ بذریعہ استخلاف انعقادِ خلافت کے لئے تین شرائط ہیں:

① خلیفۂ اوّل میں خلافت کی سب شرط موجود ہوں۔
② خلیفۂ ثانی بھی سب شروط خلافت کا مستجمع ہو۔
③ خلیفۂ اوّل نے خلیفۂ ثانی کے انتخاب میں اہل حل وعقد سے مشورہ کیا ہو۔
④ شوریٰ، خلیفۂ وقت چند اہل حل وعقد کی شوریٰ متعین کرکے یہ وصیت کردے کہ میرے بعد یہ لوگ اتفاق رائے سے اپنے میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کریں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی چھ رکنی شوریٰ متعین فرمائی۔ اس کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔

رواہ الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ عن عمرو بن میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولفظہ قال (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ما اجد احق بھذا الامر من ھؤلاء النفر او الرھط الذین توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو عنھم راض فسمی علیا وعثمان والزبیر وطلحۃ وسعدا وعبدالرحمٰن ابن عوف، وقال ویشھد کم عبداللہ بن عمر ولیس لہ من الامر شیئ کھیئۃ التعزیۃ لہ فان اصابت الامرۃ سعدا فھو ذاک والا فلیستعن بہ ایکم ما امر فانی لم اعزلہ من عجز ولا خیانۃ (وبعد اسطر) فلما فرغ من دفنہ اجتمع ھؤلاء الرھط فقال عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجعلوا امرکم الی ثلثۃ منکم، قال الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی علی فقال طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی عثمان وقال سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد جعلت امری الی عبدالرحمٰن بن عوف فقال لہ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایکما تبرأ من ھذا الامر فنجعلہ الیہ واللہ علیہ والاسلام لینظرن افضلھم فی نفسہ فاسکت الشیخان رضی اللہ تعالیٰ عنھما فقال عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ افتجعلونہ الی واللہ علی ان لا الو عن افضلکم قالا نعم فاخذ بید احدھما فقال لک قرابۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والقدم فی الاسلام ما قد علمت

فالله عليك لئن امرتك لتعدلن ولئن امرت عثمان لتسمعن ولتطيعن ثم خلا بالآخر فقال له مثل ذلك فلما اخذ الميثاق قال ارفع يدك يا عثمان فبايعه فبايع له علي رضي الله تعالى عنه وولج اهل الدار فبايعوه (صحیح البخاری ص ۵۲۵ ج ۱)

انتخاب امیر کے یہی تین طریقے ہیں، البتہ انعقادِ خلافت کا ایک چوتھا طریقہ استیلاء وتغلب بھی ہے، یعنی خلیفۂ وقت کی موت کے بعد کوئی شخص جبراً وقہراً مسلط ہو جائے تو اس کی خلافت منعقد ہو جاتی ہے، اس لئے اس کی اطاعت واجب ہے۔

پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) یہ شخص شروطِ خلافت کا مستجمع ہو اور لوگوں کو صلح وحسن تدبیر سے مائل کرے، کوئی ناجائز اقدام نہ کرے۔ یہ قسم جائز ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت اسی طرح منعقد ہوئی تھی۔

(۲) اس شخص میں شروطِ خلافت نہ ہوں، اور اپنے مخالفین کو قتال اور دوسرے ناجائز حربوں سے تابع کرے، یہ جائز نہیں، ایسا شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے، مگر اس کے باوجود اس کے تسلط کے بعد اس کی اطاعت واجب ہے بشرطیکہ اس کا حکم خلافِ شرع نہ ہو، اس کی مخالفت اور اسے معزول کرنے کی کوشش کرنا جائز نہیں۔

قال الامام ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: انعقاد خلافت بچہار طریق واقع شود:

طریق اول بیعت اہل حل وعقد است از علماء وقضاۃ وامراء ووجوہ ناس کہ حضور ایشان میسر شود، واتفاق اہل حل وعقد جمیع بلاد اسلام شرط نیست زیرا کہ آن ممتنع است وبیعت یک دو کس فائدہ ندارد زیرا کہ حضرت عمر در خطبہ آخر فرمودہ اند: فمن بايع رجلا على غير مشورة من المسلمين فلا يبايع هو ولا الذي بايعه تغرة ان يقتلا وانعقاد خلافت حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بطریق بیعت بودہ است۔

طریق دوم استخلاف خلیفہ است مستجمع شروط را، یعنی خلیفہ عادل بمقتضائے نصح مسلمین شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت اختیار کند وجمع نماید مردمان را ونص کند باستخلاف وی ووصیت نماید باتباع وی، پس این شخص میان سائر مستجمعین خصوصیتی پیدا کند وقوم را لازم است کہ ہمان شخص را خلیفہ سازند، انعقاد خلافت حضرت فاروق رضی

تعالیٰ عنہ ہمیں طریق بود ۔

طریق سوم شوریٰ است و آں آنست کہ خلیفہ متارکہ گزارد خلافت را در میان قومی از مستعیین شود و گوید از میان ایں جماعت ہر کرا اتفاق کنند خلیفہ شود پس بعد موت خلیفہ اہل شوریٰ مشورہ کنند یکی را متعین سازند و گر یا اختیار شخصی را یا جمعی را تعیین کنند اعتبار ہماں شخص یا ہماں جمع معتبر باشد و انعقاد خلافت ذو النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں طریق بود کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت را در میان شش کس شایع ساختند و آخر عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ برائے تعیین خلیفہ مقرر شد و وی حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ را اختیار نمود ۔

طریق چہارم استیلاء است چوں خلیفہ بمیرد و شخصی متصدی خلافت گردد بغیر بیعت و استخلاف و مردم را بر خود جمع سازد یا بتالیف قلوب یا بقہر و نصب قتال خلیفہ شود و لازم گردد بر مردمان اتباع فرمان او در آنچہ موافق شرع باشد ، و ایں دو نوع است ۔

یکی آنکہ مستولی جامع شروط باشد و صرف منازعین کند بصلح و تدبیر از غیر ارتکاب محرمی ، و ایں قسم جائز است و رخصت ، و انعقاد خلافت معاویہ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ و بعد صلح امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں نوع بود ۔

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد و صرف منازعین کند بقتال و ارتکاب محرم و ایں جائز نیست و فاعل آں عاصی است لیکن واجب است قبول احکام او چوں موافق شرع باشد ۔ و اگر عمال او اخذ زکوٰۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود و چوں قاضی او حکم نماید نافذ گردد حکم او ۔ و ہمراہ او جہاد می تواں کرد و ایں انعقاد بنا بر ضرورت است زیرا کہ در عزل او زوال نفوس بسیار مسلمین و ظہور ہرج و مرج شدید لازم می آید و یقین معلوم نیست کہ ایں تدبیر مفضی شود بصلاح یا نہ ، یحتمل کہ دیگری بر او غالب شود بدتر از وی ، پس ارتکاب فتنہ کہ نفع او متیقن نیست چرا باید کرد برائے مصلحتے کہ موہوم است و محتمل ، و انعقاد خلافت عبد الملک بن مروان و اول خلفائی بنی عباس ہمیں نوع بود (ازالۃ الخفاء ص ۵ مقصد اول)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۷ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

عورت کی سربراہی — اکابر علماء کا فیصلہ

تحریر: مولانا محمد رفیع عثمانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

قرآن و سنت کے واضح ارشادات کی بناء پر یہ بات چودہ سو سال سے فقہاء امت میں مسلمہ اور غیر متنازعہ چلی آ رہی ہے کہ کسی اسلامی حکومت میں سربراہی کے منصب کی ذمہ داریاں کسی خاتون کو سونپی نہیں جا سکتیں۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالی نے "مراتب الاجماع" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُن مسائل کو جمع فرمایا ہے جن پر امت کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔ اس کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

واتفقوا ان الامامة لا تجوز لامرأة (مراتب الاجماع لابن حزم ص ۱۲۶)

"اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کا منصب کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے۔"

اس اجماع کی بنیاد قرآن و سنت کے بہت سے دلائل پر ہے جنہیں ہم صراحت کی ترتیب سے ذیل میں پیش کرتے ہیں:

(۱) صحیح بخاری وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد صحیح سندوں سے مروی ہے:

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ (صحیح البخاری کتاب المغازی باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی کسری وقیصر، حدیث نمبر ۴۴۲۵، وکتاب الفتن باب الفتنۃ التی تموج کموج البحر، حدیث نمبر ۷۰۹۹)

"وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے سپرد کر دے۔"

اسی حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب ایران کے باشندوں نے ایک عورت کو اپنا سربراہ بنا لیا تھا۔ لہذا یہ حدیث عورت کو سربراہ بنانے کے عدم جواز پر واضح دلیل ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اذا کانت امراؤکم خیارکم واغنیاؤکم سمحاءکم وامورکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا، واذا کانت امراؤکم شرارکم واغنیاؤکم بخلاءکم وامورکم الیٰ نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا" (جامع الترمذی ابواب الفتن ص ۵۲ ج ۲)

"جب تمہارے حکام تم میں بہترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولت مند لوگ تم میں سے سخی لوگ ہوں۔ اور تمہارے معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہوں تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے پیٹ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حکام تم میں بدترین لوگ ہوں، تمہارے دولت مند لوگ تم میں کے بخیل لوگ ہوں۔ اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہوگا"

یہ حدیث بھی اس قدر واضح ہے کہ اس کی کسی تشریح کی ضرورت نہیں۔

(۳) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کہیں بھیجا تھا، وہاں سے کوئی شخص فتح کی خوشخبری لے کر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کی خوشخبری سن کر سجدے میں گر گئے، اور سجدے کے بعد پیغام لانے والے سے تفصیلات معلوم فرمانے لگے، اس نے تفصیلات بیان کیں:

"ثم کان فیما حدثہ من امر العدو وکانت تلیھم امرأۃ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھلکت الرجال حین اطاعت النساء" (مستدرک حاکم ص ۲۹۱ ج ۴ کتاب الادب باب سجدۃ الشکر)

"ان تفصیلات میں اس نے دشمن کے بارے میں یہ بھی بتایا کہ ان کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: "جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ و برباد ہیں۔"

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ تعالیٰ نے صحیح الاسناد قرار دیا ہے، اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔

(۴) قرآن کریم کا ارشاد ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۔
(سورۃ النساء)

"مرد عورتوں پر قوام (نگراں، حاکم) ہیں بوجہ اس فضیلت کے جو اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر دی ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر قوامیت کا مقام مرد کو دیا ہے۔ اگرچہ براہِ راست یہ آیت خانگی امور سے متعلق معلوم ہوتی ہے، لیکن اول تو آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو اس کو خانگی امور کے ساتھ خاص کرتا ہو، دوسرے یہ ایک بدیہی بات ہے کہ جس صنف کو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹے سے گھر کی ذمہ داری نہیں سونپی اسکو تمام گھروں کے مجموعے اور پورے ملک کی سربراہی کی ذمہ داری کیسے سونپی جا سکتی ہے؟ لہٰذا یہ آیت اگر عبارۃ النص کے طور پر نہیں تو دلالۃ النص کے طور پر یقیناً اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو کسی اسلامی ملک کا سربراہ نہیں بنایا جا سکتا۔

(۵) سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے عورت کا دائرہ عمل واضح طور سے بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاھِلِیَّۃِ الْاُوْلٰی ۔

"اور اپنے گھروں میں قرار کے ساتھ رہو، اور پچھلی جاہلیت کی طرح بن سنور کر باہر نہ جاؤ۔"

اس آیت میں واضح طور سے بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی اصل ذمہ داری اس کے گھر کی ذمہ داری ہے، اسے باہر کی دوڑ دھوپ سے یکسو ہو کر اپنے گھر کی اصلاح اور اپنے گھرانے کی تربیت کا فریضہ انجام دینا چاہئے جو درحقیقت پوری قوم اور معاشرے کی بنیاد ہے۔ لہٰذا گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری (استثنائی حالات کو چھوڑ کر) بحیثیت اصول کسی عورت کو نہیں سونپی جا سکتی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ خطاب خاص طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لئے ہوا تھا، ہر عورت اس کی مخاطب نہیں ہے۔ لیکن یہ بات اس قدر بدیہی طور پر غلط ہے کہ اس کی تردید کے لئے کسی طویل بحث کی ضرورت نہیں۔ اول تو قرآن کریم نے اس جگہ ازواج مطہرات کو خطاب فرماتے ہوئے بہت سی باتوں کی تاکید

فرمائی ہے، مثلاً یہ کہ وہ تقویٰ اختیار کریں، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں۔ فحش باتوں سے بچیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی ہوش مند یہ کہہ سکے کہ یہ حکم صرف ازواج مطہرات کے لئے ہے، کسی دوسری عورت کے لئے نہیں ہے۔ جب یہ سارے احکام تمام عورتوں کے لئے ہیں تو گھر میں قرار سے رہنے کا یہ ایک حکم ہی ازواج مطہرات کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟

دوسرے، اس بات میں کون مسلمان شک کر سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، اپنی علمی اور عملی صلاحیتوں کے لحاظ سے امت کی افضل ترین خواتین تھیں اور پوری امت کی مائیں تھیں۔ اگر اسلام میں سیاست و حکومت اور عبادت و اقتدار کی ذمہ داری کسی خاتون کو سونپنا جائز ہوتا تو ان مقدس خواتین سے زیادہ کوئی خاتون کسی ذمہ داری کے لئے مناسب نہیں ہو سکتی تھی۔ جب قرآن کریم نے ان کو ایسی ذمہ داریاں سونپنے کے بجائے انہیں صرف گھر کی چار دیواری میں رہنے کا حکم دیا تو پھر کون عورت ایسی ہو سکتی ہے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ جس وجہ سے ازواج مطہرات کو گھر میں قرار سے رہنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ وجہ اس میں موجود نہیں ہے۔

(۶) سورۂ احزاب میں قرآن کریم نے عورت کا جو دائرہ کار بیان فرمایا ہے اسی کی تشریح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اس طرح فرمائی ہے:

والمرأة راعية على اهل بيت زوجها وولده وهي مسئولة عنهم

(صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب ۱، حدیث نمبر ۷۱۳۸

وکتاب الجمعة باب الجمعة في القرى والمدن حدیث نمبر ۸۹۳

مزید دیکھئے حدیث نمبر ۲۴۰۹، ۲۵۵۴، ۲۵۵۸، ۲۷۵۱، ۵۱۸۸، ۵۲۰۰)

"اور عورت اپنے شوہر کے گھر والوں اور اس کی اولاد کی نگراں ہے، اور وہی ان کی ذمہ دار ہے۔"

اس حدیث میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ عورت کی ذمہ داری گھر کے انتظام کی دیکھ بھال، اولاد کی تربیت اور خانگی امور کا انتظام ہے، اس کو گھر سے باہر کی کوئی ذمہ داری نہیں سونپی گئی۔

(۷) اسلام میں حکومت کی سربراہی اور نماز کی امامت، دونوں ساتھ ساتھ

لازم و ملزوم ہیں کہ "حکومت کی سربراہی" کو بھی شریعت کی اصطلاح میں "امامت" ہی کہا جاتا ہے، اور "امام" کا لفظ جس طرح نماز پڑھانے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح "سربراہ حکومت" کو بھی امام کہا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت سے مقامات پر سربراہ حکومت کو اسی لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ امامت کے دونوں معنی میں اس طرح فرق کرتے ہیں کہ نماز کی امامت کو "امامت صغریٰ" (چھوٹی امامت) اور حکومت کی سربراہی کو "امامت کبریٰ" (بڑی امامت) کہتے ہیں۔

ادھر یہ بات طے شدہ ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ عورت نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوٹے درجے کی امامت کی ذمہ داری نہیں سونپی، تو بڑے درجے کی امامت اس کو کیسے سونپی جا سکتی ہے؟

اسلام میں نماز کو حکومت کی سربراہی سے کس قدر گہرا تعلق ہے؟ اس کا اندازہ چند مندرجہ ذیل امور سے لگایا جا سکتا ہے:

(الف) زمین کے کسی حصے پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلمان حکمران کا سب سے پہلا فریضہ "اقامت صلوٰۃ" کو قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ۔

"وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو وہ نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔"

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک، بلکہ اس کے بعد بھی صدیوں تک یہ متواتر عمل جاری رہا ہے کہ جس مجمع میں سربراہ حکومت موجود ہو، وہاں نماز کی امامت وہی کرتا ہے۔ چنانچہ تمام مکاتب فکر کے فقہاء اس پر متفق ہیں کہ نماز کی امامت کا سب سے پہلا حق مسلمانوں کے سربراہ حکومت کو پہنچتا ہے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات کی وجہ سے مسجد میں آنے سے معذور ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے مقرر فرمایا، اور اسی سے

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہی سمجھا کہ ان کو "امامتِ صغریٰ" سپرد کرنے سے اشارہ اس طرف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "امامتِ کبریٰ" یعنی حکومت کی سربراہی کے لئے بھی سب سے زیادہ اہل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

ما غضبنا الا لانا قد اخرنا عن المشاورۃ وانا نری ابا بکر احق الناس بها بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وانه لصاحب الغار وثاني اثنين، وانا لنعلم بشرفه وكبره، ولقد امره رسول الله صلى الله عليه وسلم بالصلوة بالناس وهو حي (مستدرک الحاکم ص ۶۶ ج ۳ وقال صحیح علی شرط الشیخین، واقرہ الذہبی)

"ہماری ناگواری کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہمیں مشورے میں شریک نہیں کیا گیا، ورنہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سربراہی کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتے ہیں، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی ہیں، دو میں سے دوسرے ہیں، ہم ان کے شرف اور عظمت سے واقف ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں ان کو نماز کی امامت کا حکم دیا تھا"

(ج) سربراہِ حکومت کے لئے امامتِ نماز کا استحقاق شریعت میں اس درجہ اہمیت رکھتا ہے کہ نمازِ جنازہ کی امامت میں سربراہِ حکومت کو مرنے والے کے ورثاء پر بھی فوقیت دی گئی ہے، اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اگر نمازِ جنازہ میں سربراہِ حکومت موجود ہو تو نماز کی امامت کا پہلا حق اس کا ہے، اس کے بعد ورثاء کا۔

ان تمام احکام سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام میں حکومت کی سربراہی کے ساتھ نماز کی امامت کا اتنا گہرا تعلق ہے کہ اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا جو کسی بھی حالت میں امامتِ نماز کا اہل نہ ہو۔ اور عورت خواہ تقویٰ اور طہارت کے کتنے بلند مقام پر فائز ہو، چونکہ نماز میں مردوں کی امامت نہیں کر سکتی، اس لئے اس کو امامتِ کبریٰ یا حکومت کی سربراہی کی ذمہ داری بھی نہیں سونپی جا سکتی۔

(۴) اسلام کے تمام احکام میں یہ بات قدرِ مشترک کے طور پر واضح طور سے نظر آتی ہے کہ عورت کو ایک ایسی "متاعِ پوشیدہ" قرار دیا گیا ہے جس کا بلا ضرورت بھی عام

میں آنا کسی بھی حالت میں پسند نہیں کیا گیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشیطان (جامع الترمذی ابواب الرضاع ۳ حدیث نمبر ۱۱۸۳)

"عورت پوشیدہ چیز ہے، چنانچہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے۔"

اسی لیے عورت کو پردے کا حکم دیا گیا ہے، اور عام مسلمانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ:

واذا سألتموهن متاعًا فاسئلوهن من وراء حجاب (سورۃ الاحزاب)

"اور جب تم ان سے کوئی چیز طلب کرو تو پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔"

اسلام کے وہ بہت سے احکام و شعائر جن کی بجا آوری گھر سے باہر نکلنے پر موقوف ہے، ان سے خواتین کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً جمعہ کی نماز کتنی فضیلت کی چیز ہے، اور مردوں کو اس میں شامل ہونے کی کس قدر تاکید قرآن و حدیث میں آئی ہے لیکن ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمادیا کہ:

الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض (سنن ابو داؤد باب الجمعۃ للمملوک والمرأۃ حدیث نمبر ۱۰۶۷)

"جمعہ ایک ایسا فریضہ ہے جس کو جماعت کے ساتھ انجام دینا ہر مسلمان پر واجب ہے، سوائے چار آدمیوں کے، ایک غلام جو کسی کے زیر ملکیت ہو، دوسرے عورت، تیسرے بچہ، چوتھے بیمار۔"

اس حدیث میں جمعہ جیسے اسلامی شعار سے عورت کو مستثنیٰ قرار دیدیا گیا ہے۔

اسی طرح عام حالات میں ہر مسلمان کا یہ حق بتایا گیا ہے کہ اس کے انتقال کے موقع پر دوسرے مسلمان اس کے جنازے کے ساتھ قبرستان تک جائیں۔ لیکن خواتین کو اس حکم سے بھی مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

نهینا عن اتباع الجنائز (صحیح بخاری ص ۱۷۰ ج ۱ باب اتباع النساء الجنازۃ)

"انہیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا۔"

اسی طرح عورت کو تنہا سفر کرنے سے منع کیا گیا، اور تاکید کی گئی کہ وہ کسی محرم کے بغیر سفر نہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یحل لامرأة تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تسافر سفرا یکون ثلاثة ایام فصاعدا الا ومعها ابوها او اخوها او زوجها او ابنها او ذو محرم منها (جامع الترمذی کتاب النکاح باب کراهية ان تسافر المرأة وحدها، حدیث نمبر ۱۱۶۹)

"جو عورت اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ تین دن (کی مسافت کا) یا اس سے زائد کا کوئی سفر کرے، الّا یہ کہ اس کا باپ یا بھائی یا شوہر یا بیٹا یا کوئی اور محرم اس کے ساتھ ہو۔"

یہاں تک کہ حج جیسا مقدس فریضہ جو اسلام کے چار ارکان میں سے ایک ہے، اس کی ادائیگی کے لئے بھی محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے، اور عورت کا تنہا سفر حج پر جانا کسی کے نزدیک جائز نہیں، ایسی صورت میں اس پر سے حج کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے مرتے وقت تک ایسا محرم نہ ملے تو حج نہ کرے، البتہ حج بدل کی وصیت کر جائے۔

جہاد اسلام کے ارکان میں سے کتنا اہم رکن ہے؟ اور اس کے فضائل سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں، لیکن چونکہ یہ گھر سے باہر کا کام ہے، اس لئے جہاد کا فریضہ بھی خواتین سے ساقط کر دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بعض احادیث میں مروی ہے:

لیس علی النساء غزو ولا جمعة ولا تشییع جنازة (مجمع الزوائد ص ۲، ج ۲ بحوالہ طبرانی وفیہ جبارة بن مغلس وفی الفتح الکبیر للنبہانی ص ۶۱ ج ۳)

"عورتوں پر نہ جہاد فرض ہے، نہ جمعہ، نہ جنازہ کے پیچھے جانا۔"

یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جہاد کے شوق کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال فرمایا کہ:

یغزو الرجال ولا تغزو النساء؟

"مرد جہاد کرتے ہیں عورتیں جہاد نہیں کرتیں؟"

اس پر قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ (جامع الترمذی کتاب التفسیر سورۃ النساء حدیث نمبر ۱۰۱۵ ومسند احمد ج ۶ ص ۳۲۲)

"اور ان چیزوں کی تمنا نہ کرو جن میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔"

یہ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض خواتین جہاد میں زخمیوں کی مرہم پٹی وغیرہ کے لئے ساتھ گئی ہیں، لیکن تنہا یہ ہے کہ اول تو ان پر جہاد باقاعدہ فرض نہیں کیا گیا، دوسرے ان کو باقاعدہ لڑائی میں شامل نہیں کیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

وقد كان يغزو بهن فيداوين الجرحى ويحذين من الغنيمة وأما بسهم فلم يضرب لهن (صحيح مسلم كتاب الجهاد باب النساء الغازيات حديث نمبر ۴۶۸۴)

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو جہاد میں لے جاتے، اور وہ زخمیوں کا علاج کرتیں، اور انہیں مال غنیمت میں سے کچھ بطور انعام دیا جاتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مال غنیمت کا باقاعدہ حصہ نہیں رکھا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں اگرچہ خواتین کو رات کے وقت مسجد نبوی میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی، لیکن اس اجازت کے ساتھ ہی یہ فرمادیا تھا کہ :

وبيوتهن خير لهن (سنن ابوداؤد كتاب الصلاة باب خروج النساء الى المساجد حديث نمبر ۵۶۷، ۵۶۸)

"اور ان کے گھر ان کے لئے بہتر ہیں۔"

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عورتوں کے لئے گھر میں تنہا نماز پڑھنا مسجد میں نماز پڑھنے سے زیادہ افضل ہے، جبکہ مردوں کے لئے سخت عذر کے بغیر مسجد کی جماعت ترک کرنا جائز نہیں، بلکہ عورتوں کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ :

صلاۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا، وصلاتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا (سنن ابوداؤد، حدیث نمبر ۵۷۰)

"عورت کا کمرے میں نماز پڑھنا برآمدے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے، اور اندرونی کمرے میں نماز پڑھنا بیرونی کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔"

ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ:

(الف) عورت پر جمعہ واجب نہیں۔

(ب) عورت کے لئے بغیر محرم کے سفر جائز نہیں۔

(ج) عورت پر تنہا ہونے کی صورت میں حج کی ادائیگی فرض نہیں، مرتے دم تک محرم نہ ملے تو حج بدل کی وصیت کرے۔

(د) عورت پر جہاد فرض نہیں۔

(ہ) عورت کے ذمے جماعت سے نماز پڑھنا واجب نہیں۔

(و) عورت کا گھر میں تنہا نماز پڑھنا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

اب غور کرنے کی بات ہے کہ جس دین نے عورت کے تقدس اور اس کی حرمت کی حفاظت کے لئے جگہ جگہ اتنا اہتمام کیا ہے کہ اس کے لئے دین کے اہم ترین ارکان اور شعائر کو بھی اس کے حق میں ساقط کر دیا ہے، اس کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ملک و قوم کی اہم ترین ذمہ داری عورت کو سونپ کر اسے نہ صرف پورے ملک بلکہ پوری دنیا کے سامنے لا کھڑا کرے گا، اور اسے وہ تمام کام اجتماعی طور پر سونپ دے گا جن کی ذمہ داری اس پر انفرادی طور سے بھی نہیں عائد ہوتی۔

(۹) نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر خلافت راشدہ بلکہ خلافت راشدہ کے بعد بھی صدیوں تک خلیفہ اور سربراہ حکومت کا انتخاب امت کا اہم ترین سیاسی مسئلہ بنا رہا، ایک خلیفہ کے بعد دوسرے خلیفہ کے انتخاب کے وقت ہر موقع پر بہت سی تجویزیں سامنے آئیں۔ اس دور میں بیشمار ایسی خواتین موجود تھیں جو اپنے علم و فضل، تقدس و تقویٰ اور عقل و خرد کے لحاظ سے ممتاز مقام کی حامل تھیں،

لیکن نہ صرف یہ کہ کبھی کسی خاتون کو سربراہ حکومت نہیں بنایا گیا، بلکہ کوئی ادنیٰ درجے کی تجویز بھی کبھی سامنے نہیں آئی کہ فلاں خاتون کو سربراہ مقرر کردیا جائے، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس سلسلے میں قرآن وسنت کے احکام اس درجہ واضح تھے کہ کبھی کسی مسلمان کے دل میں عورت کو سربراہ بنانے کا کوئی خیال تک نہیں آیا، اور آ بھی کیسے سکتا تھا جبکہ اسلام میں کسی ایسے سربراہ کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا جو:

- کسی بھی حالت میں کبھی نماز کی امامت نہ کرسکے۔
- جس کا جماعت سے نماز پڑھنا پسندیدہ نہ ہو۔
- جو اگر کبھی جماعت میں شامل ہو تو اسے تمام مردوں کے پیچھے کھڑا ہونا پڑے۔
- جس پر ہر مہینے چند روز ایسے گزرتے ہوں جب اس کے لئے مسجد میں داخل ہونا بھی جائز نہیں۔
- جس پر جمعہ فرض نہ ہو۔
- جس کے لئے کسی جنازے کے ساتھ جانا جائز نہ ہو۔
- جو بغیر محرم کے سفر نہ کرسکے۔
- جو تنہا حج نہ کرسکے۔
- جس پر جہاد فرض نہ ہو۔
- جس کی گواہی آدھی گواہی سمجھی جائے۔
- جس کے لئے بلا ضرورت گھر سے نکلنا جائز نہ ہو۔
- جس کا نان ونفقہ شادی سے پہلے باپ پر اور شادی کے بعد شوہر پر واجب ہو۔
- اور حد یہ ہے کہ جسے اپنے گھر میں بھی سربراہی کا منصب حاصل نہ ہو۔

قرآن کریم کی رو سے تو یہ واضح ہے ہی، لیکن آزادیٔ نسواں کا ڈھنڈورا پیٹنے والے اس دور میں بھی کوئی ایسا معاشرہ روئے زمین پر ہمارے علم میں نہیں ہے جہاں شوہر کے ہوتے ہوئے عورت کو "سربراہ خاندان" قرار دیا گیا ہو۔

اجماعِ امت:

قرآن وسنت کے مذکورہ بالا دلائل کی وجہ سے اب تک چودہ صدیوں کے عرصہ میں

اُمّتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اسلام میں سربراہِ حکومت کی ذمہ داری کسی عورت کو نہیں سونپی جا سکتی۔ اور اجماعِ اُمّت شریعت کی ایک مستقل دلیل ہے۔

اجماع کے ثبوت کے لئے اس تحریر کے شروع میں ہم علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کا اقتباس پیش کر چکے ہیں، انہوں نے جو کتاب صرف اجماعی مسائل کی تحقیق کے لئے لکھی ہے، اس میں فرمایا ہے کہ:

واتفقوا على ان الامامة لا تجوز لامرأة

"تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ حکومت کی سربراہی کسی عورت کے لئے جائز نہیں ہے"

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے باخبر عالم نے "نقد مراتب الاجماع" کے نام سے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ کی مذکورہ کتاب پر ایک تنقید لکھی ہے، اور بعض ان مسائل کا ذکر فرمایا ہے جنہیں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اجماعی قرار دیا ہے، لیکن علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کے مطابق وہ اجماعی نہیں ہیں، بلکہ ان میں کسی نہ کسی کا اختلاف موجود ہے۔ اس کتاب میں بھی انہوں نے عورت کی سربراہی کے مسئلے میں علامہ ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں کیا (نقد مراتب الاجماع لابن تیمیہ صفحہ ۱۲۶)

ان حضرات کے علاوہ جن علماء و فقہاء اور اسلامی سیاست کے ماہرین نے اسلام کے سیاسی نظام پر کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اس مسئلے کو ایک متفقہ مسئلے کے طور پر ذکر کیا ہے۔

علامہ ماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اسلامی سیاست کا اہم ترین ماخذ سمجھی جاتی ہے اس میں انہوں نے حکومت کی سربراہی تو کجا، عورت کو وزارت کی ذمہ داری سونپنا بھی ناجائز قرار دیا ہے، بلکہ انہوں نے وزارت کی دو قسمیں کی ہیں، ایک وزارتِ تفویض جس میں پالیسی کا تعین بھی وزیر کا کام ہوتا ہے، اور دوسری وزارتِ تنفیذ جو پالیسی کا تعین نہیں کرتی، بلکہ طے شدہ پالیسی کو نافذ کرتی ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ وزارتِ تنفیذ میں اہلیت کی شرائط وزارتِ تفویض کے مقابلے میں کم ہیں، اس کے باوجود وہ عورت کو وزارتِ تنفیذ کی ذمہ داری سونپنا بھی جائز قرار نہیں دیتے، وہ لکھتے ہیں:

واما وزارة التنفيذ فحكمها اضعف وشروطها اقل ...... ولا

رفع النقاب ———— ۳۰ -

یجوز ان تقوم بذلک امرأۃ وان کان خبرھا مقبولا لما تضمنہ معنی الولایات المصروفۃ عن النساء لقول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما افلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ ولان فیھا من طلب الرأی وثبات العزم ما تضعف عنہ النساء ومن الظھور فی مباشرۃ الامور ما ھو علیھن محظور (الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۲۷ باب ۲ والاحکام السلطانیۃ لابی یعلی ص ۳۱)

"جہاں تک وزارت تنفیذ کا تعلق ہے، وہ نسبتاً کمزور ہے، اور اسکی شرائط کم ہیں۔۔۔ لیکن یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت اس کی ذمہ دار ہو اگرچہ عورت کی خبر مقبول ہے، کیونکہ یہ وزارت ایسی ولایتوں پر مشتمل ہے جن کو شریعت نے عورتوں سے الگ رکھا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کرے وہ فلاح نہیں پائے گی" نیز اس لئے بھی کہ وزارت کے لئے جو اصابت رائے اور اولوالعزمی درکار ہے، عورتوں میں اس کے لحاظ سے ضعف پایا جاتا ہے، نیز اس وزارت کے فرائض انجام دینے کے لئے جیسے انداز سے لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا پڑتا ہے وہ عورتوں کے لئے شرعاً ممنوع ہے"

اسلام کے سیاسی نظام پر دوسرا اہم ماخذ امام ابو یعلی حنبلی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، انھوں نے بھی اپنی کتاب میں تقریباً یہی عبارت تحریر فرمائی ہے۔

امام الحرمین علامہ جوینی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے سیاسی نظام پر بڑے معرکے کی کتابیں لکھی ہیں، وہ نظام الملک طوسی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے نیک نام حاکم کے زمانے میں تھے، اور انہی کی درخواست پر انھوں نے اسلام کے سیاسی احکام پر اپنی مجتہدانہ کتاب "غیاث الامم" تحریر فرمائی ہے، اس میں وہ سربراہ حکومت کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن الصفات اللازمۃ المعتبرۃ الذکورۃ والحریۃ ونحیزۃ العقل والبلوغ ولاحاجۃ الی الاطناب فی نصب الدلالات علی اثبات ھذہ الصفات (غیاث الامم للجوینی ص ۸۲ مطبوعہ قطر)

"اور جو لازمی صفات سربراہ کے لئے شرعاً معتبر ہیں، ان میں سے ایک اس کا مذکر ہونا، آزاد ہونا اور عاقل و بالغ ہونا بھی ہے، اور ان شرائط کو ثابت کرنے کے لئے تفصیلی دلائل پیش کر کے طول دینے کی ضرورت نہیں۔"

یہی امام الحرمین رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی ایک دوسری کتاب "الارشاد" میں تحریر فرماتے ہیں:

واجمعوا ان المرأة لا یجوز ان تکون اماما وان اختلفوا فی جواز کونہا قاضیۃ فیما یجوز شہادتہا فیہ (الارشاد فی اصول الاعتقاد لامام الحرمین الجوینی ص۴۲۷ طبع مصر)

"اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عورت کے لئے سربراہ حکومت بننا جائز نہیں، اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ جن امور میں اس کی گواہی جائز ہے ان میں وہ قاضی بن سکتی ہے یا نہیں۔"

علامہ قلقشندی رحمہ اللہ تعالیٰ، ادب و انشاء اور تاریخ و سیاست کے امام سمجھے جاتے ہیں، انہوں نے اسلام کے اصول سیاست پر جو کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے سربراہ حکومت کی چودہ صفات اہلیت بیان کی ہیں۔ ان شرائط کے آغاز ہی میں وہ فرماتے ہیں:

الاولیٰ: الذکورۃ ..... والمعنی فی ذلک ان الامام لا یستغنی عن الاختلاط بالرجال والمشاورۃ معہم فی الامور والمرأۃ ممنوعۃ من ذلک ولان المرأۃ ناقصۃ فی امر نفسہا حتی لا تملک النکاح فلا تجعل الیہا الولایۃ علی غیرہا۔

"پہلی شرط مذکر ہونا ہے۔ اور اس حکم کی حکمت یہ ہے کہ سربراہ حکومت کو مردوں کے ساتھ اختلاط اور ان کے ساتھ مشوروں وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور عورت کے لئے یہ باتیں ممنوع ہیں، اس کے علاوہ عورت اپنی ذات کی ولایت میں بھی کمزور ہے، یہاں تک کہ وہ نکاح کی مالک نہیں بن سکتی، لہٰذا اس کو دوسروں پر بھی ولایت نہیں دی جا سکتی۔"

امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ پانچویں صدی ہجری کے مشہور مفسر، محدث اور فقیہ ہیں،

وہ تحریر فرماتے ہیں:

اتفقوا علی ان المرأۃ لا تصلح ان تکون اماما۔۔۔ لان الامام یحتاج الی الخروج لاقامۃ امر الجہاد والقیام بامور المسلمین۔۔۔ والمرأۃ عورۃ لا تصلح للبروز (شرح السنۃ للبغوی ص ۷۷ ج ۱۰ باب کراھیۃ تولیۃ النساء طبع بیروت سنہ ۱۴۰۳ھ)

"اس بات پر اُمّت کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہِ حکومت نہیں بن سکتی۔۔۔ کیونکہ امام کو جہاد کے معاملات انجام دینے اور مسلمانوں کے امور نمٹانے کے لئے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے، اور عورت پوشیدہ رہنی چاہئے اس کا کھلے عام میں ظاہر ہونا درست نہیں"

قاضی ابوبکر ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۴۴۵ ج ۳ سورۃ النمل)

"اور یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں"

علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی تفسیر میں ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ اقتباس نقل کرکے اس کی تائید کی ہے اور بتایا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ (تفسیر القرطبی ص ۱۸۳ ج ۱۳ سورۃ النمل)

اور امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

الرابع الذکوریۃ فلا تنعقد الامامۃ لامرأۃ وان اتصفت بجمیع خلال الکمال وصفات الاستقلال (فضائح الباطنیۃ للغزالی ص ۱۸۰ ماخوذ از عبد اللہ الدمیجی، الامامۃ العظمی ص ۲۳۵)

"سربراہی کی چوتھی شرط مذکر ہونا ہے، لہٰذا کسی عورت کی امامت منعقد نہیں ہوتی، خواہ وہ تمام اوصافِ کمال سے متصف ہو، اور اس میں استقلال کی تمام صفات پائی جاتی ہوں"

عقائد و کلام کی تقریباً تمام کتابیں امامت و سیاست کے احکام سے بحث کرتی ہیں، اور سب نے مذکر ہونے کی شرط کو ایک اجماعی شرط کے طور پر ذکر کیا ہے، علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

یشترط فی الامام ان یکون مکلفا حرا ذکرا عدلا۔ (شرح المقاصد ص ۲۷۰ ج ۲)

"سربراہ حکومت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ عاقل بالغ ہو، آزاد ہو، مذکر ہو اور عادل ہو۔"

فقہاء و محدثین اور اسلامی سیاست کے علماء کے یہ چند اقتباسات محض مثال کے طور پر پیش کر دیئے گئے ہیں، ورنہ جس کتاب میں بھی اسلام میں سربراہی کی شرائط بیان کی گئی ہیں، وہاں مذکر ہونے کو ایک اہم شرط کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اگر کسی نے یہ شرط ذکر نہیں کی تو اس بناء پر کہ یہ عاقل و بالغ ہونے کی شرط کی طرح اتنی مشہور و معروف شرط تھی کہ اسے باقاعدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، ورنہ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

عہد حاضر کے بعض محققین جنہوں نے اسلامی سیاست کے موضوع پر کتابیں لکھی ہیں وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عورت کے سربراہ بننے کے عدم جواز پر امت کا اجماع ہے چند اقتباسات ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد منیر عجلانی لکھتے ہیں:

لا نعرف بین المسلمین من اجاز خلافۃ المرأۃ فالاجماع فی ھذہ القضیۃ تام لم یشذ عنہ احد (عبقریۃ الاسلام فی اصول الحکم ص ۷۰ مطبوعہ دار النفائس بیروت [illegible])

"ہمیں مسلمانوں میں کوئی ایسا عالم معلوم نہیں ہے جس نے عورت کی خلافت کو جائز کہا ہو، لہٰذا اس مسئلے میں مکمل اجماع ہے جس کے خلاف کوئی شاذ قول بھی موجود نہیں۔"

ڈاکٹر محمد ضیاء الدین الریس نے اسلام کے سیاسی احکام پر بڑی تحقیق کے ساتھ مبسوط کتاب لکھی ہے، اس میں وہ لکھتے ہیں:

اذا کان قد وقع بینهم خلاف فیما یتعلق بالقضاء فلم یرو عنهم خلاف فیما یتعلق بالامامة، بل الکل متفق علی انه لا یجوزان یلیها امرأة (النظریات السیاسیة الاسلامیة ص۲۹۲ مطبوعہ دار التراث القاهرة سنہ ۱۹۷۶ء)

"اگرچہ فقہاء کے درمیان قضاء کے بارے میں تو اختلاف ہوا ہے (کہ عورت قاضی بن سکتی ہے یا نہیں) لیکن حکومت کی سربراہی کے بارے میں کوئی اختلاف مروی نہیں، بلکہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی عورت کا سربراہی کے منصب پر فائز ہونا جائز نہیں۔"

ڈاکٹر ابراہیم یوسف مصطفیٰ عجو لکھتے ہیں:

مما اجمعت علیہ الامة علی ان المرأة لا یجوز لها ان تلی رئاسة الدولة (تعلیق تهذیب الرئاسة وترتیب السیاسة للقلعی ص۲۰۲)

"اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ عورت کے لئے ریاست کی سربراہی سنبھالنا جائز نہیں۔"

عبداللہ بن عمر بن سلیمان الدمیجی لکھتے ہیں:

من شروط الامام ان یکون ذکرا ولا خلاف فی ذلک بین العلماء (الامامة العظمی عند اهل السنة ص۲۳۳)

"سربراہ حکومت کی شرائط میں یہ بات داخل ہے کہ وہ مذکر ہو اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔"

عہد حاضر کے مشہور مفسر قرآن علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

من شروط الامام الاعظم کونہ ذکرا ولا خلاف فی ذلک بین العلماء (اضواء البیان فی تفسیر القرآن بالقرآن ص۶۵ ج۱)

"امام اعظم (سربراہ حکومت) کی شرائط میں اس کا مذکر ہونا بھی داخل ہے اور اس میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

اگر اس موضوع پر تاریخ اسلام کے ائمہ مفسرین، فقہاء، محدثین، متکلمین اور اہل فکر و دانش کی تمام عبارتیں جمع کی جائیں تو یقیناً ان سے ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

لیکن یہ چند شواہد یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ اس مسئلے پر علماء اسلام کے درمیان اب تک چودہ صدیوں میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

حافظ ابن جریر طبری کا مسلک :

ہمارے زمانے میں بعض لوگوں نے مشہور مفسر قرآن حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط طور سے یہ بات منسوب کی ہے کہ وہ عورت کی سربراہی کے جواز کے قائل تھے، لیکن کوئی بھی شخص امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ایک اقتباس پیش نہیں کرتا۔ ان کی تصنیف میں سے تفسیر جامع البیان تیس جلدوں میں چھپی ہوئی موجود ہے، اس میں سے کہیں کوئی ایک فقرہ بھی کوئی اب تک نہیں دکھا سکا جس سے ان کا یہ موقف معلوم ہوتا ہو، خود ہم نے بھی ان کی تفسیر کے متعدد مقامات پر دیکھا، لیکن اس میں کہیں کوئی ایسی بات نہیں ملی۔

اس کے علاوہ ان کی ایک کتاب "تہذیب الآثار" کی بھی کچھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، اس میں بھی کوئی ایسی بات نہیں مل سکی۔

واقعہ یہ ہے کہ بعض علماء نے ان کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ وہ عورت کو قاضی بنانے کے جواز کے قائل ہیں، بعض لوگوں نے اس بات کو غلط طور پر سربراہی کے جواز کے عنوان سے نقل کر دیا ہے، چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں :

وهذا نص في ان المرأة لا تكون خليفة ولا خلاف فيه ونقل عن محمد بن جرير الطبري امام الدين انه يجوز ان تكون المرأة قاضية ولم يصح ذلك عنه ولعله كما نقل عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى انها انما تقضي فيما تشهد فيه وليس بأن تكون قاضية على الاطلاق ولا بأن يكتب لها منشور بان فلانة مقدمة على الحكم الا في الدماء والنكاح وانما ذلك كسبيل التحكيم او الاستبانة في القضية الواحدة (احكام القرآن لابن العربي ص ۱۴۴۵ ج ۳)

"اور یہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس بات پر نص ہے

کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی، اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے۔ لیکن اس مذہب کی نسبت ان کی طرف صحیح نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب ایسا ہی ہوگا جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ عورت ان معاملات میں فیصلہ کر سکتی ہے جن میں وہ شہادت دے سکتی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علی الاطلاق قاضی بن جائے۔ اور نہ یہ مطلب ہے کہ اس کو قاضی کے منصب پر مقرر کرنے کا پروانہ دیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ فلاں عورت کو قصاص اور نکاح کے معاملات کے سوا دوسرے امور میں قاضی بنایا جاتا ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کسی مسئلے میں ثالث بنا لیا جائے، یا کوئی ایک مقدمہ جزوی طور پر اس کے سپرد کر دیا جائے۔"

امام ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس وضاحت سے مندرجہ ذیل امور سامنے آتے ہیں :

(۱) سربراہی کا مسئلہ علیحدہ ہے، اور قاضی بننے کا مسئلہ علیحدہ۔

(۲) سربراہی کے مسئلے میں امام ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ سمیت تمام علماء کا اتفاق ہے کہ عورت سربراہ نہیں بن سکتی۔

(۳) امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ سے قاضی بننے کا جواز منقول ہے، لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت بھی درست نہیں۔

(۴) امام ابو حنیفہ یا ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ سے عورت کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا جو جواز منقول ہے، وہ اس کو باقاعدہ قاضی بنانے سے متعلق نہیں ہے بلکہ جزوی طور سے بطور ثالث کوئی انفرادی قضیہ نمٹانے سے متعلق ہے۔

بہرکیف! اگر فقہاء کے درمیان کوئی تھوڑا بہت اختلاف ہے تو وہ عورت کے قاضی بننے کے بارے میں ہے، سربراہ حکومت بننے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، چنانچہ امام الحرمین جوینی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

وان کون (۱) لامام من فی اعتبارها ومن جوز من العلماء تولی امرأة

للقضاء فیما یجوز ان تکون شاهدة فیه، وان استصلاحها للمرأة للامامة واتى القضاء فلا یثبت تخصیصا والامامة یستحیل فی وضع الشرع ثبوتها علی الاختصاص (غیاث الامم للجوینی ص ۸۲ و ۸۳)

"سربراہی کے لئے مذکر ہونے کی شرط میں کوئی شک نہیں ہے، اور بعض علماء نے ان معاملات میں عورت کے قاضی بننے کو جائز کہا ہے جن میں عورت گواہ بن سکتی ہے وہ بھی سربراہی کے لئے عورت کی تقرری کو ناممکن قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ قضاء کے بارے میں تو یہ ممکن ہے کہ اس کی حدود اختیار کو کچھ معاملات کے ساتھ خاص کر دیا جائے لیکن حکومت کی سربراہی کو شرعی اصول کے مطابق کچھ محدود معاملات کے ساتھ خاص کرنا ممکن نہیں۔"

ملکۂ بلقیس کا واقعہ:

ہمارے دور میں بعض لوگ عورت کی سربراہی کا جواز ملکۂ بلقیس کے قصے سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جو قرآن کریم نے سورۂ نمل میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعے سے عورت کے سربراہِ حکومت بننے کا جواز کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ قرآن کریم نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ملکہ ان غیر مسلموں کی سربراہ تھی جو سورج کی پرستش کیا کرتے تھے۔ ہدہد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بارے میں جو خبر دی وہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق یہ تھی:

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا یَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ،

"میں نے اس کو اور اس کی قوم کو پایا ہے کہ وہ اللہ کے بجائے سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔"

اس سے واضح ہے کہ وہ ایک سورج پرست قوم کی ملکہ تھی اور خود بھی سورج کی پرستش کرتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اگر ایک کافر قوم نے کسی عورت کو اپنا سربراہ بنایا ہوا ہو تو وہ قرآن و سنت کے واضح ارشادات کے مقابلے میں مسلمانوں کے لئے

کیسے دلیل بن سکتی ہے؟ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کو ملکہ تسلیم کر کے اپنی حکومت اس کے حوالے کر دی ہوتی تب تو یہ بات ثابت ہوتی کہ کم از کم حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عورت سربراہ بن سکتی تھی، لیکن قرآن کریم نے واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ اس کے نام جو خط بھیجا وہ قرآن کریم کے مبارک الفاظ میں یہ تھا:

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۔

"تم میرے مقابلے میں سر نہ اٹھاؤ، اور میرے پاس فرمانبردار بن کر آجاؤ۔"

یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو نہ صرف یہ کہ تسلیم نہیں فرمایا، بلکہ اُس کو اپنے زیر نگیں آنے کا حکم دیا، اور پھر اسی پر بس نہیں، آپ نے اس کا بھیجا ہوا تحفہ بھی قبول نہیں کیا، بلکہ اسے واپس کرا دیا، حالانکہ دو سربراہوں کے درمیان تحائف کا تبادلہ ایک معمول کی بات ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کا تخت بھی اٹھوا کر منگوا لیا، اور اس کی ہیئت بھی بدل ڈالی۔ یہاں تک کہ جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں آئیں تو قرآن کریم کے بیان کے مطابق انھوں نے کہا کہ:

رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (سورۃ النمل: ۴۴)

"پروردگار! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے آگے جھک گئی۔"

بس یہ ہے وہ واقعہ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ اور بلقیس کے اسی جملے پر قصے کا اختتام ہو گیا ہے، جو بھی شخص اس واقعے کو قرآن کریم میں دیکھے گا وہ اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا، اس کو اپنا فرمانبردار بن کر حاضر ہونے کا حکم دیا، اور بالآخر اس کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا، اور خود ملکہ بلقیس نے بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنے کے بعد اپنی فرمانبرداری کا اعلان کر دیا۔

اس واقعے میں کہیں دُور دُور کوئی ایسا شائبہ بھی نہیں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی حکومت کو جائز قرار دیا تھا، یا اسے تسلیم فرمایا تھا۔

بعض لوگ کچھ اسرائیلی روایات پیش کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کرکے انھیں واپس یمن بھیج دیا تھا لیکن یہ قطعی طور پر غیر مستند روایت ہے، کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے۔ اس معاملے میں تاریخی روایتیں بہت متضاد ہیں، بعض میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے نکاح کرکے انھیں اپنے پاس رکھا، بعض میں ہے کہ انھیں شام بھیج دیا، بعض میں ہے کہ یمن لوٹا دیا، بعض میں ہے کہ ان کا نکاح ہمدان کے بادشاہ سے کردیا۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ تمام غیر مستند روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

لم یرد فیہ خبر صحیح لافی انہ تزوجھا ولا فی انہ زوجھا
(تفسیر قرطبی ص ۲۱۰ و ۲۱۱ ج ۱۳)

"اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے، نہ اس بارے میں کہ انھوں نے بلقیس سے نکاح کیا، اور نہ اس بارے میں کہ کسی اور سے اسکا نکاح کرایا۔"

جب ملکۂ بلقیس کے اسلام کے بعد کے واقعات کسی بھی صحیح تاریخی روایت سے ثابت نہیں ہیں تو صاف اور سیدھا راستہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ قرآن کریم نے جتنا واقعہ بیان فرمایا ہے صرف اتنے واقعے پر ہی ایمان رکھا جائے، اور ظاہر ہے کہ اس واقعے میں ملکۂ بلقیس کی سلطنت کے برقرار رکھنے کا نہیں بلکہ فرمانبردار ہوجانے کا ذکر ہے، اسے اسلام کے بعد سربراہ بنانے کا ذکر نہیں ہے، لہٰذا اس واقعے سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا کوئی ادنیٰ جواز موجود نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور جنگ جمل :

بعض لوگ عورت کی سربراہی پر جنگ جمل کے واقعے سے استدلال کرکے کہتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس جنگ کی قیادت کی تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کبھی خلافت یا حکومت کی سربراہی کا دعویٰ نہیں کیا، نہ ان کے ساتھیوں میں سے کسی کے حاشیۂ خیال میں یہ بات تھی کہ

ان کو خلیفہ بنایا جائے، ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینا قرآن کریم کے احکام کے مطابق ضروری ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت تمام ازواج مطہرات حج کے لئے مکہ مکرمہ آئی ہوئی تھیں، حضرت عائشہ اور دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے شروع میں یہ چاہا کہ وہ واپس مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قصاص لینے پر آمادہ کریں۔ لیکن بہت سے لوگوں نے یہ رائے دی کہ پہلے بصرہ جاکر وہاں کے لوگوں کی حمایت حاصل کی جائے۔ دوسری تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے تو بصرہ جانے سے انکار کردیا، اور فرمایا کہ ہم مدینہ منورہ کے سوا کہیں اور نہیں جائیں گے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان حضرات کی رائے سے متأثر ہوگئیں اور بصرہ روانہ ہوگئیں (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۰ ج ۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد جنگ کرنا بھی نہیں تھا، بلکہ جب آپ بصرہ جارہی تھیں تو راستے میں ایک جگہ پڑاؤ ڈالا گیا، رات کے وقت وہاں کتے بھونکنے لگے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کونسی جگہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ مقام "حوأب" ہے، "حوأب" کا نام سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چونک اٹھیں، انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد یاد آگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے ایک دن فرمایا تھا:

كيف باحداكن تنبح عليها كلاب الحوأب (مسند احمد ج ۶ ص ۵۲ و ۹۷، ومستدرک حاکم ص ۱۲۰ ج ۳، وصححه الحاکم ووافقه الذهبی، وقال الحافظ فی الفتح ۱۳ : ۴۵ سنده علی شرط الصحیح، وصححه ابن کثیر فی البدایۃ ص ۲۱۲ ج ۶)

"تم میں سے ایک کا اس وقت کیا حال ہوگا جب اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حوأب کا نام سن کر آگے بڑھنے سے انکار کردیا، اور اپنے ساتھیوں سے اصرار کیا کہ مجھے واپس لوٹا دو اور ایک دن ایک رات وہیں ٹھہری رہیں، لیکن بعض حضرات نے کہا کہ آپ چلی چلیں، آپ کی وجہ سے مسلمانوں

کے دو گروہوں میں صلح ہو جائے گی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ کسی نے آپ کے سامنے تردید بھی کی کہ یہ جگہ حواب نہیں ہے (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۱ ج ۷)

اس طرح جو مقصد میں تھا وہ پیش آیا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سفر دوبارہ شروع فرمادیا، بصرہ پہنچ کر بھی جب آپؓ سے آنے کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

ای بنی! الاصلاح بین الناس

"بیٹے! میں لوگوں کے درمیان صلح کرانے آئی ہوں۔"

ان تمام باتوں سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد نہ کوئی سیاست تھی نہ حکومت، نہ وہ جنگ کرنا چاہتی تھیں، بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے جائز مطالبے کی تقویت اور اس سلسلے میں مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے خالص دینی مقاصد آپ کے پیش نظر تھے۔

اس کے باوجود چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواتین کے مسلّمہ دائرۂ کار سے قدرے باہر نکل کر اجتماعی معاملات میں دخل دیا تھا، اس لئے صحابہ کرام اور خود دوسری امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو آپ کا یہ اقدام پسند نہ آیا اور متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کو خطوط لکھے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس موقع پر آپ کو ایک بڑا اثر انگیز خط لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

من ام سلمة زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی عائشة ام المؤمنین
فانی احمد الیك اللہ الذی لا الٰه الا هو، اما بعد، انك سُدّة
بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامته وحجابك مضروب علی
حرمته قد جمع القرآن ذیلك فلا تندحیه وسکّن خفارتك فلا
تبتذلیها فاللہ من وراء هذه الامة، ولو علم رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم ان النساء یحتملن الجهاد عهد الیك، اما علمت
انه قد نهاك عن الفرطة فی البلاد فان عمود الدین لا یثبت
بالنساء ان مال، ولا یرأب بهن ان انصدع، جهاد النساء غض
الاطراف وضم الذیول وقصر الوهادة، ما کنت قائلة لرسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لو عارضك ببعض هذه الفلوات ناصّة قعودًا

من منهل الى منهل؟ وغداً تردين على رسول الله صلى الله عليه وسلم
واقسم لو قيل لي يا ام سلمة ادخلي الجنة لاستحييت ان
القى رسول الله صلى الله عليه وسلم هاتكة حجاباً ضربه علي فاجعليه
ستركِ، ووقاعة البيت حصنكِ، فانكِ انصح ما تكونين لهذه
الامة ما قعدت عن نصرتهم (العقد الفريد ص ۹۶ ج ۵ مطبوع
دار الباز مكة المكرمة)

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ام سلمہ کی طرف سے ام المومنین عائشہ کے
نام: میں آپ سے اس اللہ کی حمد کرتی ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں،
اما بعد۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت
کے درمیان ایک دروازہ ہیں۔ آپ وہ پردہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی حرمت پر ڈالا گیا ہے، قرآن نے آپ کے دامن کو سمیٹا ہے، آپ اسے
پھیلائیے نہیں، اور آپ کی حرمت کی حفاظت کی ہے آپ اس کی بے قدری نہ
کریں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوتا کہ خواتین پر جہاد کی ذمہ داری
عائد ہوتی ہے تو وہ آپ کو اس کی وصیت کرتے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو شہروں میں آگے بڑھنے سے روکا تھا؟
اس لئے اگر دین کا ستون متزلزل ہونے لگے تو وہ عورتوں سے کھڑا نہیں ہو سکتا
اور اگر اس میں شگاف پڑنے لگے تو عورتوں سے اس کا جوڑ ممکن نہیں، عورتوں
کا جہاد یہ ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں، دامنوں کو سمیٹیں اور چھوٹے قدموں
سے چلیں۔ آپ جن صحراؤں میں ایک گھاٹ سے دوسرے گھاٹ تک اپنی
اونٹنی دوڑا رہی ہیں، اگر وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے
آجائیں تو آپ کے پاس ان سے کہنے کو کیا ہوگا؟ کل آپ کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے پاس جانا ہے۔ اور میں قسم کھاتی ہوں کہ اگر مجھ سے کہا جائے کہ
ام سلمہ! جنت میں چلی جاؤ، تب بھی مجھے اس بات سے حیا آئے گی کہ میں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں ملوں کہ جو پردہ آپ صلی اللہ
علیہ وسلم نے مجھ پر ڈالا تھا اسے میں چاک کر چکی ہوں، لہٰذا آپ اس کو

اپنا پردہ بنائیے، اپنے گھر کی چار دیواری کو اپنا قلعہ سمجھئے، کیونکہ جب تک آپ اپنے گھر میں رہیں گی، اس امت کی سب سے بڑی خیر خواہ ہوں گی۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس مکتوب کے ایک ایک لفظ سے دین کا وہ پاکیزہ مزاج ٹپک رہا ہے جس نے عورت کو حرمت و تقدس کا اعلیٰ ترین مقام عطا فرمایا ہے، اور جس کے آگے تمام سیاسی مناصب اور دنیوی شان و شوکت ہیچ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کسی بات کا انکار نہیں کیا، بلکہ ان کی نصیحت کو اصولی طور پر قبول فرمایا، اور ان کی یہ کہہ کر قدردانی فرمائی کہ:

ما اقبلنی لوعظک وما اعرفنی بحق نصیحتک

میں آپ کی نصیحت کو خوب قبول کرتی ہوں، اور آپ کی حق نصیحت سے اچھی طرح باخبر ہوں۔

البتہ اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

ولنعم المطلع مطلع فرقت فیہ بین فئتین متشاجرتین من المسلمین

وہ موقف بہت اچھا موقف ہے جس کے ذریعے میں مسلمانوں کے دو جھگڑتے ہوئے گروہوں کے درمیان حائل ہو سکوں۔

جس سے صاف واضح ہے کہ نہ وہ خلافت کی سربراہی چاہتی تھیں، نہ جہاد ان کے پیش نظر ہے، نہ کوئی سیاسی قیادت مقصود ہے، بلکہ پیش نظر دو فریقوں کے درمیان صلح کرانا ہے، اور اس پر بھی وہ فرماتی ہیں:

فان اقعد ففی غیر حرج وان اخرج فالی ما لا غنی لی عن الازدیاد منہ (العقد الفرید ص ۹۷ ج ۳)

اب اگر میں بیٹھ گئی تب بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر میں آگے بڑھی تو ایک ایسے کام کے لئے آگے بڑھوں گی جس کو مزید عمل دینے کے سوا میرے لئے کوئی چارہ نہیں ہے۔

اتنی احتیاط کے باوجود وہ زمانہ فتنے کا تھا، دشمنوں کی سازشیں سرگرمی

سے کام کر رہی تھیں، جن کا واحد مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو باہم لڑایا جائے، چنانچہ جو بات مقدر میں تھا وہ پیش آکر رہا، جنگِ جمل ہوئی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس مقام پر پہنچ چکی تھیں جہاں سے واپس نہ آسکیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انہیں گھر سے باہر کی اس محدود ذمہ داری اٹھانے سے روکا۔ چنانچہ حضرت زید بن صوحان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک خط میں لکھا:

سلام علیک: اما بعد: فانک امرت بامر وامرنا بغیرہ امرت ان تقری فی بیتک وامرنا ان نقاتل الناس حتی لا تکون فتنۃ فترکت ما امرت بہ وکتبت تنھیننا عما امرنا بہ والسلام۔

(العقد الفرید ص ۹۶ ج ۵)

"سلام کے بعد، آپ کو ایک کام کا حکم دیا گیا ہے، اور ہمیں دوسرے کام کا، آپ کو حکم ہے کہ گھر میں قرار سے رہیں، اور ہمیں حکم ہے کہ ہم لوگوں سے اس وقت تک لڑیں جب تک فتنہ باقی رہے۔ آپ نے اپنے کام کو چھوڑ دیا اور ہمیں اس کام سے روک رہی ہیں جس کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔"

پھر بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی، خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بعد میں اپنے اس فعل پر انتہائی ندامت کا اظہار فرماتی رہی ہیں، چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ولا ریب ان عائشۃ ندمت ندامۃ کلیۃ علی مسیرھا الی البصرۃ وحضورھا یوم الجمل وما ظنت ان الامر یبلغ ما بلغ (سیر اعلام النبلاء للذہبی ص ۱۷۷ ج ۲)

"اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے بصرہ کے سفر اور جنگِ جمل میں حاضری پر کلی طور سے نادم ہوئیں، ان کا گمان یہ نہیں تھا کہ بات وہاں تک پہنچ جائے گی جہاں تک پہنچی۔"

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا کہ تم نے مجھے اس سفر میں جانے سے کیوں منع نہیں کیا؟" حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "میں نے دیکھا کہ ایک صاحب (یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) آپ کی رائے پر غالب آگئے ہیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب دیا: "بخدا، اگر تم مجھے روک دیتے تو میں نہ نکلتی۔" (الاصابہ للعسقلانی ص ۳۰ ج ۴)

پھر جنگ جمل اور اس کے مقتولین پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ندامت کا عالم یہ تھا کہ جب تلاوت قرآن کریم کے دوران وہ سورۂ احزاب کی اس آیت پر پہنچتیں جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ:

وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ

"اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔"

تو اس قدر روتی تھیں کہ آپ کی اوڑھنی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی۔

اذا قرأت هذه الآية وقرن في بيوتكن بكت حتى تبل خمارها.

(طبقات ابن سعد ص ۸۱ ج ۸ وسیر اعلام النبلاء ص ۱۷۷ ج ۲)

ندامت کی انتہا یہ ہے کہ شروع میں آپ کی خواہش یہ تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن جنگ جمل کے بعد آپ نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ قیس بن ابی حازم راوی ہیں کہ:

قالت عائشة رضي الله تعالى عنها وكانت تحدث نفسها ان تدفن في بيتها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكر فقالت اني احدثت بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم حدثا ادفنوني مع ازواجه فدفنت بالبقيع (مستدرک حاکم ص ۶ ج ۴ قال الحاکم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ووافقه الذهبي)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دل میں یہ سوچتی تھیں کہ انہیں ان کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ دفن کیا جائے، لیکن بعد میں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے، اب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا، چنانچہ انھیں بقیع میں دفن کیا گیا۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تعني بالحدث مسيرها يوم الجمل فإنها ندمت ندامة كلية وتابت من ذلك على أنها ما فعلت ذلك إلا متأولة قاصدة للخير (سیر اعلام النبلاء ص ۱۹۳ ج ۲)

"بدعت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مراد جنگ جمل میں ان کا جانا تھا، اس لئے کہ وہ اپنے اس عمل پر مکمل طور سے نادم تھیں، اور اس سے توبہ کر چکی تھیں، باوجودیکہ ان کا یہ اقدام اجتہاد پر مبنی تھا اور ان کا مقصد نیک تھا۔"

ان تمام واقعات سے واضح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ کبھی حکومت کی سربراہی کی خواہش یا دعویٰ کیا، نہ کسی نے یہ تجویز پیش کی کہ ان کو سربراہ بنایا جائے، نہ ان کا مقصد کسی باقاعدہ جنگ کی قیادت تھی، وہ صرف ایک قرآنی حکم کے نفاذ اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت کے لئے نکلی تھیں، لیکن دشمنوں کی سازش نے ان کے اس سفر کو بالآخر ایک جنگ کی شکل دیدی، لیکن چونکہ ان کا مشن بھی محض ایک محدود سیاسی حیثیت کا حامل تھا، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی اسکو پسند نہیں کیا، اور وہ خود بھی اس پر بے انتہاء نادم ہوئیں، یہاں تک کہ اس ندامت کی بناء پر روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

اب یہ خود انصاف سے فیصلہ کرلیا جائے کہ:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے جس اقدام کو بالآخر خود غلط سمجھا، اس پر رنجیدہ رہیں، اور اس پر ندامت کی وجہ سے تدفین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے سے بھی شرمائیں، اس عمل سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟ اور استدلال بھی سربراہی کے جواز پر جس کا تصور بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حاشیۂ خیال میں نہیں گزرا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر:

ہمارے زمانے میں بعض حضرات نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی ایک تحریر بھی عورت کی سربراہی کے جواز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو امداد الفتاویٰ میں شائع ہوئی ہے جس میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث "لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ" کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ جمہوری حکومت اس وعید کے تحت داخل نہیں ہے۔

لیکن حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحریر کی حقیقت سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی پوری امت کے علماء کی طرح اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کو اسلامی حکومت کی سربراہ بنانا جائز نہیں ہے، چنانچہ امداد الفتاویٰ کی اسی تحریر میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ:

"حضرت فقہاء نے امامت کبریٰ (حکومت کی سربراہی) میں ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرط صحت، اور قضاء میں گو شرط صحت نہیں، مگر شرط صون عن الاثم فرمایا ہے" (امداد الفتاویٰ ص ۹۲ ج ۵)

نیز حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ نے اپنی تفسیر میں اس مسئلے کو مزید وضاحت کے ساتھ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، پس بلقیس کے قصہ سے کوئی شبہ نہ کرے۔ اول تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دوسرے اگر شریعت سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شریعت محمدیہ میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں" (بیان القرآن ص ۸۵ ج ۸ سورۃ النمل)

نیز حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "احکام القرآن" کا جو حصہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے لکھوایا ہے، اس میں بھی ملکۂ بلقیس کے واقعے کے تحت یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور خود حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالے سے اس استدلال کو رد کیا ہے کہ قرآن کریم نے بلقیس کا واقعہ بیان کرکے اس پر کوئی نکیر نہیں کی۔

(احکام القرآن للمفتی محمد شفیع ص ۳۲۹ ج ۳)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ان عبارتوں سے واضح ہے کہ وہ علمائے امت کی

طرح اسی بات کے قائل ہیں کہ عورت کو سربراہِ حکومت بنانا شرعاً جائز نہیں ہے۔
البتہ سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر کسی جگہ اس شرعی حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کسی عورت کو سربراہ بنا دیا گیا ہو، تو کیا ایسی جگہ کے لوگوں پر وہ وعید صادق آئے گی جو حدیث میں بیان کی گئی ہے کہ ایسی قوم فلاح نہیں پا سکتی؟ اس کے جواب میں حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر حکومت عام ہو اور تام ہو، جیسا کہ شخصی سلطنتوں میں ہوتا ہے (یا جیسا کہ خلافتِ اسلامی میں ہوتا ہے) اور اس کا سربراہ عورت کو بنا دیا جائے تو بیشک اس حدیث کی یہ وعید صادق آئے گی۔ لیکن اگر حکومت جمہوری انداز کی ہو تو عدمِ فلاح ضروری نہیں، جس کی وجہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی کہ:

"راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے، اور عورت اہل ہے مشورہ کی" (امداد الفتاویٰ ص ۹۲ ج ۵)

اس سے صاف واضح ہے کہ عورت کی حقیقی حکومت، کو حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ناجائز بلکہ موجبِ عدمِ فلاح بھی قرار دے رہے ہیں۔ لہٰذا اصل مسئلے کی حد تک ان کا موقف وہی ہے کہ عورت سربراہِ حکومت نہیں ہو سکتی، البتہ جمہوری حکومت کے بارے میں انہوں نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ وہ حقیقۃً حکومت ہے ہی نہیں، بلکہ محض مشورہ ہے۔

لہٰذا حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحریر کا سارا دار و مدار اس بات پر ہے کہ جمہوری حکومت واقعۃً حکومت ہے یا محض مشورہ ہے؟ اور یہ سوال شرعی حکم کا نہیں، بلکہ واقعہ کا ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جمہوری حکومت کے سربراہ کے بارے میں یہ سمجھا کہ حقیقۃً وہ سربراہ نہیں ہوتا، بلکہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت میں اس کی بات محض ایک مشورے کی حیثیت رکھتی ہے، چنانچہ اسی تحریر میں وہ فرماتے ہیں:

"کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والی صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکنِ مشورہ ہے، اور والی حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے" (امداد الفتاویٰ ج ۵)

اس فقرے سے ایک بار پھر واضح ہو گیا کہ وہ عورت کی سربراہی کے ناجائز اور موجبِ عدمِ فلاح ہونے کو تسلیم فرماتے ہیں۔ اور اس مسئلے سے انہیں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن

جمہوری حکومت کے سربراہ کو وہ اپنی معلومات کے مطابق حقیقی سربراہ نہیں سمجھ رہے ہیں
یہ اختلاف اصل مسئلہ میں نہیں، بلکہ جمہوری حکومت کی حقیقت میں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم اگرچہ پارلیمنٹ کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے محض ایک رکن شوریٰ ہے، لیکن اس کی دو حیثیتیں اور ہیں جن کی موجودگی میں اس کو محض ایک "رکن مشورہ" قرار دینا ممکن نہیں ہے۔ پہلی حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ملک کی انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اور اپنی اس حیثیت میں وہ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مکمل طور سے خود مختار ہے، یہاں تک کہ اسے یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ پوری کابینہ کے مشورے کو رد کر کے وہ کام کرے جو اس کی رائے کے مطابق ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ریاست کے تین کام الگ الگ کر دیئے گئے ہیں، ایک کام قانون سازی ہے جو مقننہ یعنی پارلیمنٹ کے سپرد ہے، دوسرا کام ملک کا انتظام چلانا ہے جو انتظامیہ کے سپرد ہے، اور تیسرا کام تنازعات کا فیصلہ ہے جو عدلیہ کے سپرد ہے۔ اب ریاست کے ان تین اداروں (مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ) میں سے لفظ "حکومت" کا اطلاق انتظامیہ ہی پر ہوتا ہے۔ مقننہ اور عدلیہ ریاست (STATE) کے ذیلی ادارے ضرور ہیں، لیکن "حکومت" (GOVERNMENT) کا حصہ نہیں ہیں۔ حکومت صرف انتظامیہ ہی کو کہا جاتا ہے، اور وزیر اعظم اس انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے۔ اسے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے کاروبار حکومت چلانے کا مکمل اختیار حاصل ہے، نہ وہ ہر چیز کو مقننہ کے مشورے کے لئے پیش کرتا ہے، نہ کر سکتا ہے، نہ اس کا پابند ہے۔ البتہ انتظامی فیصلے وہ کابینہ میں رکھتا ضرور ہے، لیکن کابینہ کی رائے کا پابند نہیں ہے، بلکہ کابینہ کے اجلاس میں اس کا فیصلہ حتمی حیثیت رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے با اختیار شخص کو محض "رکن شوریٰ" نہیں کہا جا سکتا۔

مقننہ کی حد تک بیشک وہ ایک "رکن شوریٰ" ہے، لیکن پارلیمانی پارٹیوں کے مروجہ نظام میں اس کی ایک اور حیثیت ہے جس نے اسے مقننہ میں بھی محض "رکن شوریٰ" نہیں رہنے دیا، اور وہ حیثیت یہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ میں برسر اقتدار اکثریتی پارٹی کا لیڈر اور قائد ایوان ہوتا ہے۔ لہٰذا پارلیمنٹ میں اس کی رائے محض ایک شخص کی رائے نہیں ہوتی، بلکہ بسا اوقات ایوان کی اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ بالخصوص اگر وہ اپنی جماعت کے ارکان پارلیمنٹ کے لئے جماعت کی طرف سے کوئی ہدایت جاری کر دے تو اس کی جماعت کے تمام ارکان

اسی ہدایت کے مطابق اسمبلی میں ووٹ دینے کے پابند ہیں۔ پارلیمانی اصطلاح میں اس ہدایت کو جماعتی کوڑا (PARTY WHIP) کہا جاتا ہے، یعنی اس کوڑے کو حرکت میں لانے کے بعد تمام ارکان جماعت پارلیمنٹ میں وہی رائے دینے پر مجبور ہیں کہ جس کے لئے وہ کوڑا حرکت میں لایا گیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جو شخص یہ کوڑا حرکت میں لاتا ہو، اس کو محض "ایک رکن مشورہ" نہیں کہا جا سکتا۔ اس لحاظ سے حقیقت میں بھی وزیر اعظم کی حیثیت محض "ایک رکن مشورہ" کی نہیں، بلکہ قائد جماعت اور قائد ایوان کی ہوتی ہے، اور عملاً وہ دوسروں کے مشورے کے پابند ہونے کے بجائے دوسرے اس کے مشورے کے پابند ہو کر چلتے ہیں۔

اگرچہ نظریاتی اعتبار سے صدر مملکت ریاست کا سربراہ ہوتا ہے، اور وزیر اعظم انتظامیہ کا، لیکن پارلیمانی نظام میں صدر مملکت کی حیثیت زیادہ تر نمائشی ہوتی ہے اور اصل اختیارات وزیر اعظم ہی کے پاس ہوتے ہیں۔ اس لئے دنیا بھر کے نزدیک وزیر اعظم ہی کو اصل سربراہ سمجھا جاتا ہے۔

اس تشریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت تھانوی قدس سرہ عورت کی سربراہی کو ہرگز جائز نہیں سمجھتے جس کے لئے ان کی صریح تحریریں موجود ہیں، البتہ سوال یہ تھا کہ جمہوری حکومت کی سربراہی حقیقی سربراہی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا تعلق شریعت کی تحقیق سے نہیں بلکہ مروجہ جمہوری نظام کی تحقیق سے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا اصل موضوع شریعت کی تحقیق تھا عصر حاضر کے سیاسی نظاموں کی تحقیق حضرت تھانوی قدس سرہ کا موضوع نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ پارلیمانی نظام کے وزیر اعظم کے سلسلے میں جو حقائق اوپر بیان کئے گئے ہیں، اگر وہ حضرت تھانوی قدس سرہ کے سامنے لائے جاتے تو وہ اپنی اس رائے پر ضرور نظر ثانی فرماتے کہ وہ محض ایک رکن مشورہ ہے۔

تاریخ کی بعض مثالیں:

بعض لوگ عورت کی سربراہی کے جواز میں بعض تاریخ کی مثالیں پیش کرتے ہیں کہ فلاں فلاں موقع پر فلاں عورت برسر اقتدار رہی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ تاریخ میں جائز و ناجائز ہر قسم کے واقعات ہوتے ہیں، یہ واقعات دین میں کوئی سند نہیں ہیں، سند قرآن و سنت ہیں، لہٰذا اگر کہیں اکا دکا کچھ واقعات عورت کی سربراہی کے پیش آئے ہیں تو ان کی بنیاد

یہ قرآن و سنت کے واضح احکام اور دلائل کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ پھر ان اکا دکا واقعات کی اکثریت ایسی ہے جہاں مسلمانوں نے ایسی حکومت کو گوارا نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ حکومت ختم ہو گئی۔ اور ان حکومتوں کے دور میں بھی کہیں نہیں ملتا کہ کسی فقیہ یا عالم نے عورت کی سربراہی کے جواز کا فتویٰ دیا ہو۔

اس ضمن میں بعض لوگ مس فاطمہ جناح کے سیاسی امیدوار بننے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں، لیکن ملک کا کوئی عالم ہمارے علم میں نہیں ہے جس نے اس اقدام کی حمایت کرتے ہوئے یہ کہا ہو کہ عورت حکومت کی سربراہ ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس واقعے کو دلیل میں پیش کرنا غلط بحث کے سوا کچھ نہیں۔

اس وقت بھی علماء نے عورت کی سربراہی کے عدم جواز کا فتویٰ شائع کیا تھا۔ شیعہ علماء

تمام مکاتب فکر کے پاکستانی علماء کا فیصلہ:

بہرکیف! عورت کی سربراہی کا ناجائز ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے جو قرآن و سنت کے واضح ارشادات اور اجماع امت پر مبنی ہے۔ امت کے کسی ایک فقیہ یا عالم نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔

اسی لئے ۱۹۵۱ء میں جب پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے علماء نے کراچی میں آئینی مسائل پر اجتماع منعقد کیا، جس میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، جماعت اسلامی اور شیعہ تمام مدرسہ ہائے خیال کے چوٹی کے ۳۱ حضرات موجود تھے اور وہ مشہور متفقہ ۲۲ نکات طے کئے جو انکے نزدیک پاکستان کے آئین کے لئے بنیادی اہمیت رکھتے تھے، تو ان میں بارہواں نکتہ یہ تھا:

"رئیس مملکت کا مسلمان مرد ہونا ضروری ہے جس کے تدین، صلاحیت اور اصابت رائے پر جمہور یا ان کے منتخب نمائندوں کو اعتماد ہو۔"

ان بائیس نکات پر پاکستان کے ہر مکتب فکر کے تمام علماء متفق ہیں۔ اور آج تک ان میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔

لہٰذا کسی اسلامی حکومت میں عورت کو سربراہ بنانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور اگر اب بھی ایسا ہو جائے تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ جلد از جلد سربراہی کی تبدیلی کے لئے مخلصانہ کوششوں کو بروئے کار لائیں۔ واللہ سبحانہ الموفق

رشید احمد — ولی حسن — محمد رفیع عثمانی — [illegible]

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

المزید من العبد الرشید :

دلائل المنع :

(۱) وللرجال علیهن درجة (۲-۲۲۸)

(۲) وزاده بسطة فی العلم والجسم (۲-۲۴۷)

(۳) اومن ینشؤا فی الحلیة وهو فی الخصام غیر مبین (۴۳-۱۸)

(۴) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ما رأیت من ناقصات عقل ودین اذهب للب الرجل الحازم من احداکن (بخاری ص۴۴ ج۱)

دلائل الجواز :

(۱) قال الامام الکاسانی رحمه الله تعالی: اما المرأة والصبی العاقل فلا یصح منهما اقامة الجمعة لانهما لا یصلحان للامامة فی سائر الصلوات ففی الجمعة اولی الا اذن المرأة اذا کانت سلطانا فامرت رجلا صالحا للامامة حتی صلی بهم الجمعة جاز لان المرأة تصلح سلطانا او قاضیا فی الجملة فتصح انابتها۔
(بدائع الصنائع ص۲۶۲ ج۱)

(۲) وقال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالی: اما سلطنتها فصحیحة وقد ولی مصر امرأة تسمی شجرة الدر جاریة الملک الصالح بن ایوب (البحر الرائق ص ج۷)

الجواب :

ان عبارات میں صلاح وصحت سے نفاذ مراد ہے، جواز مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ عورت کو سلطان بنانا ناجائز ہے مگر اس نے ناجائز ذرائع سے تسلط حاصل کرلیا تو اس کی سلطنت نافذ ہوجائے گی۔

الامثلة :

(۱) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کان راسه زبیبة (بخاری ص۹۶ ج۱)

قال الامام الکرمانی رحمه الله تعالی: فان قلت کیف یکون العبد والیا وشرط الولایة الحریة؟ قلت: بان یولیه بعض الائمة او یتغلب علی البلاد بشوکته۔
(شرح الکرمانی لصحیح البخاری ص۴۶ ج۵)

(۲) وقال الامام ولی اللہ رحمہ اللہ تعالی: طریق چہارم استیلاء است....
و این دو نوع است یکی آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد..... دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد
وصرف منازعین کند بقتال وارتکاب محرم و آن جائز نیست وفاعل آن عاصی است
لیکن واجب است قبول احکام او چون موافق شرع باشد، واگر عمال او اخذ زکوۃ کنند از
ارباب اموال ساقط شود، واگر قاضی او حکم نماید نافذ گردد حکم او، وہمراہ او جہاد می توان
کرد، و این انعقاد بنابر ضرورت است زیرا کہ در عزل او فنای نفوس مسلمین وظہور ہرج و
مرج شدید لازم می آید، و یقین معلوم نیست کہ این شدائد منقضی شود بصلاح یا نہ، یحتمل کہ
دیگری بدتر از اول غالب شود، پس ارتکاب فتن کہ قبح او متیقن است چرا باید کرد برای
مصلحتی کہ موہوم است وتحمل، وانعقاد خلافت عبد الملک بن مروان واول خلفای بنی عباس
ہمین نوع بود (ازالۃ الخفاء ص ۵ مقصد اول)

(۳) وقال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالی: والمرأۃ تقضی فی غیر حد و
قود وان اثم المولی لہا لخبر البخاری رحمہ اللہ تعالی لن یفلح قوم ولوا امرہم
امرأۃ (رد المحتار ص ۳۹۵ ج ۴)

وکذا قال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالی (البحر الرائق ص ۵ ج ۷)

(۴) فاسق کو امام بنانا جائز نہیں معہذا اس کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز
صحیح ہے۔

النظائر:

ولہذہ المسألۃ نظائر کثیرۃ منہا:

(۱) البیع الفاسد موجب للملک۔

(۲) حرمۃ المصاہرۃ تثبت بالزنا۔

(۳) السفر یترتب علیہ الاحکام ولو کان للمعصیۃ۔

(۴) یقع الطلاق علی الحائض مع کونہ منہیا عنہ۔

(۵) یقع الطلقات الثلاث دفعۃ مع کونہ بدعیا۔

(۶) لحوق النجاسۃ مع حرمتہ مطہر۔

دلائل الجواز کو بوجوہ ذیل نفاذ مع عدم الجواز پر محمول کرنا ضروری ہے

فانہم مبرؤون من ذلک رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ ۔

بعض ملحدین نے امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت کرنے کے لئے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے استدلال کیا ہے :

انما جعلها بمنزلة الملكة التي يأتمر بأمرها ويطيعها (منہاج السنۃ ص ۱۹۰ ج ۲)

اس استدلال سے امارت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت ہونے کی بجائے مستدل کی انتہائی جہالت اور علمی خیانت کا ثبوت ملتا ہے، منہاج السنۃ کی پوری عبارت درج ذیل ہے :

فان طلحة والزبير كانا معظمين لعائشة رضي الله تعالى عنها موافقين لها مؤتمرين بأمرها وهما وغيرهما من الذين خرجوا معها كانوا يقاتلون دونها والذين قاتلوهم ... فان جاز للرافضي ان يقدح فيهما بقوله انهما صانا حلائلهما واخرجا حليلة رسول الله صلى الله عليه وسلم مع ان الواحد منا لو تحالف مع امرأة غيره حتى اخرجها من منزلها وسافر بها الى آخره، مع ان ذلك اذا جعلها بمنزلة الملكة التي يأتمر بأمرها ويطيعها لم يكن اخراجها لمطالب الفاحشة اھ (بحوالہ بالا)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ جملے بے حیا رافضی کی اس حیا سوز بکواس کو نقل کیا ہے کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ناجائز طریقے سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے، پھر اس بے حیا رافضی کو جواب دیا ہے کہ ان دونوں حضرات کے قلوب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عظمت سے معمور تھے، وہ ملکہ کی طرح آپ کی عظمت واطاعت کرتے تھے۔

اس میں اثبات امارت مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ام المؤمنین ہونے کی وجہ سے ان کے قلوب میں آپ کی عظمت اور اطاعت کا جذبہ تھا، اگر اثبات امارت مقصود ہوتا تو امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ امارۃ المرأۃ کے جواز کے قائل ہوتے، حالانکہ وہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں، وہ ان مسائل میں شمار کرتے ہیں جن پر پوری امت کا اجماع ہے جس کی تفصیل "تنقید فیصلہ" میں عنوان "اجماع امت" کے تحت گزر چکی ہے۔

آپ کے دادا امام عبد السلام رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی منتقی الاخبار میں "باب المنع من ولایۃ المرأۃ والصبی" مستقل باب لکھا ہے اور اسے احادیث سے ثابت کیا ہے (نیل الاوطار ص ۲۶۳ ج ۸)

شجرۃ الدر:

اس سے عورت کی سلطنت کے جواز پر استدلال بدو وجہ باطل ہے:

(۱) دنیا میں بیہودہ قول و عمل جو نصوص شرعیہ کے خلاف ہو مردود ہے۔

(۲) یہ بہت مکار عورت تھی، اس نے ملک صالح کی وفات کے بعد اس کے بیٹے کو مکر و فریب کے ذریعہ بہت دردناک طریقہ سے قتل کروا کر ۔ صفر سنہ ۶۴۸ھ کو حکومت پر تسلط قائم کرلیا۔ امراء اور عوام کو خوش کرنے کے لئے ان پر دولت کی بارش برسادی، بڑے بڑے وظائف اور بڑی بڑی جاگیریں دے کر ان کے منہ بند کردیئے۔

بغداد میں خلیفۂ وقت ابوجعفر مستنصر باللہ کو علم ہوا تو اس نے مصر کے امراء کو بہت ڈانٹا، اس مکار عورت کو معزول کرنے کا حکم دیا اور لکھا:

"اگر تمہارے پاس سلطنت کا اہل کوئی مرد باقی نہیں رہا تو ہم کوئی مرد بھیجدیں؟
کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں سنا:
"جو قوم اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کردے وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی۔""

خلیفہ کی دھمکی وصول ہونے پر یہ خبیث عورت خود ہی سلطنت سے دستبردار ہوگئی، اس طرح اس کی حکومت کی کل مدت دو ماہ سے بھی کم تھی۔ (فوات الوفیات لابن شاکر الکتبی ص ۳۶۵ ج ۱، اعلام النساء ص ۲۸۶ ج ۲، مرآۃ الجنان للیافعی ص ۱۲۷ ج ۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

اس تحریر کے بعد علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت ذیل کے بارے میں استفسار موصول ہوا:

ومذهب الجمهور ان المرأة لا تلي الامارة ولا القضاء واجازه

الطبری وهی روایة عن مالک رحمه الله تعالی، وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالی تلی الحکم فیما تجوز فیه شهادة النساء (ارشاد الساری ص ۱۰۲ ج ۱۴)

طبری اور امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے اقوال کی تشریح "متفق فیصلہ" میں قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ سے یوں نقل کی جا چکی ہے:

"وقد نص فی ان المرأة لا تکون خلیفة ولا خلاف فیه، ونقل عن محمد بن جریر الطبری امام الدین انه یجوز ان تکون المرأة قاضیة ولم یصح ذلک عنه، ولعله کما نقل عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی انها انما تقضی فیما تشهد فیه، ولیس بان تکون قاضیة علی الاطلاق ولا بان یکتب لها منشور بان فلانة مقدمة علی الحکم الا فی الدماء والنکاح، وانما ذلک کسبیل التحکیم او الاستبانة فی القضیة الواحدة" (احکام القرآن لابن العربی ص ۱۴۴۵ ج ۳)

رہی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت، سو اس کی جستجو کے لئے کتب مالکیہ میں سے درج ذیل چودہ مشہور و مستند کتب کا مراجعہ کیا گیا:

(۱) المدونة الکبری للامام مالک رحمه الله تعالی۔
(۲) المنتقی شرح موطأ الامام مالک رحمه الله تعالی۔
(۳) بدایة المجتهد للامام ابن رشد رحمه الله تعالی
(۴) ارشاد السالک الی مذهب الامام مالک رحمه الله تعالی۔
(۵) الشرح الصغیر علی اقرب المسالک۔
(۶) حاشیة العلامة الصاوی رحمه الله تعالی علی الشرح الصغیر
(۷) مختصر العلامة الخلیل رحمه الله تعالی۔
(۸) الشرح الکبیر لمختصر العلامة الخلیل رحمه الله تعالی۔
(۹) حاشیة العلامة الدسوقی رحمه الله تعالی علی الشرح الکبیر
(۱۰) شرح منح الجلیل علی مختصر العلامة الخلیل رحمه الله تعالی۔
(۱۱) تسهیل منح الجلیل علی مختصر العلامة خلیل رحمه الله تعالی۔
(۱۲) جواهر الاکلیل شرح مختصر العلامة الشیخ خلیل رحمه الله تعالی۔

(۱۳) التاج والاکلیل لمختصر خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۱۴) مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کتب مذکورہ میں سے کسی میں بھی امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز قضاء المرأۃ کی کوئی روایت نہیں، مدونہ کتاب القضاء میں قضاء المرأۃ کی بحث ہی نہیں، بقیہ تیرہ کتابوں میں عدم جواز بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عدم نفاذ اور وجوب فسخ کی تصریح ہے۔ البتہ مؤخر الذکر کتاب "مواہب الجلیل" میں امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلمیذ امام ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت جواز نقل کرکے اس کا محمل بھی وہی قرار دیا ہے جو قاضی ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طبری اور امام رحمہما اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اقوال کا قرار دیا ہے۔ اب ان کتابوں سے متعلقہ عبارات پیش کی جاتی ہیں:

(۱) قال الامام الباجی رحمہ اللہ تعالیٰ:

"فاما صفاتہ (القضاء) فی نفسہ فاحدھا ان یکون ذکرا بالغا (الی قولہ) فاما اعتبار الذکورۃ فحکی القاضی ابومحمد وغیرہ انہ من مذہب مالک، ودلیلنا ما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال لن یفلح قوم اسندوا امرھم الی امرأۃ، ودلیلنا من جہۃ المعنی انہ امر یتضمن فصل القضاء فوجب ان تنافیہ الانوثۃ کالامامۃ، قال القاضی ابوالولید ویکفی فی ذلک عندی عمل المسلمین من عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا نعلم انہ قدم لذلک فی عصر من الاعصار ولا بلد من البلاد امرأۃ کما لم یقدم للامامۃ امرأۃ واللہ اعلم واحکم" (المنتقی ص ۲۰۲ ج ۵)

(۲) وقال الامام ابن رشد رحمہ اللہ تعالیٰ:

"فاما الصفات المشترطۃ فی الجواز فان یکون حرا مسلما بالغا ذکرا عاقلا عدلا" (بدایۃ المجتہد ص ۳۴۴ ج ۲)

(۳) وقال العلامۃ احمد الدردیر رحمہ اللہ تعالیٰ:

"شرط القضاء عدالۃ وذکورۃ" (اقرب المسالک)

(۴) وقال فی الشرح:

"ای شروط صحتہ فلا یصح من انثی ولا خنثی" (الشرح الصغیر

رفع الشقاب ـــــ ۵۰

⑤ وقال العلامة احمد الصاوي رحمه الله تعالى :

"اي ولا ينفذ حكمها" (الشرح الصغير ص ۱۸۶ ج ۴)

⑥ وقال العلامة خليل رحمه الله تعالى :

"اهل القضاء عدل ذكر" (مختصر العلامة خليل)

⑦ وقال العلامة احمد الدردير رحمه الله تعالى :

"ذكر محقق لا انثى ولا خنثى" (الشرح الكبير)

⑧ وقال العلامة الدسوقي رحمه الله تعالى :

"(قوله لا انثى ولا خنثى) اي فلا يصح توليتهما للقضاء ولا ينفذ حكمهما" (الشرح الكبير ص ۱۲۹ ج ۴)

⑨ وقال الشيخ محمد عليش رحمه الله تعالى في شرح قول العلامة خليل رحمه الله تعالى (اهل القضاء عدل ذكر فطن مجتهد ان وجد والا فامثل مقلد) :

"اعلم ان صفات القاضي المطلوبة فيه ثلاثة اقسام شرط في صحة توليته وشروط في دوامها وشروط في كمالها. اشار المصنف الى الاولى بقوله عدل الى قوله فامثل مقلد -

(ذكر) فلا تصح تولية امرأة لحديث البخاري لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة" (منح الجليل ص ۱۲۸ ج ۴)

⑩ والشيخ المذكور لم يتعرض لهذا في حاشيته على شرحه المذكور فكأنه قرره مرة ثانية -

⑪ وقال الشيخ صالح عبد السميع : "(ذكر) فلا تصح تولية امرأة لحديث البخاري لن يفلح قوم ولوا امرهم امرأة" (جواهر الاكليل ص ۲۲۱ ج ۲)

⑫ وقال العلامة المواق رحمه الله تعالى :

"(عدل ذكر) الخ ابن رشد للقضاء خصال مشترطة في صحة الولاية وهي ان يكون ذكرا حرا مسلما بالغا عاقلا واحدا فهذه ستة خصال لا يصح ان يولى القضاء الا من اجتمعت فيه فان ولي من لم تجتمع

فيه لم تنعقد له الولاية وان انخرم شيء منها بعد انعقاد الولاية سقطت ولايته" (التاج والاكليل على هامش مواهب الجليل ص۸۷ ج۶)

(۱۳) وقال الامام الحطاب رحمه الله تعالى في شرح قول العلامة خليل رحمه الله تعالى (اهل القضاء عدل ذكر فطن مجتهد ان وجد والا فأمثل مقلد):

"واعلم ان صفات القاضي المطلوبة فيه على ثلاثة اقسام (الاول) شرط في صحة التولية وعدمه يوجب الفسخ (والثاني) لا يقتضي عدمه الفسخ وان لم يكن شرطا في صحة التولية (والثالث) مستحب ليس بشرط فاشار المؤلف الى الاول بقوله اهل القضاء عدل الى قوله والا فأمثل مقلد (ذكر) ش قال في التوضيح وروى ابن ابي مريم عن ابن القاسم جواز ولاية المرأة، قال ابن عرفة قال ابن زرقون اظنه فيما تجوز فيه شهادتها، قال ابن عبد السلام لا حاجة لهذا التأويل لاحتمال ان يكون ابن القاسم قال كقول الحسن والطبري باجازة ولايتها القضاء مطلقا (قلت) الاظهر قول ابن زرقون لان ابن عبد السلام وقال ابو علي من شذ من المتكلمين قال الفسق لا ينافي القضاء بانه وهذا ضعيف جدا لان العدالة شرط في قبول الشهادة والقضاء اعظم حرمة منها (قلت) فجعل ما هو مناف للشهادة مناف للقضاء فكأن النكاح والطلاق والعتق والحدود لا تقبل فيها شهادتها فكذلك لا تحكم فيها قضاء انتهى" (مواهب الجليل ص۸۷ ج۶)

یہ روایت تو صرف قضاء کے بارے میں ہے، عورت کی ولایت بالاجماع جائز نہیں، خلیفہ ابوجعفر مستنصر باللہ نے شجرۃ الدرّ کو سلطنت مصر یعنی ذیلی حکومت کی بھی اجازت نہ دی اور اسے مار بھگایا جس کی تفصیل بعنوان "شجرۃ الدر" گزر چکی ہے، جب عورت ذیلی امارت کی اہل نہیں تو امارت عظمیٰ کی اہل کیسے ہو سکتی ہے؟

قال الامام ابن رشد رحمه الله تعالى:

"قال عبد الوهاب ولا اعلم بينهم اختلافا في اشتراط الحرية فمن رد قضاء المرأة شبهه بقضاء الامامة الكبرى وقاسها ايضا على العبد لنقصان حرمتها ومن اجاز حكمها في الاموال فتشبيها بجواز شهادتها في الاموال، ومن رأى حكمها نافذا في كل شيء قال ان الاصل هو ان كل من يأتي منه الفصل بين الناس فحكمه جائز الا ما خصصه الاجماع من الامامة الكبرى" (بداية المجتهد ص۳۸۴ ج۲) فقط والله تعالى اعلم

تنبیہ: جو عورت اس تحریک کا باعث بنی اس کی حکومت صرف چند ماہ ہی چل سکی جو بہت ہی برے انجام اور انتہائی ذلت پر ختم ہوئی۔

رشید احمد
۱۶/ رمضان ۱۴۰۹ھ

غلبہ اسلام

کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا؟

افادات
حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم
تحریر
حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

فاروق

غلبہ اسلام

کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا؟

دشمنانِ اسلام کی طرف سے اسلام کے خلاف مسلسل یہ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے:

"اسلام دنیا میں بزور شمشیر جبر و اکراہ کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے"

زیر نظر تحریر

میں

اس تکذیب ابلیس کا مختصر مگر نہایت جامع جواب ہے

کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا؟

سوال: اعداءِ اسلام بالخصوص مستشرقین کی طرف سے یہ عام پروپیگنڈا ہے کہ دنیا میں اسلام بزورِ شمشیر پھیلا ہے، کیا اس میں کچھ حقیقت کا عنصر بھی ہے یا محض مخالفین کا پروپیگنڈا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسلام دشمنی نے ان لوگوں کو اندھا بہرا کر دیا ہے ورنہ پروپیگنڈے سے پہلے اتنا سوچ لیتے کہ مسلمان ہونے کا مطلب ہے دل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو قبول کر لینا، اگر کوئی شخص دل سے مسلمان ہونے کی بجائے صرف زبان سے اسلام کا دعوی کرتا ہے تو وہ شریعت کی اصطلاح میں منافق ہے، منافقین کا گروہ عام کفار کی بنسبت بدترین اور خطرناک گروہ تھا جسے قرآن نے ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار کی وعید سنائی ہے، تاریخ گواہ ہے کہ اس مارِ آستین نے اسلام کو عام کفار کی بنسبت کہیں زیادہ نقصان پہنچایا ہے، اب سوچا جائے کہ جبر کر کے کسی کافر کو زبانی ہی کلمہ پڑھایا جا سکتا ہے، اس کے دل سے تو کفر نہیں نکالا جا سکتا، ان معترضین کے بقول گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بزورِ شمشیر عام کفار کو منافق بنا کر مزید ان سے دشمنی مول لی، بھلا اس سے کیا فائدہ؟ غرض بزورِ شمشیر کسی کو مسلمان بنانا از روئے عقل و نقل ممکن ہی نہیں اور یہ پروپیگنڈا گوزِ خر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، مگر اس پروپیگنڈے کے پیچھے شاطر ذہن کا یہ ابلیسی اصول کارفرما ہے:

"جھوٹ بولو اور اتنا بولو کہ دنیا اسے سچ باور کرنے لگے۔"

اس لئے ہم اس پروپیگنڈا کی حقیقت اور اس کا کھوکھلا پن قدرے تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

۱ـ یہ جھوٹ مستشرقین نے گھڑا ہے، وہی اسے مسلسل ہوا دے رہے ہیں، اگر

○ اسلام لانے والے لوگوں کا بھی ایک سرسری نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اسلام لانے والے کچھ تو متوسط طبقہ کے لوگ تھے مگر اکثر صحابہ ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے یا پھر صعلوک دوریا تحت افراد تھے۔ پہلی قسم میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، عبدالرحمن بن عوف، خالد بن ولید، عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرفہرست ہیں۔

اس طبقہ کے بہت سے حضرات تو خود جابر و قاہر اور زورآور تھے، مسلمان ہونے سے پہلے اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے، اگر فرض کیا جائے کہ ان حضرات نے داخل اسلام ہونے کے بعد لوگوں پر جبر کیا تو بتایا جائے کہ خود ان جابرین پر کس نے جبر کیا تھا؟

اور دوسرا طبقہ تو مسلمان ہونے کے بعد مسلسل تیرہ برس تک مشق ستم بنا رہا، ان میں حضرت بلال، صہیب، یاسر، عمار، سمیہ، زنیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرفہرست ہیں۔

ان پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے، بعض کو شہید تک کر دیا گیا، مگر بزبان حال سب کا ایک ہی نعرہ تھا:

"یہاں بڑھتا ہے ذوق جرم ہر سزا کے بعد"

آخر یہ اسلام سے منحرف کیوں نہ ہوئے؟

حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے کسی فرد بشر پر کبھی جبر نہیں کیا گیا، البتہ اسلام سے ہٹانے کے لئے جبر کیا گیا اور ہر ممکن حربہ آزمایا گیا۔

○ اسلام کے نظریہ مساوات اور نظام عدل و مواسات کو دیکھ کر ہر ذی شعور فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس مقدس مذہب میں جبر و جور یا اس قسم کے کسی اوچھے حربہ کی دور دور تک کوئی گنجائش نہیں، بلکہ داخل اسلام ہونے سے پہلے کسی غیر مسلم کو بار بار سوچنا پڑتا ہے کہ میں اسلام میں قدم رکھ کر کیا کھوؤں گا کیا پاؤں گا؟ دنیا جانتی ہے کہ اسلامی قوانین غنی و فقیر، شریف و وضیع بلکہ شاہ و گدا کے لئے یکساں نافذ العمل ہیں، ان میں کسی سے کوئی رُو رعایت نہیں، اس کی درخشاں مثالیں تاریخ اسلام میں ثبت ہیں۔

جبلہ بن ایہم کا واقعہ تو تاریخ اسلام کا مبتدی بھی جانتا ہے، اس نومسلم بادشاہ نے ایک فقیر بے نوا کو طیش میں آکر تھپڑ رسید کر دیا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قصاص کا فیصلہ صادر فرمایا، یہ ایک رات کی مہلت لے کر راتوں رات فرار ہو کر مرتد

ہو گیا اور اسلام کا بدترین دشمن بن کر اہلِ اسلام کو زندگی بھر ستاتا رہا، ہر میدان میں ان سے مقابلہ کرتا رہا، اگر اس سے ذرا سی رعایت برتی جاتی تو یہ حادثہ پیش نہ آتا، مگر اسلام کے لازوال قوانین میں ایسی کوئی لچک نہیں۔

اسی طرح عرب کے بعض وجیہ اور بااثر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر پیشکش کی کہ ہم اس شرط پر مسلمان ہوتے ہیں کہ ہمیں اسلامی حکومت میں حصہ دار بنایا جائے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔

بعض نو مسلم قبائل نے کچھ رعایت چاہی کہ ہمیں نماز یا زکوٰۃ سے مستثنیٰ رکھا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی درخواست بھی کمال استغناء سے رد فرما دی۔

اس قسم کے واقعات بڑی تعداد میں ملتے ہیں، کوئی ہوش و حواس رکھنے والا انسان بتائے کہ ایسے مذہب میں کسی کو مجبور کر کے لانے سے کیا فائدہ؟

۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اسلام پورے جزیرۂ عرب میں پھیل گیا، خلفاء راشدین کے عہد میں تو اسلام کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجنے لگا، کروڑوں انسان حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، کیا مستشرقین مل کر اس پورے دور میں کسی ایک متعین فرد کی نشاندہی کر سکتے ہیں، اسے جبر و اکراہ سے مسلمان بنایا گیا؟ دیدہ باید۔

اس کے برعکس یہود و نصاریٰ جن ذرائع سے دنیا کو اپنے مذہب میں لانے کی کوشش کر رہے ہیں وہ دنیا کے سامنے ہیں۔ زن، زر، زمین غرض دنیا کا ہر لالچ دے کر لوگوں کو شکار کیا جا رہا ہے۔

یہ ضرور ہے کہ مرتد کی سزا اسلام میں قتل ہے، یہ اسلام کا اٹل فیصلہ ہے، اس میں کسی کو شبہ ہو تو باب المرتد والبغاۃ میں رسالہ "القتل المشن لقتل المرتد" کا مطالعہ کرے۔

محمد ابراہیم

نائب مفتی دارالافتاء والارشاد

۱۷ شعبان ۱۴۱۳ھ

ولو کان رفضاً حبُّ آلِ محمدٍ
فلیشہد الثقلان أنی رافضی

❀❀❀❀❀❀

ذَبُّ المجهول عن سِبطِ الرَّسول
صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روافض
وخوارج افراط وتفریط کے شکار اور غلو میں مبتلا ہیں،
اس رسالہ میں صراط مستقیم اور راہ اعتدال کی وضاحت
کی گئی ہے جو مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی بغاوت کیوں کی؟

سوال : ایک شخص کہتا ہے کہ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے یزید کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا، اور جس طرح حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بیعت ہوئی ایسے ہی یزید کی بھی۔ لہٰذا امام حسین باغی ہوئے اور باغی کا حکم قرآن میں مذکور ہے۔ فان بغت احدٰھما علی الاخریٰ فقاتلوا التی تبغی۔ لہٰذا بغاوت کی وجہ سے امام حسین واجب القتل ہوئے۔ جناب سے گزارش ہے کہ اس کی پوری حقیقت واضح فرما کر خلجان رفع فرمائیں۔

بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس شخص کا یہ خیال باطل، اسلام میں انتخاب خلیفہ کے اصول سے جہالت اور اسلامی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اسلام میں انتخاب خلیفہ کے لئے ولی العہدی کی جاہلانہ رسم کی کوئی گنجائش نہیں کہ خلیفہ وقت جسے چاہے اپنا ولی العہد نامزد کردے۔ اسلام میں انعقاد خلافت کی چار صورتیں ہیں۔ بیعت، استخلاف، شوریٰ، استیلاء۔ ان چاروں کی بقدر ضرورت تفصیل لکھی جاتی ہے۔

① بیعت: اہل حل وعقد بالاتفاق کسی کو خلیفہ منتخب کریں، جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتخاب ہوا۔

② استخلاف: خلیفہ وقت بغرض اصلاح لوگوں سے مشورہ کرکے کسی کے بارے میں وصیت کردے کہ میرے بعد یہ خلیفہ ہوگا جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان، عبد الرحمٰن بن عوف، سعید بن زید، اسید بن حضیر اور مہاجرین وانصار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے دوسرے اہل حل وعقد سے مشورہ کرکے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمایا (ازالۃ الخفاء ص ۱۲۸ ج ۱)

تمام مؤرخین کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اہل کوفہ کی دعوت پر نکلے تھے اس وقت تک یزید کی حکومت منعقد ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت تک نہ حجاز کے مرکزی شہروں نے اس کی حکومت کو تسلیم کیا تھا اور نہ ہی عراق کے لوگوں نے بیعت کی تھی۔ صرف شام کے لوگوں نے یزید کی خلافت کو تسلیم کیا تھا مگر مکہ، مدینہ، کوفہ وغیرہ مرکزی اسلامی شہروں کی استصواب رائے کے سوا صرف اہل شام کا یہ مرتبہ نہ تھا کہ خلافت اسلامیہ کا مسئلہ گھر بیٹھے طے کر لیں۔ اس وقت تک عام مسلمان تو درکنار خود حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقرر کردہ امراء آئندہ خلیفہ کے بارہ میں مذبذب تھے۔ اہل کوفہ نے حضرت حسین کی طرف بہت وضاحت سے لکھا تھا کہ اس وقت ہم پر کوئی امیر نہیں۔ آپ تشریف لائیں شاید آپ کی بدولت اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت پر جمع کر دیں۔ قصر امارت میں نعمان بن بشیر ضرور موجود ہے مگر ہم نہ ہی اس کے پیچھے جمعہ پڑھتے ہیں اور نہ عید۔ اگر ہمیں آپ کی تشریف آوری کا یقین ہو جائے تو ہم اسے کوفہ سے نکال دیں (الامامۃ والسیاسۃ تاریخ طبری ج ۲ صفحہ ۳)

خود کوفہ کے امیر نعمان بن بشیر کو جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر پہنچی تو اس نے صاف صاف کہدیا: لابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الینا من ابن بحدل۔ اسی لئے یزید نے نعمان بن بشیر کو معزول کر کے اس کی جگہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا امیر بنا کر بھیجا مگر اس کے پہنچنے سے قبل ہی مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر تیس ہزار سے بھی زیادہ لوگوں نے بیعت کر لی تھی۔ حجاز کی مرکزی آبادیوں کا بھی تقریباً یہی حال تھا۔ اس وقت تک یزید کی حکومت کا منعقد ہونا تو کجا ہر جگہ پر مخفی اور ظاہر ہر طریقے سے اس کی مخالفت عام تھی۔ اس حالت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر شرعاً فرض تھا کہ ان کی نظر میں جو شخص خلافت کا اہل نہیں اسے برسراقتدار آنے سے روکنے کے لئے جہاد کے میدان میں نکلیں خصوصاً جبکہ ہر طرف سے مسلمانوں کی نگاہیں آپ کی رہنمائی کی منتظر تھیں اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے کی درخواستیں کی جا رہی تھیں۔

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقدام کسی قائم شدہ حکومت کی مخالفت نہ تھا جسے بغاوت سے تعبیر کیا جا سکے۔ بلکہ آپ کے علم و فضل اور دینی مرتبہ کی وجہ سے یہ ذمہ داری آپ پر عائد ہو رہی تھی کہ آپ کی نظر میں جو لوگ نااہل ہیں انھیں برسراقتدار

آنے سے روکیں، مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوفہ پہنچنے سے قبل ہی حالات میں اس قدر تیز رفتاری سے تغیر واقع ہو گیا کہ اس اقدام کی شرعی حیثیت بالکل بدل گئی، بعض اہل کوفہ مسلم بن عقیل سے غداری کر کے عبید اللہ بن زیاد سے متفق ہو گئے اور مسلم بن عقیل کو قتل کر دیا اور حجاز میں بھی یزید کے لئے نہایت تیزی سے حالات ہموار ہو گئے اور لوگوں نے طوعاً و کرہاً یزید کے لئے بیعت لے لی گئی۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یزید کی حکومت منعقد ہو چکی ہے تو آپ نے خلافت سے دست بردار ہو کر واپس مدینہ منورہ آنے کا فیصلہ کر لیا تھا، مگر آپ کی جماعت کا دشمن کی فوج نے گھیراؤ کر لیا اور واپس مدینہ منورہ نہ جانے دیا۔ چنانچہ ابن زیاد کی طرف سے فوجی افسر عمرو بن سعد کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تین تجویزیں پیش فرمائیں:

(۱) مجھے مدینہ واپس جانے دو۔

(۲) مجھے ترکوں کی سرحد پر جانے دو تاکہ باقی زندگی جہاد میں گزار دوں۔

(۳) مجھے یزید سے ملنے دو۔ میں خود اس سے فیصلہ کر لوں گا۔ بلکہ بعض روایات میں یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا قصد مذکور ہے۔ (تہذیب تاریخ ابن عساکر ص ۲۱۲ ج ۴۔ البدایۃ والنہایۃ ص ۱۷۰ ج ۸) خود شیعہ کے ممتاز عالم شریف المرتضیٰ نے بھی اپنی کتاب الشافی مطبوعہ ایران ص ۷۱ میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ البدایۃ والنہایۃ میں ایک راوی کا قول ہے کہ اس نے یہ الفاظ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہیں سنے، مگر اثبات کی روایات زیادہ ہیں، علاوہ ازیں اصولاً بھی اثبات کو نفی پر ترجیح ہے۔ یہ روایت اس پر نص ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی خلافت کو تسلیم کر چکے تھے۔ بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو یزید کی حکومت کے تحت جہاد کے لئے جانے کی درخواست کرنا ہی خلافت یزید کو تسلیم کرنے پر واضح دلیل ہے۔

عمرو بن سعد نے یہ تجویزیں ابن زیاد کی طرف لکھ بھیجیں اور ابن زیاد کو مشورہ دیا کہ ان میں سے کوئی تجویز قبول کر کے انہیں چھوڑ دیا جائے، مگر شمر کے کہنے پر ابن زیاد نے ان تجویزوں کو رد کر دیا، اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل و عیال سمیت قید کرنے کا حکم لکھ بھیجا۔ اس وقت آپ کے لئے صرف دو ہی راستے تھے۔

① خود کو اہل وعیال سمیت گرفتار کرواکر ذلت قبول کریں۔

② مردانہ طریقہ سے مقابلہ کرکے شہید ہو جائیں۔

شریعت کسی شخص کو مجبور نہیں کرتی کہ اپنا نفس اور اہل وعیال ظالموں کے قبضہ میں دے اور ذلت قبول کرے۔ لہٰذا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال عزیمت کا راستہ اختیار کرکے شہادت قبول کی۔

تفصیل مذکور ابن جریر، کامل، یعقوبی، شرح نہج البلاغۃ، الامامۃ والسیاسۃ، امام سید مرتضیٰ، مقتل ابن احنف، تاریخ کبیر للذہبی وغیرہ کتب تاریخ میں موجود ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خروج کے وقت کوئی حکومت موجود نہ تھی اور کوئی خلافت قائم شدہ نہ تھی۔ جب یزید کی خلافت قائم ہوگئی تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ارادہ سے رجوع فرمالیا تھا۔

یہ کہنا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اقدام یزید کی حکومت کے خلاف بغاوت تھی بالکل غلط ہے اور اس امر پر دلیل ہے کہ قائل کو نہ تو انتخاب خلیفہ کے اسلامی قانون سے کوئی واقفیت ہے اور نہ ہی اسلامی تاریخ سے کچھ مارست۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۲ ۱۴ھ

کتاب "خلافت معاویہ ویزید" پر تبصرہ:

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ - امّا بعد: چند سال پیشتر جب کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کا سلسلہ بعنوان "الحسین پر تبصرہ" بعض ماہنامہ میں شروع ہوا تو احباب نے اس کی طرف توجہ منعطف کروائی اور جوں جوں یہ سلسلہ بڑھتا گیا اس پر اظہار خیال وتبصرہ کے لئے اصرار شدت اختیار کرتا گیا، مگر راقم الحروف اس پر قلم اٹھانے سے بوجوہ ذیل ہمیشہ پہلوتہی واعراض کرتا رہا۔

① یہ مسئلہ اور اس قسم کے سینکڑوں مسائل میری نظر میں کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اس لئے ان کی طرف توجہ کرنا قیمتی وقت کی تضییع ہے۔ یہ مسئلہ نہ تو دین کے اصول سے ہے اور نہ ہی فروع سے۔ آخرت میں کوئی حساب وکتاب وباز پرس اس سے متعلق نہیں۔ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ دین کے اہم مسائل جن پر اخروی نجات موقوف ہے،

آج کے مسلمانوں کو ان سے قطعی طور پر بے خبر ہونے کے باوجود ان کا علم حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی، وضو اور نماز تک کے مسائل معلوم نہیں، حالانکہ احکام دین میں نماز اور اس کے احکام اشہر و اہم ہیں، جب پنجگانہ نماز سے متعلق علم کی یہ کیفیت ہے تو دیگر عبادات و معاملات، بیوع و اجارات، آداب و اخلاق سے متعلق ان کے علوم کی سطح کیا ہوگی؟

غرضیکہ جن امور کے مکلف ہیں اور آخرت میں ان سے مسئول ہوں گے اور وہ مدار نجات ہیں ان سے تو اس قدر غفلت، گویا اپنی فلاح و بہبود سے کوئی سروکار ہی نہیں، نہ جنت کی خواہش نہ جہنم کا خوف، نہ رضائے الٰہی مطلوب، نہ اس کے غضب و انتقام سے بچنے کی فکر، اپنے نفس کے ساتھ تو یہ تہاون و بے اعتنائی برتی جا رہی ہے، مگر افراد اور دوسروں کے تزکیہ و تعدیل کی فکر اور شب و روز اسی میں مشغول و دھن ہے ؎

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

کل نفس بما کسبت رہینۃ — لا تزر وازرۃ وزر اخری — تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون — جیسی نصوص صریحہ سے قطع نظر ادنیٰ سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ کسی فرد یا گروہ کے کا حکم و منصف بن کر بیٹھنا، خصوصاً حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر اکابر امت کی حسنات و سیئات کا جائزہ لینا اور ان کے عیوب کی تنقید و تنقیح کے درپے رہنا کتنی بڑی حماقت ہے ؎

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنے گناہوں پہ جب نظر تو نگاہ میں کوئی برا نہ رہا

(۲) موضوع سخن تفسیق و تعدیل ہے جو ایک مسلم کے لئے بہت ہی کٹھن گھاٹی ہے، ایک طرف قولہ تعالیٰ: فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی — وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تزکوا علی اللہ احدا — وقولہ لعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عصفور من عصافیر الجنۃ — وقولہ لام العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا رحمۃ اللہ علیک ابا السائب فشہادتی علیک لقد اکرمک اللہ، پر انکار فرمانا، اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول واللہ انی لاراہ مؤمنا کے جواب میں او مسلما ارشاد فرمانا، اور دوسری جانب قولہ تعالیٰ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا — وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر — لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذلک — ھلا شققت قلبہ — ظنوا بالمؤمنین خیرا — ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث — اذکروا موتاکم بخیر — لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ما قدموا جیسے ارشادات اس مسئلہ میں لب کشائی کی مجال ختم کر دیتے ہیں۔

③ قلم فرسائی وطبع آزمائی کے لئے تختۂ مشق — حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور حضرات تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کی مقدس جماعت کو ہدف منتخب کیا جاتا ہے جن کے مدائح ومناقب سے قرآن وحدیث کے ذخائر ودفاتر معمور ہیں جن کی عبادت پر فرشتوں کو رشک تھا جن کی زندگی امت کے لئے اسوہ ہے اور جن کے اقوال وافعال قیامت تک آنے والی امت کے ایمان کا مدار ومعیار۔ ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا — لیغیظ بھم الکفار — اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضا من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم — خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم — النجوم امنۃ للسماء واصحابی امنۃ لامتی — آیۃ الایمان حب الانصار وآیۃ النفاق بغض الانصار، ان صحبت الیہا تربیہ وبغضہم بالاذی جیسی نصوص سے اس مقدس گروہ کی محبت کو ضروری بلکہ عین ایمان اور ان سے بغض کو معصیت بلکہ عین کفر قرار دیا گیا۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اختلاف پر لب کشائی کرنے کی موزوں مثال یہ ہو سکتی ہے کہ دو شہزادوں کا اختلاف دیکھ کر کوئی چپراسی حکم بن کر ان کا فیصلہ کرنے لگے اور انھیں سب وشتم سے نوازنے، غور کیجئے کہ ایسے حکم پر بادشاہ کا غیظ وغضب کس درجہ ہوگا؟

④ زیر بحث عنوان کی حقیقت تک پہنچنا متعسر بلکہ متعذر ہے، اس سلسلہ کی تاریخ اس قدر غبار آلود ہے کہ اصل واقعہ کا تنقیہ وتنقیح ناممکن ہے، سبائی گروہ کی ریشہ دوانیوں سے جب حدیث بھی محفوظ نہ رہ سکی، حالانکہ اس میں تنقید رجال کا پورا اہتمام ہوتا ہے تو تاریخ کا ملوث نہ ہونا کیونکر ممکن ہے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ تاریخ پر کامل طور پر سبائی گروہ متصرف اور حاوی رہا ہے، اور افتراء، بہتان تراشی، وضع روایات، کذب ودجل وتلبیس اس گروہ

کا جزو امتیاز بلکہ عین ایمان ہے۔

جب ایک وزیر اعظم جو قوم کا محبوب ترین لیڈر بھی تھا اس کے علی الاعلان قتل کے ساتھ کی تحقیق سے آج تک حکومت عاجز ہے، حالانکہ تحقیق و سراغرسانی کے جدید ذرائع بھی ایجاد ہو چکے ہیں کہ ان پر فخر کیا جاتا ہے اور پھر تحقیق کرنے والی خود حکومت، تو صدیوں قبل کے واقعہ کی تحقیق کا تصور کیسے صحیح ہو سکتا ہے، خصوصاً جبکہ تیرہ صد سالہ تاریخ اعداء کے ہاتھوں میں رہی اور وہ حسب منشا تاریخ کا رُخ پلٹتے رہے۔ قال الامام الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ: ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ او رضی بہ فینبغی ان یعلم بہ غایۃ الحماقۃ فان من قتل من الاکابر والوزراء والسلاطین فی عصرہ لو اراد ان یعلم حقیقۃ من الذی امر بقتلہ ومن الذی رضی بہ ومن الذی کرھہ لم یقدر علی ذلک وان کان الذی قد قتل فی جوارہ وزمانہ وھو یشاھدہ فکیف لو کان فی بلد بعید وزمن قدیم قد انقضی فکیف یعلم ذلک فیما انقضی علیہ قریب من اربع مائۃ سنۃ فی مکان بعید وقد تطرق التعصب فی الواقعۃ فکثرت فیھا الاحادیث من الجوانب فھذا امر لا یعلم حقیقتہ۔ (وفیات الاعیان ج ۱ ص ۳۲۸)

(۵) سبائیوں کی طرف سے شب و روز خرافات اور اسلاف پر الزامات اور ان کی شان میں گستاخیوں کا سلسلہ ہی ہمیں اسلاف سے دفاع کے لئے اس بحث میں پڑنے پر مجبور کرتا ہے، ان حالات میں سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا صحیح اور معقول علاج تو یہ ہے کہ اسلاف کی تصدیق و تعدیل اور ان کے ایمان و کفر کی تحقیق کی بجائے خود سبائیوں کے ایمان کی تحقیق کا مسئلہ پیش کیا جائے اور ان سے ان کے ایمان کے اثبات کا مطالبہ کیا جائے جبکہ ان کے ہاں قرآن کریم کی تحریف کا مسئلہ متواترات میں سے ہے اور اس قرآن میں ایک حرف بھی صحیح نہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)

دراصل سبائی گروہ اپنے ایمان کی حقیقت کو چھپانے کی غرض سے جینترا بدل کر اسلاف کے ایمان و کفر کا موضوع چھیڑتے ہیں۔ اندریں صورت بغرض دفاع ہمارا اس بحث میں کود پڑنا ہی ان کی کامیابی ہے۔ نیز موضوع بحث ہمیشہ ایسا امر ہونا چاہیے کہ اس میں کامیابی مفید ہو اور کبھی عوارض کی وجہ سے کلی و عارضی ناکامی میں ضرر کا کوئی خطرہ نہ ہو۔ یعنی فائدہ مظنون اور عدم ضرر متیقن ہو۔ اس لئے ہر لحاظ سے اسلاف کے کردار کی بجائے سبائیہ کے ایمان اور کردار ہی کو موضوع بحث بنانا موزون و معقول ہے بہ نسبت کردار اسلاف کے

قول عصفور من عصافير الجنة پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما کر طریق ادب کی
تعلیم فرمائی، باوجودیکہ بچے کے معذب ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں، حضرت عثمان بن مظعون
رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کی وفات پر حضرت ام العلاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا
کے قول: شهادتي عليك لقد أكرمك الله، پر نکیر فرمائی، اور اسی پر بس نہیں، بلکہ
فرمایا: وما أدري والله وأنا رسول الله ما يفعل به، حالانکہ بعد میں حضرت ام العلاء
رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خواب کی تعبیر میں فرمایا: ذلك عمله، حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے قول واللہ انی لاراہ مؤمنا کے جواب میں او مسلما فرمایا، حالانکہ بعد میں خود ہی
شخص معہود کے مخلص مومن و صالح ہونے کی تصدیق فرمائی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کوئی شخص معین
و مشخص طور پر مبشر بالجنۃ ہو تو بھی قطعی حکم لگانا نظر شرع میں محمود نہیں، خلاف ادب ہے
یزید سے متعلق مشخص طور پر کوئی بشارت نہیں، بلکہ بشارت کے کلیہ کے تحت خود
میں بھی کلام ہوا ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ مہلب کا قول: في هذا الحديث
منقبة لمعاوية رضي الله تعالى عنه لانه اول من غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من
غزا مدينة قيصر نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں: وتعقبه ابن التين وابن المنير بما حاصله
انه لا يلزم من دخوله في ذلك العموم ان لا يخرج بدليل خاص اذ لا يختلف
اهل العلم ان قوله عليه السلام مغفور لهم مشروط بان يكونوا من اهل المغفرة
حتى لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلك لم يدخل في ذلك العموم اتفاقا فدل على
ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فيه منهم (حاشية صحيح البخاري جلد ا ص ۴۱۰)
اس کے پیش کرنے سے یہ مقصد نہیں کہ یقیناً یزید اس بشارت سے خارج ہے، مقصد صرف
یہ ہے کہ یزید کے فسق و فجور و شرب الخمور سے تعلق اس شدت سے پروپیگنڈہ کیا گیا کہ بعض
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسے ان معاصی کا مرتکب خیال کرنے لگے اور اجلہ
بھی اکابر امت میں سے کئی جلیل القدر ہستیوں کا یہی نظریہ تھا۔ یزید کے مناقب اور
اس پر وارد کردہ الزامات پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم و دیگر اکابر امت کے
چند نظریات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) ابن التین و ابن المنیر کا نظریہ اوپر بحوالہ قسطلانی تحریر کیا جا چکا ہے۔

(۲) فتح الباری و قسطلانی میں طبری سے منقول ہے: ان یزید بن معاویة کان

بأهل الحرة أمورا منكرة (منهاج السنة لابن تيمية ج ۲ ص ۲۴۷)

⑨ تفسیر مظہری میں ابن الجوزی سے یہ روایت منقول ہے: روى القاضي أبو يعلى في كتابه معتمد الأصول بإسناده عن صالح بن أحمد بن حنبل أنه قال قلت لأبي يا أبت يزعم بعض الناس أنا نحب يزيد بن معاوية فقال أحمد رحمه الله تعالى يا بني هل يسوغ لمن يؤمن بالله أن يحب يزيد ولم لا يلعن رجل لعنه الله في كتابه قلت يا أبت أين لعن الله يزيد في كتابه قال حيث قال فهل عسيتم إن توليتم أن تفسدوا في الأرض وتقطعوا أرحامكم أولئك الذين لعنهم الله فأصمهم وأعمى أبصارهم۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج السنۃ میں دیگر اکاذیب کے رد و ابطال کے ساتھ اس روایت کا جواب بھی دیا ہے۔ ونصہ: وأما ما نقله عن الإمام أحمد رحمه الله تعالى فالمنصوص الثابت عنه من رواية صالح أنه قال ومتى رأيت أباك يلعن أحدا لما قيل له ألا تلعن يزيد وثبت عنه أن الرجل إذا ذكر الحجاج ونحوه من الظلمة وأراد أن يلعن يقول ألا لعنة الله على الظالمين وكره أن يلعن المعين باسمه وما روي عنه في لعنة يزيد فهو رواية منقطعة ليست ثابتة عنه (منهاج السنة ج ۲ ص ۲۴۵)

وأيضا فيه تنازع الناس في لعن الفاسق فقيل إنه جائز كما قال ذلك طائفة من أصحاب أحمد رحمه الله تعالى وغيرهم كأبي الفرج بن الجوزي وغيره وقيل إنه لا يجوز كما قال ذلك طائفة أخرى من أصحاب أحمد رحمهم الله تعالى وغيرهم كأبي بكر عبد العزيز وغيره والمعروف عن أحمد رحمه الله تعالى كراهية لعن المعين كالحجاج بن يوسف وأمثاله وأن يقول كما قال الله ألا لعنة الله على الظالمين۔ اس کے بعد حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے لعن معین کے عدم جواز پر بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شارب خمر کو لایا گیا کسی نے اس پر لعنت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور علت "انه یحب اللہ ورسولہ" بیان فرمائی۔ یہ علت ہر مؤمن میں موجود ہے اور مطلقاً شارب خمر پر لعنت خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں: ونحن نعلم أن أكثر المسلمين لا بد لهم من ظلم فإن فتح هذا الباب ساغ أن يلعن أكثر موتى المسلمين والله تعالى أمر بالصلاة على موتى المسلمين ولم يأمر بلعنتهم ثم الكلام في لعنة الأعيان

اس کے بعد فرماتے ہیں: عن عبد اللہ بن عبید قال وفد الحارث بن عبد اللہ علی عبد الملک بن مروان فی خلافتہ فقال عبد الملک ما اظن ابا خبیب یعنی ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سمع من عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ما کان یزعم انہ سمعہ منھا قال الحارث بلی انا سمعتہ منھا (الی قولہ) قال عبد الملک للحارث انت سمعتھا تقول ھذا قال نعم قال فنکت ساعۃ بعصاہ وقال وددت انی ترکتہ وما تحمل (رواہ مسلم) قلت ولھذا کان طائفۃ اخری رأوا اقرارھا علی الصفۃ التی کانت علیھا زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقرھا کذلک ثم انہ لما فعل ابن الزبیر ما فعل اعاد عبد الملک ان تعاد کما کانت لانھم اعتقدوا ان ما فعلہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما لا مستند لہ ولما بلغہ الحدیث تأسف وترک فلما کانت خلافۃ الرشید رحمہ اللہ تعالیٰ شاور مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ فی ان یفعل کما فعل ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنھما فاشار علیہ ان لا یفعل ذلک وقیل عن الشافعی انہ رجح فعل ابن الزبیر وکان من الامراء والعلماء الذین رأوا ھذا او ھذا معظمون للکعبۃ مشرفون لھا انما یقصدون ما یرونہ احب الی اللہ ورسولہ وافضل عند اللہ ورسولہ لیس فیھم من یقصد اھانۃ الکعبۃ الخ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۹)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ بناء کعبہ کا مسئلہ مجتہد فیہا ہے عبد الملک کا نظریہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مطابق تھا، حدیث کی تصدیق کے بعد اس سے رجوع کر لیا اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بناء ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پسند فرماتے تھے اور یہ دونوں خیال احترام کعبہ پر مبنی ہیں نہ کہ اہانت کعبہ پر۔

غرضیکہ مذکورہ مطاعن میں سے اگرچہ اکثر کا جواب بھی دیا گیا ہے مگر بمطالعہ اس اختلاف اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ودیگر اکابر امت کے خیالات سے یزید کا وزن ضرور گھٹ جاتا ہے، اگرچہ یہ خیالات غلط پروپیگنڈہ سے تاثر کی وجہ ہی سے کیوں نہ ہوں، پھر اس پروپیگنڈہ کو یقینی طور پر غلط بھی نہیں کہا جا سکتا بلکہ ایک تابعی کی جلالت شان اور اس کے مناقب کے پیش نظر حسن ظن کے درجہ میں اس پروپیگنڈہ کا بطلان ثابت ہوتا ہے جس امر کے بطلان کو فہم وفراست کے پتلے دین وتقویٰ کے مجسمے قریب سے حالات کو دیکھنے والے بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہ سمجھ سکے ہمارے لئے اس کے بطلان کا یقینی حکم لگانے کی کوئی گنجائش نہیں، یزید کی طرف سے دفاع کرنے والی جماعت بھی محض حسن ظن کے درجہ

ہی سبب یہ ہو سکتا ہے چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اما الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ فانہ خالف فی ذلک ومنع من شتمہ ولعنہ لانہ مسلم ولم یثبت بانہ رضی بقتل الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولو ثبت لم یکن ذلک مسوغا للعنہ لان القاتل لا یلعن لاسیما وباب التوبۃ مفتوح والذی یقبل التوبۃ عن عبادہ غفور رحیم (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۲۳) حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج السنۃ میں تقریباً یہی الفاظ تحریر فرمائے ہیں: لا یلعن من ھو ظالم منہ کالمختار الثقفی والحجاج۔ اور فرمایا: غایتہ ان یکون فاسقا ولعن الفاسق المعین لیس بجائز۔ پھر فرمایا کہ لعنت کی کمیات کا ارتفاع توبہ اور حسنات ماحیہ اور مصائب مکفرہ سے ہو سکتا ہے۔ نیز کلیات حسن کے معارض کلیات مغفرت بھی ہیں۔ اول جیش الخ وغیرہ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۵۲)

یزید سے دفاع میں شاید ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی نے جدوجہد کیا ہو، اس کے باوجود ایک موقع پر فرماتے ہیں: ومع انہ کان فیہ من الظلم ما کان ثم انہ لم یقتل ھو وفعل باھل الحرۃ اموراً منکرۃ (منہاج السنۃ ج ۲ ص ۲۴۷)

وایضا قال فی فتاوٰہ ومنہم من یجعلہ من ائمۃ الھدیٰ والعدل فی حق جعلہ بعضہم نبیا وبعضہم صحابیا وھذا کلہ من اباطیل الجھال والضلال بل الحق فیہ انہ کان ملکا من ملوک المسلمین لہ حسنات ولہ سیئات والقول فیہ کالقول فی امثالہ من الملوک لا نحبہ ولا نسبہ وھو اول من غزا قسطنطینیۃ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش یغزوھا مغفور لھم وفعل فی اھل المدینۃ ما فعلہ وقد توعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخاف فیھا من اہلہا۔ (فتاوی ابن تیمیۃ ص ۲۰۱)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ معائب یزید سے متعلق روایات کی تضعیف کرنے کے باوجود فرماتے ہیں: وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشھوات وترک بعض الصلوات فی بعض الاوقات وامانتھا فی غالب الاوقات (البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص ۲۳۰)

حاصل یہ کہ یزید سے متعلق حسن ظن کے درجہ میں مطاعن سے کف لسان اور توقف ہی اسلم واحسن ہے مگر مصنف نے جیسے یزید کے حق میں افراط سے کام لیا ہے اسی طرح دوسری جانب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باغی، نفس پرست، محب جاہ کا شکار اور اقتدار کا بھوکا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور

جلیل القدر صحابی پر ایسی جرأت اور دیدہ دلیری ہے کہ جس کے تصور ہی سے ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جسے نقل کرتے ہوئے قلم ہاتھ سے چھوٹا جا رہا ہے ؎

ان کان رفضا حب آل محمد ۞ فلیشهد الثقلان انی رافضی

مصنف نے کئی جگہ یہی اس خطرناک ضلالت کو ظاہر کیا ہے، بلکہ اگر حسن ظن سے کام نہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ساری کتاب کی تالیف سے مقصد ہی یہی ہے، چند عبارات ملاحظہ ہوں:

① ص ۲۰ پر مورخ دوزی کے حوالہ سے لکھا ہے:

"حسین کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطاء ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں رہا ہو ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔"

یہ عبارت اگرچہ دوزی کی ہے مگر اس کتاب میں بلا نکیر لانے سے نیز آئندہ عبارات سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ مصنف خود بھی اس نظریہ کا حامل ہے۔

② ظاہر ہے کہ حضرت حسین کے یہ بھائی بھی ان کے خروج کو طلب حکومت و خلافت ہی کا ایسا اقدام سمجھتے تھے جو کسی طرح جائز و مناسب نہ تھا (ص ۸۸)

③ حضرت حسن ہمیشہ جنگ جوئی سے علیحدہ رہے اور صلح و مصالحت کے لئے کوشاں، برخلاف حسین کے ان کے چھوٹے بھائی (ص ۹)

اس کے بعد چند واقعات لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ بچپن ہی سے طبعاً شریر واقع ہوئے تھے۔

④ ص ۱۹۹ پر مورخ دوزی سے نقل کیا ہے:

"حسین نے حب جاہ کی مہلک ترغیبات پر کان دھرنے کو ترجیح دی اور ان لاتعداد خطوط (دعوت ناموں) کی فریب خوردہ نمائش کرتے رہے جو ان کو موصول ہوئے تھے اور جن کی تعداد جیسا کہ شیعی سے کہتے تھے ایک اونٹ کے بوجھ کے مساوی تھی۔"

⑤ دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے (ص ۱۸۰)

کیا یہ نظریات محض افتراء اور بہتان نہیں؟ کیا جملہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے

متعلق مناقب وفضائل منصوصہ کے علاوہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں خصوصیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی روایات صحیحہ سے ثابت نہیں؟

اگر یزید کے متعلق حسن ظن سے کام لیتے ہوئے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کی تغلیط فرض ہے تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق حسن ظن سے کام لے کر ان کے اقدام کا کوئی صحیح محمل قرار دینا کیوں ضروری نہیں؟

یہ تو ایک بدیہی امر ہے کہ یزید کے فسق وفجور وشرب الخمور کی تشہیر اس درجہ تک ہو گئی تھی کہ کئی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یزید کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے۔ اہل مدینہ جن میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اطاعت امیر کی تاکید اور اہمیت جانتے ہوئے بغاوت پر اتر آئے ہیں، اس سے اس وقت یزید کے متعلق عام رجحان اور پروپیگنڈہ سے تأثر کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔

ان حالات میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقدام کے جواز کی معقول اور قرین قیاس یہ وجہ ہے کہ عام پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر دوسرے بہت سے حضرات کی طرح آپ کے نزدیک بھی یزید کا فسق وفجور متیقن ہو چکا تھا، اور یہ امر بھی بدیہی ہے کہ نہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں یزید کے استخلاف پر اہل حل وعقد کا اتفاق ہوا اور نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد متصل یزید کی خلافت کا مسئلہ بالاتفاق طے ہوا۔

غرضیکہ جب خلافت پورے طور پر قائم نہیں ہوئی اور جو شخص خلافت پر قابض ہونا چاہتا ہے اس کے فسق وفجور کا یقین ہے تو کیا ان حالات میں ایسے شخص کو برسر اقتدار آنے سے روکنے کی حتی المقدرۃ سعی کرنا فرض نہیں؟ بلکہ فسق وفجور کا یقین یا گمان بھی ایسے اقدام کے لئے ضروری نہیں، جواز اقدام بلکہ بعض اوقات وجوب اقدام کے لئے مدعی خلافت میں عدم اہلیت یا ملت کے نقصان کا اندیشہ کافی ہوتا ہے، اگرچہ مدعی خلافت صالح و متدین ہی کیوں نہ ہو۔

یزید کی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف نہ تو فسق وفجور کا کوئی پروپیگنڈہ تھا اور نہ ہی آپ کی خلافت میں اتنا اختلاف تھا جتنا کہ یزید کی خلافت میں، اس کے باوجود محض مسئلہ قصاص میں تہاون وتساہل کے غلط پروپیگنڈہ سے متأثر ہو کر حضرت معاویہ اور

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی ہستیوں کی تلواریں اگر نیام سے نکل سکتی ہیں تو یزید کے خلاف پروپیگنڈہ کی شدت اور خلافت کے کامل طور پر قائم نہ ہونے کی وجہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے میدان میں آنے کی کیوں گنجائش نہیں؟

جب ہم تفسیر تقریباً جمیع اہل مدینہ مع متعدد صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہو سکتے ہیں تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس پر اعتماد کر لینا کیا بعید ہے؟ عام طور پر پروپیگنڈہ کی وجہ سے کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا دھوکہ میں آجانا کچھ مستبعد نہیں۔ چنانچہ اہل تشیع کے پروپیگنڈہ سے دھوکہ کھا کر صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محقق نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف جواز متعہ کا قول منسوب کر دیا، حالانکہ حرمت متعہ کی روایات جس کثرت سے موطا مالک رحمہ اللہ تعالیٰ میں مروی ہیں شاید کسی اور کتاب میں نہ ہوں، فقہ مالکیہ میں بھی متعہ کی حرمت مصرح ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب یہ کہ ساری امت کو اس مغالطہ میں ڈالنے میں اعداء دین کامیاب ہو گئے کہ مدنی زندگی کی ابتداء میں متعہ کی اجازت تھی، حالانکہ الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم جیسی نصوص قرآنیہ جو حرمت متعہ پر بین الدلالۃ ہیں مکہ میں نازل ہو چکی تھیں جن کے بعد حلت متعہ کا کوئی وہم نہیں ہو سکتا، پھر مضحکہ خیز امر یہ ہے کہ اگر ان آیات کے خلاف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں پہنچ کر متعہ کی اجازت دے دی تھی تو یہ آیات منسوخ ٹھہریں، مگر اس کے برعکس ان ہی آیات کو حلت متعہ کے لئے ناسخ بیان کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ متعہ مروجہ تاریخ اسلامی میں ایک منٹ کے لئے بھی حلال نہیں ہوا، مگر ساری امت کو ابتداء ہجرت میں حلت متعہ کا یقین دلا دیا گیا ہے جو صرف پروپیگنڈہ ہی کا کرشمہ ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس اقدام پر یہ امر بھی مجبور کر رہا تھا کہ انہیں یزید کی بیعت نہ کرنے پر قتل کا اندیشہ بلکہ یقین تھا، حالانکہ خلافت قائم ہو جانے کے بعد بھی ہر فرد پر بیعت خلیفہ فرض نہیں، صرف اتنا فرض ہے کہ بغاوت نہ کرے۔ ممکن ہے کہ نفس الامر میں قتل اور جبر وغیرہ کی کوئی صورت حکومت کی جانب سے صادر نہ ہوتی، مگر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا یقین ضرور تھا، چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خیال نقل فرمایا ہے جو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے جواب میں ان الفاظ میں ظاہر فرمایا تھا: لان اقتل بمکان کذا وکذا احب الی

من ابن اقتص بھذا و تستحل بہ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۶۸) اور غالب بن الفرزدق کے قول ما الحیاۃ عن معصوم؟ کے جواب میں فرماتے ہیں الیوم اعمل (حضرت البدایہ والنہایہ ص ۱۶۹ ج ۸)

خلاصہ یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایسے وقت میں کہ خلافت کی حقیقت ختم ہو رہی تھی ایسے شخص کو برسر اقتدار آنے سے روکنے کی سعی کی جو ان کے خیال میں فسق و فجور یا بعض دیگر وجوہ کے باعث مستحق خلافت نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ اقدام حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فرض تھا خصوصاً جبکہ شرعی فرض سے عاجز نہ تھے اور اقدام نہ کرنے میں جبری بیعت کا اندیشہ اور خوف قتل بھی تھا تو یہ اقدام اور بھی زیادہ مؤکد ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نظریہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موافق تھا چنانچہ ابن اثیر فرماتے ہیں: فقال لہ ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اما لو کان لی بھا مثل شیعتک لما عدلت عنھا ثم خشی ان یتھمہ فقال لہ اما انک لو اقمت بالحجاز ثم اردت ھذا الامر ھھنا ما خالفنا علیک وساعدناک و بایعناک ونصحنا لک (الکامل لابن الاثیر ج ۴ ص ۱۶) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیان میں ابن زیاد ظالم اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مظلوم تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی مندرجہ ذیل روایت سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے تأثرات کا اندازہ فرمائیے: عن ابن ابی نعم قال کنت شاھدا لابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وسألہ رجل عن دم البعوض فقال ممن انت فقال من اھل العراق قال انظروا الی ھذا یسألنی عن دم البعوض وقد قتلوا ابن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ھما ریحانتای من الدنیا (صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۳۰)

غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اقدام کو شرعی فرض سمجھ کر نکلے تھے مگر جب راستہ ہی میں جب خلافت یزید کا اصل طور پر قیام و استحکام معلوم ہو گیا تو فوراً اپنے موقف سے ہٹ گئے کیونکہ قیام خلافت کے بعد جواز خروج کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

الغرض جس طرح یزید کے بارے میں توقف بہتر ہے اسی طرح بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ مؤکد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کف لسان ہے اور ان کا اعزاز و احترام اور ان سے محبت و عقیدت اور حسن ظن ضروری ہے کہ یہی صراط مستقیم بین الافراط والتفریط ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ فیصلہ اور مذہب و شعار ہے۔ آج تک اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی فرد نے بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں گستاخی اور آپ کی طرف

سے یزید کی نسبت کو روا نہیں رکھا، بلکہ آپ کی محبت کو عین ایمان سمجھتے ہیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ان کان رفضا حب آل محمد   فلیشهد الثقلان انی رافضی

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متعلق بدظنی کا نظریہ اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک معتدل میں ہرگز نہیں سما سکتا، بلکہ یہ روافض کے افراط کے مقابلہ میں خوارج کی تفریط ہے، اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

آخر میں دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو عموماً اور مؤلف خلافت معاویہ و یزید کو خصوصاً روافض و خوارج کی افراط و تفریط اور بعض اخر ھذہ الامۃ اولہا کی وعید سے محفوظ رکھیں اور اسلاف خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے عقیدت و محبت اور ان کے اتباع کا جذبہ عنایت فرمائیں، اسلاف کی عیب جوئی و تجسس کی بجائے اپنے باطن کی اصلاح اور فکر آخرت کی نعمت سے نوازیں۔

کہاں تک روئے گا او جینے والے مرنے والے کو، نہ کچھ اپنی فکر تجھ کو پرائے غم سے کیا مطلب

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انک رءوف رحیم۔ فقط واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

رشید احمد

۱۹/ محرم سنہ ۹۰ھ

تنبیہ

بندہ نے تحقیق مذکور میں مصنف کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کی تلبیسات سے قطع نظر کرتے ہوئے نفس مسئلہ سے متعلق اظہار خیال پر اکتفاء مناسب سمجھا، جس کی بعض احباب کو شکایت تھی، اسی اثناء میں ماہنامہ دار العلوم دیوبند میں ذیل کا مضمون نظر سے گزرا جس میں کتاب مذکور کی تلبیسات پر بقدر ضرورت و کفایت سنجیدہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، لہٰذا اس مضمون کو تحقیق بالا کا تتمہ بنا دینا مناسب معلوم ہوا تاکہ کتاب مذکور کی صحیح حقیقت اور اس سے متعلق علماء حق کے نظریات بھی نفس مسئلہ کی تحقیق کے ساتھ منظر عام پر آجائیں۔

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" پر ایک طائرانہ نظر

مولانا عزیز احمد صاحب بی۔ اے قاسمی ناظم شعبۂ دستار بندی دارالعلوم دیوبند

ناظرین!

کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف جناب محمود احمد عباسی نے حوالجات میں بیجا تصرف اور تلبیس کر کے صحافتی دیانت کو مجروح فرمایا ہے، کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے پہلے ایک نظریہ قائم کر لیا کہ نعوذ باللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خروج کیا اور یزید نہایت متقی اور پرہیزگار تھا۔ پھر اس نظریہ کے ماتحت کتابوں کا مطالعہ شروع کیا اور کتابوں میں جہاں کہیں یزید کی تعریف میں کوئی جملہ نظر آیا اُسے لے لیا، اور اسی عبارت میں جو جملے یزید یا عمر بن سعد کے نقائص میں تھے اُن کو حذف کر دیا۔ حالانکہ ایک تحقیقی مضمون میں جو برسہا برس کی ریسرچ کا نتیجہ ہو یہی ہونا چاہیے کہ مناقب و معایب دونوں چیزوں کو اُجاگر کر کے پیش کیا جائے، نہ یہ کہ مناقب اُچھالے جائیں یا بغیر نقل کے ان کی غلط توجیہ کی جائے اور معایب پر پردے ڈالے جائیں، ذیل کے مضمون میں جناب محمود احمد صاحب عباسی نے جہاں جہاں دیدہ و دانستہ حوالجات اور ان کے تراجم میں تصرف کیا ہے ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کئے جا رہے ہیں، اس سے موصوف کی ریسرچ کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) منجملہ ان کے شیخ عبدالمغیث بن زہیر الحربی تھے، جن کے متعلق علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں "کان من صلحاء الحنابلة وکان یزار" (البدایة والنهایة ج ۱۲ ص ۳۲۸) یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے اور مرجع عوام تھے، انھوں نے امیر یزید کے حسن سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی "وله مصنف فی فضل یزید بن معاویة اتی فیه بالغرائب والعجائب" (البدایة والنهایة ج ۱۲ ص ۳۲۸)

ترجمہ: اور ان (شیخ عبدالمغیث) کی تصنیف سے فضل یزید بن معاویہ پر ایک کتاب ہے جس میں بہت سے غریب و عجیب حالات بیان کئے ہیں۔

راوین۔ کے درمیان جو عبارت ہے وہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے صفحہ ۵۵، ۵۶ کی ہے

اب اصل کتاب کی عبارت ملاحظہ ہو، "الشیخ عبدالمغیث بن زهیر الحربی کان من

سطحاء الحنابلة وكان يزار وله مصنف في فضل يزيد بن معاوية أتى فيه بالغرائب والعجائب وقد رد عليه أبو الفرج ابن الجوزي فأجاد وأصاب (البداية والنهاية ج ۱۳ ص ۳۲۸)

ترجمہ: شیخ عبد المغیث بن زہیر حربی حنبلی، حنابلہ میں سے تھے لوگ ان کی زیارت کو آتے تھے، اور ان (شیخ عبد المغیث) کی یزید بن معاویہ کی خوبیوں کے بارے میں ایک تصنیف ہے جس میں انھوں نے عجیب وغریب قسم کی باتیں بیان کی ہیں۔ اس تصنیف کا رد علامہ ابو الفرج ابن الجوزی نے کیا ہے، پس انھوں نے اچھا اور صحیح رد کیا۔

ابو الفرج ابن الجوزی کی کتاب کا نام ہے "الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید"

اب ذرا توجہ جناب محمود احمد عباسی کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے کہ "اتی فیہ بالغرائب والعجائب" کا ترجمہ موصوف نے یہ کیا ہے کہ "بہت سے عجیب وغریب حالات بیان کیے ہیں" جس سے ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ یزید کے حالات ایسے عمدہ تھے کہ ان کو سن کر تعجب ہوتا ہے حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ایسے مواقع پر "غرائب عجائب" کا استعمال اچھے معنی میں نہیں ہوتا ہے، بلکہ غیر مستند ہونے کے معنی میں ہوتا ہے، چنانچہ اس جملے کے معنی یہ ہوئے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیخ عبد المغیث نے جو کتاب یزید بن معاویہ کی فضیلت میں لکھی ہے اس میں غیر مستند باتیں لکھی ہیں۔ اب غور کیجئے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی صحت کو تسلیم کر رہے ہیں یا اس کا ضعیف ہونا ثابت کر رہے ہیں۔

دوسرے فاضل مصنف نے "اتی فیہ بالغرائب والعجائب" کے فوراً بعد جو عبارت تھی اسے دانستہ چھوڑ دیا حالانکہ وہ عبارت اسی کتاب کے بارے میں تھی جو شیخ عبد المغیث نے یزید کی فضیلت کے بارے میں لکھی تھی اور اس عبارت میں شیخ عبد المغیث کی کتاب کے بارے میں خود علامہ ابن کثیر کی رائے ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ جو عبارت مکمل درج کی گئی ہے اس میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابو الفرج ابن الجوزی نے شیخ عبد المغیث کی اس کتاب کا رد لکھا ہے جو یزید کی فضیلت میں تھی۔ اس کے بعد علامہ ابن کثیر ابو الفرج ابن الجوزی کی کتاب کے بارے میں اپنی رائے لکھتے ہیں کہ انھوں نے بہت عمدہ اور بہت صحیح رد کیا ہے۔ اب غور کیجئے کہ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی، اس سے یزید کی منقبت ظاہر ہوتی ہے یا تنقیص؟

جناب محمود احمد عباسی نے علامہ ابن کثیر کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ان پر کیسا

بہتان باندھا ہے۔ حافظ حدیث محدث ابن الجوزی اپنی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں: وقد أجاز العلماء الورعون لعنه. (حاشیہ نمبر ا ص ۳۳ و ۵)

ترجمہ: اور بہت پرہیزگار علماء نے اس (یزید) پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے، شیخ عبدالمغیث اور علامہ ابن الجوزی دونوں حنبلی ہیں۔

(۳) ایک دوسری عبارت "خلافت معاویہ ویزید" کی ملاحظہ ہو خلیفہ ناصر نے امیر یزید کے بارے میں شیخ سے جو سوال کیا اور جو جواب انھوں نے دیا، علامہ موصوف کے الفاظ میں سنئے:

فسأله الخليفة: أيلعن أم لا؟ فقال: لا أسوغ لعنه لأني لو فتحت هذا الباب لأفضى الناس إلى لعن خليفتنا. فقال الخليفة: ولم؟ قال: لأنه يفعل أشياء منكرة كثيرة منها كذا وكذا، ثم شرع يعدد على الخليفة أفعاله القبيحة وما يقع منه من المنكر.

(البداية والنهاية ج ۱۳ ص ۳۲۸)

ترجمہ: خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ لعن کرنا ہرگز جائز نہیں، اور لعن کا دروازہ کھول دیا جائے تو لوگ ہمارے موجودہ خلیفہ پر لعن کرنے لگ جائیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا کہ وہ بہت سے منکرات پر عمل پیرا ہوتے ہیں جن میں سے یہ اور یہ امور ہیں، انھوں نے خلیفہ کے برے فعال گنانے شروع کئے جو جو منکرات سرزد ہوتے تھے (خلافت معاویہ ویزید ص ۵۶)

مذکورہ بالا ترجمہ جناب محمود احمد عباسی نے کیا ہے۔ اب علامہ ابن کثیر کی عربی عبارت کا صحیح ترجمہ دیکھئے: "خلیفہ نے (شیخ عبدالمغیث سے) سوال کیا کہ یزید پر لعن کیا جائے یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اس (یزید) پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا کیونکہ اگر میں (اجازت دے دوں اور) یہ (لعنت کا) دروازہ کھول دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ پر لعنت کرنے لگیں گے۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیوں؟ شیخ نے کہا اس لئے کہ وہ (خلیفہ) بہت سے منکرات پر عمل کرتا ہے مثلاً یہ اور یہ امور۔ پھر شیخ نے خلیفہ کے سامنے ان منکرات کو گننا شروع کر دیا جو خلیفہ سے سرزد ہوتے تھے۔"

جناب محمود احمد صاحب عباسی کے ترجمے کا اور اس ترجمہ کا مقابلہ کیجئے تو حسب ذیل باتیں ملیں گی:

(۲) اس وضع نعنہ کا ترجمہ محمود احمد عباسی نے یہ کیا ہے کہ "لعن کرنا ہرگز بہتر نہیں" حالانکہ ایک معمولی درجہ کا عربی دان بھی جانتا ہے کہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے۔ اصل ترجمہ یہ ہے کہ "میں اس پر لعن کرنے کی اجازت نہیں دوں گا" اور اس اجازت نہ دینے کی وجہ شیخ نے یہ بیان فرمائی کہ "اگر میں یزید پر لعنت کی اجازت دے دوں تو لوگ ہمارے خلیفہ (ناصر) پر لعنت کرنے لگیں گے اور اس سے بغاوت کا چشمہ پھوٹ پڑے گا۔" پھر خلیفہ نے سوال کیا "وہ کیوں؟" تو شیخ نے فرمایا "اس لئے کہ خلیفہ فلاں فلاں منکرات پر عمل کرتا ہے" اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ یزید جن منکرات پر عمل کرتا تھا خلیفہ ناصر بھی ان ہی منکرات پر عمل کرتا ہے اس لئے اگر ان منکرات کی وجہ سے جن پر یزید عمل کرتا تھا میں یزید پر لعنت کی اجازت دیدوں تو لوگ خلیفہ ناصر پر بھی لعنت کرنے لگیں گے۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ آیا اس سے یزید کی تعریف نکلتی ہے یا اس کی تنقیص؟ اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یزید پر لعنت نہ کرنی چاہئے مگر اس سے یہ بات کیسے ثابت ہوئی کہ یزید منکرات پر عمل نہ کرتا تھا یا مستحق لعنت نہیں تھا اور بہت پاکباز تھا، بلکہ اس کے خلاف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ منکرات پر یقیناً عمل کرتا تھا، اس لئے جن امور کی وجہ سے خلیفہ ناصر یزید کو اپنے ذہن میں مستحق لعنت سمجھتے تھے، جیسا کہ ان کے سوال کرنے سے معلوم ہوتا ہے، وہ خود خلیفہ ناصر میں موجود تھے اسی بناء پر شیخ عبدالمغیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔

(۳) جناب محمود احمد عباسی نے کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کے لئے حسب ذیل حوالہ نقل فرمایا ہے۔

"تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر راوی حدیث میں کرتے ہوئے محدث یحیی بن عبدالملک بن عتبہ الکوفی المتوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو ثقۃ الثقات یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے تھے۔

مراسیل ابو داؤد میں ان کی مرویات ہیں (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۵)"

تہذیب التہذیب کا یہ حوالہ نقل کر کے محمود عباسی نے یزید کو ثقہ راوی ثابت کرنے کی جو سعی کی ہے اس میں لوگوں کو بہت زبردست دھوکہ دیا ہے۔ ذیل میں تہذیب التہذیب کی پوری عبارت نقل کی جاتی ہے جس میں سے یہ ٹکڑا لیا گیا ہے

(یزید) بن معاویۃ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیۃ بن عبد الشمس ابو خالد ولد فی خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعہد الیہ ابوہ بالخلافۃ فبویع سنۃ ستین وابی البیعۃ عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ولاذ بمکۃ والحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونہض الی الکوفۃ وارسل ابن عمہ مسلم بن عقیل بن ابی طالب لیبایع لہ بہا فقتلہ عبید اللہ بن زیاد وارسل الجیوش الی الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقتل کما تقدم فی ترجمتہ سنۃ احدی وستین ثم خرج اہل المدینۃ علی یزید وخلعوہ فی سنۃ ثلاث وستین فارسل الیہم مسلم بن عقبۃ المری وامرہ ان یستبیح المدینۃ ثلاثۃ ایام وان یبایعہم علی انہم خول وعبید لیزید فاذا فرغ منہا نہض الی مکۃ لحرب ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ففعل بہا مسلم الافاعیل القبیحۃ وقتل بہا خلقا من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وابنائہم وخیار التابعین رحمہم اللہ تعالیٰ وافحش القضیۃ الی الغایۃ ثم توجہ الی مکۃ فاخذہ اللہ تعالیٰ قبل وصولہ واستخلف علی الجیش حصین بن نمیر السکونی فحاصروا ابن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ونصبوا علی الکعبۃ المنجنیق فادی ذلک الی وہن ارکانہا ووہی بنائہا ثم احرقت وفی اثناء افعالہم القبیحۃ فجأہم الخبر بہلاک یزید بن معاویۃ فرجعوا وکفی اللہ المؤمنین القتال وکان ہلاک یزید فی نصف ربیع الاول سنۃ اربع وستین ولم یکمل الاربعین واخبارہ مستوفاۃ فی تاریخ دمشق لابن عساکر لیست لہ روایۃ تعتمد وقال یحیی بن عبد الملک بن ابی غنیۃ احد الثقات ثنا نوفل بن ابی عقرب ثقۃ قال کنت عند عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالیٰ فذکر رجل یزید بن معاویۃ فقال قال امیر المؤمنین یزید فقال عمر رحمہ اللہ تعالیٰ تقول امیر المؤمنین یزید وامر بہ فضرب عشرین سوطا ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النخعی۔ تقدم وجاءت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داؤد وقد نبہت علیہ فی الاصل وذلک علی الاطراف لتہذیب التہذیب للحافظ ابن حجر عسقلانی ع۶۹۹ صفحہ ۳۶۰، ۳۶۱ ج ۱۱] یہ پوری عبارت یزید کے بیان میں ہے کوئی لفظ کم و بیش نہیں ہے۔

ترجمہ: یزید بن معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدالشمس

یزید کی کنیت ابو خالد ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانے میں پیدا
ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں خلافت کا ولیعہد بنایا۔ سنہ ۶۰ھ
میں یزید کی بیعت کی گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم
نے بیعت سے انکار کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مکہ میں پناہ گزیں
ہو گئے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے لئے چل کھڑے ہوئے اور اپنے چچیرے
بھائی مسلم بن عقیل بن ابی طالب کو پہلے ہی روانہ کر دیا تاکہ کوفہ میں لوگوں سے حضرت
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بیعت لیں۔ ان کو عبیداللہ بن زیاد نے قتل کر دیا۔ اور
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ پر فوجیں روانہ کیں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سنہ ۶۱ھ میں شہید کر دیئے گئے جیسا کہ ان کے حالات میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ سنہ ۶۳ھ
میں اہل مدینہ نے یزید پر خروج کیا اور اس کی بیعت کو توڑ دیا تو یزید نے مسلم بن عقبہ المری
کی سرکردگی میں اہل مدینہ پر فوج کشی کرائی اور حکم دیا کہ تین دن تک مدینہ کو لشکری لوگ
(معاذ اللہ) مباح سمجھیں اور حکم دیا کہ اہل مدینہ سے یزید کے واسطے خادم اور غلام بننے کے
لئے بیعت لے۔ اور جب اس سے فارغ ہو جائے تو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
جنگ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہو۔ چنانچہ حسب حکم مسلم بن عقبہ المری نے مدینہ
میں افعال قبیحہ کئے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کی اولاد اور خیار تابعین رحمہم اللہ
تعالیٰ کی ایک بڑی جماعت کو تہ تیغ کر ڈالا اور اس واقعہ کو انتہائی برائی تک پہنچایا۔ چنانچہ
مسند دارمی میں ہے کہ قتل و غارت گری اور عصمت دری وغیرہ سب کچھ مدینہ منورہ
میں ہوا۔ تین روز تک مسجد نبوی میں نماز تک نہ ہوئی۔ حضرت سعید بن مسیب مسجد نبوی میں
دیوانہ بن کر بیٹھے رہے۔ ان ایام میں مزار مبارک سے اذان و تکبیر کی آواز آتی تھی۔
اسی آواز پر وہ تنہا نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ورنہ مسجد نبوی میں نہ کوئی اذان دینے والا تھا
اور نہ کوئی دوسرا نماز پڑھنے والا۔ پھر مکہ کی طرف روانہ ہوا مگر مکہ پہنچنے سے پہلے ہی
اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ کر ہلاک ہو گیا اور حصین بن نمیر سکونی کو قائم مقام بنا گیا۔ اس
لشکر نے مکہ میں ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا محاصرہ کیا اور خانہ کعبہ پر پتھر برسانے
کے لئے منجنیق (بڑے قسم کے توپ جن سے پتھر پھینکے جاتے ہیں) نصب کر دی اور
خوب پتھر برسائے جس کی وجہ سے بیت اللہ کے ستون اور عمارت کمزور ہو گئی۔ پھر

(قافلہ کو) جلا دیا گیا۔ انہی لڑائیوں کے دوران میں اچانک یزید بن معاویہ کے ہلاک
ہوجانے کی اطلاع پہنچی (خبر سنتے ہی) لشکر روانہ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مؤمنین
کو قتال سے بچالیا اور یزید کی ہلاکت سنہ ۶۴ ہجری میں ماہ ربیع الاوّل کے نصف میں ہوئی۔
وہ عمر کے چالیس سال بھی پورے نہ کرسکا۔ ابن عساکر کی تاریخ دمشق میں اس کے
پورے واقعات مذکور ہیں، یزید کی کوئی روایت حدیث قابل اعتماد نہیں ہے۔ یحییٰ بن
عبدالملک بن ابی غنیہ نے جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں بیان کیا کہ ہم سے نوفل بن
ابی عقرب نے بیان کیا جو ثقہ ہیں، میں امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے
پاس حاضر تھا، ایک شخص نے یزید بن معاویہ کا ذکر کیا اور کہا کہ "امیر المؤمنین یزید نے
یہ کہا" خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تو یزید کو امیر المؤمنین
کہتا ہے؟" اور اس شخص کے لئے بیس کوڑے مارنے کا حکم فرمایا، چنانچہ اس کے بیس
کوڑے مارے گئے۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) میں نے اس
(یزید) کا ذکر یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے یہاں کیا ہے (ورنہ
یہ صحاح ستہ کے راویوں میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کتاب میں ذکر کئے جانے کے
قابل نہیں ہے) مراسیل ابی داؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ملی ہے اور مزی
نے اطراف میں استدراک کے ساتھ اس مرسل روایت پر تنبیہ کی ہے۔

اس عبارت کا مقابلہ اس عبارت سے کیجئے جو جناب محمود احمد صاحب عباسی
نے پیش فرمائی ہے وہی کتاب ہے وہی صفحہ ہے مگر دیکھئے کہ کس طرح قطع و برید کر کے
یزید کو ثقہ راویوں میں شمار کرنے کی کوشش فرمائی ہے، دونوں عبارتوں کا مقابلہ
کرنے کے بعد جناب عباسی صاحب کی حسب ذیل خیانتیں منظر عام پر آجاتی ہیں۔

(الف) تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے،
جس میں حافظ صاحب موصوف نے صرف ان رجال (راویوں) کا تذکرہ فرمایا ہے
جو صحاح ستہ کے راوی ہیں، لیکن جہاں کہیں دو ناموں میں اشتباہ ہوتا ہے،
وہاں اشتباہ دور کرنے کے لئے دوسرے آدمی کا ذکر بھی کر دیتے ہیں، اگرچہ وہ
صحاح کے راویوں میں سے نہ بھی ہو۔ چنانچہ تہذیب التہذیب میں یزید کا
جو ذکر ہے وہ اس لئے نہیں ہے کہ یزید صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہے بلکہ

خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی زبانی سنیئے کہ یزید کا ذکر انھوں نے تہذیب التہذیب میں کیوں کیا؟ وہ فرماتے ہیں: ذکرتہ للتمییز بینہ وبین النخعی۔ یعنی میں نے یزید بن معاویہ اموی کا ذکر اپنی کتاب تہذیب التہذیب میں یزید بن معاویہ النخعی سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے کیا ہے۔

اب غور فرمائیے کہ جناب محمود احمد عباسی نے حقیقت کو کس طرح چھپایا اور تہذیب التہذیب میں یزید کا نام آجانے کی وجہ سے اسے رواۃ حدیث میں شمار کرکے لوگوں کو فریب میں مبتلا کردیا۔ یہاں نسیان نہیں ہے بلکہ دیدہ ودانستہ ایسا کیا گیا

(ب) جناب محمود احمد عباسی نے اسی حوالہ میں محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا ایک قول نقل کیا ہے اور دعویٰ یہ کیا ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ قول تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔
یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی کا نام سرے سے تہذیب التہذیب میں ہے ہی نہیں۔ البتہ یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ الخزاعی ابو زکریا الکوفی کا ذکر بے شک تہذیب التہذیب میں ہے۔ عذر کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتابت وطباعت کی غلطی ہے۔

(ج) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی نے امیر موصوف کا ذکر رواۃ احادیث میں کرتے ہوئے محدث یحییٰ بن عبد الملک بن عتبہ الکوفی المتوفی سنہ ۱۸۸ھ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ امیر یزید کو اخلاق الثقات یعنی ثقہ راویان حدیث میں شمار کرتے تھے۔

یہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور محدث یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں پر خالص افترا ہے کہ انھوں نے یزید کو ثقہ کہا ہے، بلکہ جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اس میں ملاحظہ فرمائیے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن عبد الملک بن ابی غنیۃ کی سند سے ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے خود یحییٰ بن عبد الملک کو احد الثقات (ثقہ راویوں میں سے ایک) کہا ہے اور ان کے شیخ نوفل بن ابی عقرب کو بھی ثقہ کہا ہے تاکہ سند کی صحت میں شبہ نہ رہے اور ان کی

سند سے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ان کے سامنے کسی شخص نے یزید کو امیر المؤمنین کہا تھا تو انہوں نے اس کے بیس کوڑے لگوائے حالانکہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ بھی بنو امیہ میں سے ہیں جن کا نسب نامہ یہ ہے: عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن ابی العاص ابن امیۃ بن عبد شمس القرشی الاموی، یہ صحاح ستہ کے راوی ہیں ان کا نسب اور یزید کا نسب امیہ پر جا کر مل جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اللہ تعالیٰ کے ولی کی صفت سے بیان کیا تھا مگر عباسی صاحب نے اسے یزید کے سر تھوپ دیا جسے اہل علم عبارت دیکھ کر خود سمجھ سکتے ہیں۔

(ل) جناب عباسی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: "مراسیل ابوداؤد میں ان (یزید) کی مرویات ہیں"

مرویات جمع کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد روایتیں ہیں، یہ بھی دھوکہ ہے مراسیل ابوداؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی ہے، جیسے امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے، اس کو مرویات کے لفظ سے تعبیر کرنا امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ پر افترا ہے۔ جو صحیح ترجمہ پیش کیا گیا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔ اس میں صاف ذکر ہے کہ مراسیل ابوداؤد میں صرف ایک مرسل روایت یزید کی نقل کی ہے۔ یہ خود حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ غور فرمائیے کس طرح جناب عباسی صاحب نے دھوکہ دینے کی سعی کی ہے۔ ناظرین کی توجہ ایک اور بات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ عباسی صاحب نے جس تہذیب التہذیب سے ابن حجر اور یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا ہے اسی تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یزید کے بارہ میں بیان میں ایک لفظ بھی یزید کی مدح کا ذکر نہیں کیا بلکہ ایسے الفاظ استعمال کئے جن سے اس کی منقصت ہی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً اس کی موت کے لئے لفظ "ہلاک" استعمال کیا، ساتھ ہی یہ ذکر کیا کہ اس نے اپنے لشکر کے سردار کو مدینہ منورہ کی غارتگری کا حکم دیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لشکر کشی کرائی، مدینہ منورہ کو تین دن تک بے طرح مباح کر دیا جس کے دوران میں قتل و غارتگری اور عصمت دری کے بے شمار واقعات پیش آئے، مکہ معظمہ پر چڑھائی کا حکم دیا جس کے نتیجہ میں کعبہ کی بنیادیں

فرود ہوگئیں اور پھر خانہ کعبہ جلا دیا گیا۔ ان امور کے علاوہ کوئی لفظ بھی یزید کی منقبت میں ذکر نہیں کیا۔ "تہذیب" کی عبارت کو اہل علم بغور سے پڑھیں نیز حافظ ذہبی نے یزید کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ (یزید بن معاویۃ ابن ابی سفیان الاموی روی عن ابیہ وعنہ ابنہ خالد وعبد الملک بن مروان۔ مقدوح فی عدالتہ لیس باھل ان یروی عنہ۔ وقال احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ لا ینبغی ان یروی عنہ (میزان الاعتدال ص ۴۴۰ ج ۴)

ترجمہ: یزید بن معاویہ بن ابی سفیان الاموی نے اپنے والد سے روایت کی ہے۔ اور خود اس سے اس کے بیٹے خالد اور عبد الملک بن مروان نے روایت کی ہے، اس کا عادل ہونا مجروح ہے یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے روایت کی جائے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

(۴) عباسی صاحب یزید کی فضیلت بیان کرتے ہوئے "البدایۃ والنہایۃ" کی عبارت حسب ذیل پیش فرماتے ہیں:

وکان ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی جیش یزید بن معاویۃ والیہ اوصی وھو الذی صلی علیہ۔ (البدایۃ والنہایۃ ص ۵۸ ج ۸)

ترجمہ: ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید بن معاویہ کے لشکر میں شامل تھے انھوں نے اسی (یزید) کو وصیت کی اور اسی (یزید) نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۲۷)

اور پھر تحریر فرماتے ہیں "ظاہر ہے کہ تمام مسلمانوں نے جو امیر یزید کے لشکر میں شامل تھے بشمول حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنازہ کی نماز میں بامامت امیر یزید شرکت کی۔

(خلافت معاویہ و یزید ص ۲۷)

"البدایۃ والنہایۃ" کی مذکورہ بالا عبارت ہی کے آخر میں حسب ذیل عبارت بھی ہے جسے عباسی صاحب نے دیدہ و دانستہ ترک کردیا تاکہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہوجائیں۔

قال احمد حدثنا اسحاق بن عیسیٰ قال حدثنی محمد بن قیس قاص عمر بن عبد العزیز عن ابی صرمۃ عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال حین حضرتہ الوفاۃ قد کنت کتمت عنکم شیئا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعتہ

یقول لولا انکم تذنبون لخلق اللہ قوماً یذنبون فیغفر لھم، وعندی ان ھذا الحدیث والذی قبلہ حمل یزید بن معاویۃ علی طرفی مرجاء الارجاء ورکب بسببہ افعال الکثیرۃ المنکرۃ علیہ کما سنذکرہ فی ترجمتہ واللہ اعلم (البدایۃ والنہایۃ ص ۵۹ ج ۸)

ترجمہ: حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں (ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں تم سے ایک حدیث چھپائے ہوئے تھا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم لوگ گناہ والے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو گناہ والی ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں بخشتا اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس حدیث نے اور اس سے قبل والی حدیث (من مات لا یشرک باللہ شیئاً جعلہ اللہ فی الجنۃ، بمسند امام احمد) نے ہی یزید بن معاویہ کو جری کر دیا تھا، اور اسی وجہ سے اس (یزید) نے بہت سے افعال قبیحہ کا ارتکاب کیا جیسا کہ عنقریب ہم اس کے ترجمہ میں ذکر کریں گے۔

آپ بتائیے کہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پوری عبارت سے یزید کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے یا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے قبیح افعال کا ارتکاب کیا، یزید نے جو جنازہ کی نماز پڑھائی وہ بحیثیت امیر لشکر ہونے کے پڑھائی جو قانون اسلامی ہے، اس صورت میں فاضل ومفضول کا سوال پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے نظائر تاریخ اسلامی میں موجود ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ میں اپنے غلام حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر لشکر مقرر فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے بڑے صحابہ تھے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لشکر کا سردار بنا کر روانگی کا حکم فرمایا تھا اور ان کی ماتحتی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابہ موجود تھے۔

⑤ عباسی صاحب موصوف نے یزید کے محاسن ثابت کرنے کے لئے "البدایۃ والنہایۃ" کی حسب ذیل عبارت بھی پیش فرمائی ہے: وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرامۃ والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرأی فی الملک وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ۔

(البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۰ ج ۸)

ترجمہ: اور یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی و شجاعت و بہادری کی تھیں، نیز معاملات حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی بھی ان میں تھی (خلافت معاویہ و یزید ص ۹۴)

مگر اس عبارت کے فوراً بعد ہی حسب ذیل عبارت تھی جسے عباسی صاحب نے لیسرچ کا پورا حق ادا کرنے کے لئے چھوڑ دیا، وکان فیہ ایضا اقبال علی الشہوات وترک بعض الصلوات فی بعض الاوقات واماتتہا فی غالب الاوقات (البدایۃ والنہایۃ ص ۲۳۰ ج ۸)

ترجمہ: اور نیز اس (یزید) میں شہوات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا ہے، اور نمازوں کو بے وقت پڑھنا تو اکثر اوقات رہتا تھا۔

غور کیجئے کہ عباسی صاحب نے عبارت میں قطع و برید کر کے کس طرح دھوکہ دیا ہے؟ البدایۃ والنہایۃ میں اس عبارت کے موجود ہوتے ہوئے ان اوصاف جنہیں عباسی صاحب نے ذکر کیا ہے۔ مثلاً حلم و کرم، فصاحت و شعر گوئی، شجاعت و بہادری وغیرہ سے یزید کے متقی پرہیزگار و ثقہ ہونے پر کیسے روشنی پڑ سکتی ہے؟ جس کے لئے عباسی صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور روز روشن میں لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونک دی۔ یہ ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ حقیقت پر جو پردے پڑے ہوئے تھے انہیں اس ریسرچ نے چاک کر دیا۔

(۶) جناب عباسی صاحب نے عمر بن سعد کے بارے میں تہذیب التہذیب کی حسب ذیل عبارت نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ عمر بن سعد کا کردار ویسا ہی بلند و ثابت ہو چکا ہے جیسا ان جیسے ثقہ و بلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جا سکتی ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۳۱۲)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی سکن الکوفۃ روی عن ابیہ وابی سعید الخدری وعنہ ابنہ ابراہیم وابن ابنہ ابوبکر بن حفص وابو اسحاق السبیعی والعیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادۃ والزہری ویزید بن ابی حبیب وغیرہم وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وروی عنہ الناس وہو تابعی ثقۃ (تہذیب التہذیب ص ۴۵۰ ج ۷)

ترجمہ: عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی کوفہ میں رہے، انہوں نے اپنے والد سے اور ابو سعید خدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابوبکر بن حفص اور ابو اسحاق السبیعی اور عیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادہ و زہری و یزید بن حبیب وغیرہ نے روایت کی ہے، اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ عمر بن سعد نے

اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور خود ثقہ تابعی تھے (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۱۴، ص ۲۱۵)

تہذیب ہی میں مذکورہ بالا عبارت کے فوراً بعد یہ عبارت ہے جسے جناب عباسی نے نہایت دیدہ دلیری سے نظر انداز کر دیا، وهو الذی قتل الحسین، یعنی یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا، ظاہر عبارت سے صاف ثابت ہے کہ یہ قول وهو الذی قتل الحسین، محدث العجلی کا ہے جس کو عباسی صاحب نے نظر انداز کر دیا ہے۔

یہ ہے وہ زبردست ریسرچ،

اس کے آگے کی عبارت ہے، وذکر ابن ابی خیثمة بسند له ان ابن زیاد بعث عمر بن سعد علی جیش فقال له الحسین بن علی وبعث معه شمر بن ذی الجوشن وقال له ان مضی لامری والا فاقتله وان تقدم والا فاقتله، وقال ابن ابی خیثمة عن ابن معین کیف یکون من قتل الحسین ثقة قال عمرو بن علی سمعت یحیی بن سعید یقول ثنا اسمعیل ثنا العیزار عن عمر بن سعد فقال له موسی رجل من بنی ضبیعة یا ابا سعید هذا قاتل الحسین فسکت فقال له عن قاتل الحسین تحدثنا فسکت، وروی ابن خراش عن عمرو بن علی نحو ذلک، فقال له رجل اما تخاف اللّٰه تروی عن عمر بن سعد فبکی وقال لا اعود (تہذیب التہذیب ص ۴۵۱ ج ۷)

ترجمہ: ابن ابی خیثمہ نے اپنی سند سے بیان کیا کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو ایک لشکر کی قیادت سپرد کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کے لئے بھیجا اور شمر بن ذی الجوشن سے کہا تم بھی ان کے ساتھ جاؤ، اگر یہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیں تو فبہا، ورنہ تم ان کو قتل کر دینا اور تم لوگوں پر امیر ہو گے، اور ابن ابی خیثمہ نے ابن معین سے روایت کی ہے کہ ابن معین نے فرمایا کہ وہ شخص کیسے ثقہ ہو سکتا ہے جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کیا۔ عمرو بن علی نے کہا کہ میں نے یحییٰ بن سعید کو کہتے سنا کہ ہم سے اسمعیل نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ ہم سے عیزار نے عمر بن سعد سے روایت کی (اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ) ان سے بنی ضبیعہ قبیلے کے ایک شخص موسیٰ نے کہا کہ اے ابوسعید یہ تو قاتل حسین ہیں، پس وہ خاموش ہو گئے، پھر ان سے کہا کہ تم ہم سے قاتل حسین کی روایت کرتے ہو پھر بھی وہ خاموش ہی رہے، اور ابن خراش نے بھی عمرو بن علی سے اس

رشتہ بالکلیہ کاٹ دینے کی کوشش کی ہے۔ مؤلف نے ابن جریر طبری، ابن کثیر دمشقی اور
جلال الدین سیوطی وغیرہ کو جن جن الفاظ میں یاد کیا ہے وہ کتاب میں جابجا پھیلے ہوئے ہیں
خصوصاً کتاب کے دوسرے ایڈیشن پر مؤلف نے جو مقدمہ لکھا ہے وہ تو پوری طرح اسکی ذہنیت
اور اس کے نقطۂ نظر کا آئینہ دار ہے۔ یہاں تعصب اس درجہ کمال کو پہنچا ہوا ہے کہ حضرت حسین
رضی اللہ عنہ کے مسلک و موقف کو پوری سنگدلی کے ساتھ مسخ کیا گیا ہے، آپ پر ذات سے تعصب
الزامات لگائے گئے ہیں، آپ کو بدترین الفاظ میں مطعون کیا گیا ہے، آپ کی سیرت کا حلیہ بگاڑ کر
رکھ دیا گیا ہے، یہاں تک کہ "من مات بغیر امام مات میتۃ الجاھلیۃ" اور "فمن اراد ان یفرق امر ھذہ
الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف" وغیرہ احادیث کو نقل کر کے انہیں امام عالی مقام پر
چسپاں کیا گیا ہے، اب ان احادیث کا کیا حشر ہوگا جن سے امام کے مسلک اور موقف
پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہے، اور وہ حدیثیں کہاں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
حسن و حضرت حسین کا نام لے کر آپ کو "سیدا شباب اھل الجنۃ" فرمایا ہے؟ کیا حب علی
اور حرام موت مرنے والے بھی جنت میں جا سکتے ہیں؟ چہ جائیکہ وہ اہل جنت کے نوجوانوں
کے سردار رہیں، پھر وہ ساری احادیث کہاں چلی گئیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
آپ کو اپنا محبوب بھی بتایا ہے، اللہ تعالیٰ سے آپ کی محبوبیت کے لئے دعا بھی کی ہے اور
یہ بھی فرمایا ہے کہ حسین اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین میں محبوب ہیں۔ کیا خدا و
رسول اور ساری خلق کے محبوب کی یہی سیرت ہے جسے یہاں پیش کیا گیا ہے؟ یہاں تو
تعصب نے یزید کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پر فوقیت دیدی ہے اور ان کے مقابلہ
میں یزید کو پہلا متفق علیہ خلیفہ تسلیم کیا گیا ہے۔ پھر تعصب کے اندھے پن کا یہ عالم ہے کہ
صرف بنی امیہ کو حدیث نبوی "لا یزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ" کا مصداق
بناتے ہوئے حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سرے سے اڑا دیا گیا ہے
اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلا خلیفہ قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ بعد مروان بن محمد کو
تو اس لئے خارج کر دیا گیا ہے کہ اس پر بنی امیہ کی حکومت ختم ہو گئی، لیکن جب اس کے
باوجود یہ دقت پیش آئی کہ بارہ کے تیرہ بادشاہ رہ جاتے ہیں تو درمیان سے حضرت
محمدیہ کے مجدد اول عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے خلیفہ راشد کو پوری
بیدردی سے نکال دیا گیا ہے اور باقی تمام بنی امیہ کے ملوک بتایا گیا ہے کہ یہی وہ

بارہ خلفاء ہونگے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ ان کے زمانے میں اسلام زبردست اور طاقتور رہے گا۔ احادیث نبویہ کے ساتھ یہ سلوک دوسرے مقامات پر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ صحیحین کی ایک حدیث کو محل نظر قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کی رو سے ابن سعد عہد نبوی کا مولود نہیں اور مؤلف کو یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ عہد نبوی کا مولود تھا۔ ایک اور مقام پر ابوداؤد وغیرہ صحاح کی حدیث "الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ ثم ملک بعد ذلک" کو ضعیف ٹھیرایا گیا ہے کیونکہ وہ مؤلف کے نقطۂ نظر کے بالکل خلاف ہے۔

اگر کسی کے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرے سے دینی پیشوا تھے ہی نہیں اور اسی لئے ان کی شان میں کسی گستاخی و بے ادبی کا سوال نہیں پیدا ہوتا تب تو خیر، لیکن جو لوگ انھیں اپنا دینی پیشوا مانتے ہیں وہ کتاب کے حسب ذیل مقامات دیکھ کر خود فیصلہ کریں کہ ان تحریروں کو کم سے کم کن الفاظ میں یاد کیا جا سکتا ہے۔

صفحات ۶۷، ۸۴ تا ۹۵، ۹۷، ۹۸ تا ۱۰۶، ۱۳۳، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۷، ۱۷۹، ۱۸۰

ان دونوں مضامین میں جن تلبیسات کی نشاندہی کی گئی ہے بندہ نے کتاب "خلافت معاویہ و یزید" میں ان کے متعدد مقامات کی طرف مراجعت نہیں کی، کتاب کے اسلوب تحریر کے پیش نظر اس میں مذکورہ تلبیسات کا وجود بعید نہیں بلکہ ان کے ارتکاب کا ظن غالب ہے۔ بندہ نے اہل تنقید کی سہولت کے لئے یہ مضامین نقل کر دیئے ہیں، فجزاہ اللہ الکریم من یوفق للحق

مسلح پہرہ
اور
توکل

تحریر
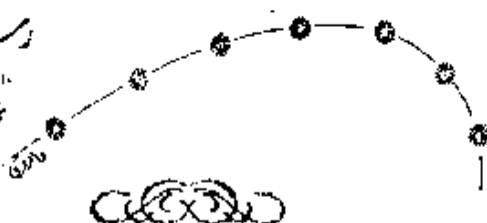
حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب
نائب رئیس دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

— حفاظتی تدابیر کی اہمیت —

حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرہ توکل کے خلاف نہیں

حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرے پر وارد کردہ اعتراضات
کے مفصل مدلل جوابات —

- ۔۔۔ نصوص قرآنیہ
- ۔۔ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم
- ۔۔ تعامل صحابہ رضی اللہ تعالی عنہم
- ۔۔ تصریحات حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی
- ۔۔ فطرت مستقیم وعقل سلیم
- ۔ بشمول کفار پوری دنیا کا اجماع وتعامل

زمانہ بہترین استاذ ہے

عجب

حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اللہ تعالیٰ کی عطا فرمودہ بے مثال بصیرت سے ٹھیک ٹھیک بر وقت حالات کا ادراک فرما کر مسلح پہرے کی اجازت مرحمت فرمائی تو چاروں طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی، حتیٰ کہ عقل و شرع دونوں لحاظ سے یہ بالکل صحیح مسئلہ سمجھانے کے لئے رسالہ لکھنا پڑا، بہم تسلیم۔ کھلے ذہن والے کچھ حضرات نے حضرت اقدس کے علم و بصیرت کو داد دی لیکن صد افسوس کہ پھر بھی اکثریت ایسے لوگوں کی رہی جن کو قرآن و حدیث کے واضح ارشادات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اسلاف کے اعمال کے سامنے آجانے کے بعد بھی عقل نہ آئی۔

مگر جب جگہ جگہ مساجد اور دینی اداروں پر اندرونی و بیرونی دہشت گردوں نے حملے شروع کئے تو بے شمار مساجد کی بے حرمتی، سیکڑوں مسلمانوں کو شہید اور ہزاروں کو زخمی کروانے کے بعد عام مساجد اور دینی اداروں میں مسلح پہرے کے انتظامات کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

کاش! اللہ تعالیٰ کے حکم خذوا حذرکم کی اہمیت سمجھتے اور وقت پر اس کو اختیار کر لیتے تو اس قدر نقصان نہ ہوتا۔

جن لوگوں کے دماغوں میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور بداہت عقل کا واضح فیصلہ سمجھنے کی صلاحیت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو دشمنوں سے سوا چوکرا کے دماغ درست کر دیئے اور گردش زمانہ سے عبرت کے سبق پڑھوا دیئے۔

اللہ تعالیٰ ان کو حکم شرع سے انحراف بلکہ اس پر اعتراض کے سنگین جرم سے توبہ کی توفیق عطاء فرمائیں۔

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

فہرست مضامین

مسلح پہرہ ——— ۲

دار الافتاء والارشاد میں مسلح پہرہ قابل ستائش یا باعث تنقید؟

(از قلم مولانا محمد مسعود اظہر صاحب ناظم عمومی حرکۃ الانصار و مدیر صدائے مجاہد)

تقدیم

جیسا کہ اپنے اور پرائے سب بخوبی جانتے ہیں کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم کو اللہ تعالیٰ نے جن اخلاق عالیہ و صفات فاضلہ سے ممتاز و سرفراز فرمایا ہے ان میں شجاعت وحق گوئی اور صلابت دینی بہت ممتاز ہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت میں حضرت اقدس اس قدر سرشار رہتے ہیں کہ غیر اللہ کے خوف و ہیبت کا قلب کے قریب سے گزر بھی نہیں ہوتا، آپ کا فتویٰ ہو یا آپ کا بیان اس سے آپ کی جرأت و شجاعت کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے، وقت کے جابر حکمرانوں اور دین کے خلاف اٹھنے والے ہر فتنے کے خلاف آپ کی للکار ہمیشہ مداہنت اور بزدلی کے شائبہ سے بھی پاک رہی ہے، آپ بفضلہ تعالیٰ مساعدہ الفاروق، و شمائل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اعداء اسلام کے خلاف ننگی تلوار "انا المنذر العریان" کا مصداق اور "لا یخافون لومۃ لائم" کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔

ایسے میں دشمنان اسلام، دین سے مخالف، آزادی و قومی عصبیت و بیداری ہر حال میں کا تشخص اسلام کی آبیاری کے لئے اپنی عمر صرف کرنے والے علماء ربانیین کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی تمنا رکھنے والے یہودی ایجنٹوں کی جانب سے قتل کی سازشیں اور منصوبے کوئی اچنبھے کی بات نہیں، احیاء اسلام اور امت مسلمہ کو مغرب کی تقلید، عقائد میں تزلزل، بیان و اعمال، وضع قطع، رہن سہن، معاشرت و معاملات غرض ہر چیز میں انگریز کی غلامی کی ذلت سے نکال کر اس کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کے لئے جو بھی ذرا جرأت و شجاعت کے ساتھ میدان میں آئے گا وہ ان یہودی ایجنٹوں اور مغرب زدہ نفس پرستوں کی آنکھ اور ان کے پالنے والوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکے گا، اس کو اور اس کی تحریک کو سر اٹھانے سے پہلے ہی کچل دینے کے لئے ان کی خفیہ ایجنسیاں حرکت میں آجاتی ہیں، ایسے حالات میں اپنا دفاع کرنا شرعاً وعقلاً نہ صرف جائز یا مستحب ہے بلکہ واجب و فرض ہے، ورنہ اعداء اسلام کی جرأت روز بروز بڑھتی جائے گی اور وہ ایک ایک کرکے ہمارے علماء کو بلا خوف و خطر شہید کرتے چلے جائیں گے۔ ایسے

خطرے کی صورت میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور سانحہ کے بعد افسوس میں ہاتھ ملنا اور اخبار میں بیان دے دینے پر اکتفاء کرنا کوئی دانشمندی نہیں۔

چنانچہ جب حضرت اقدس دامت برکاتہم اور دارالافتاء والارشاد پر دشمنان اسلام اور ملکی و غیر ملکی دشمنان صحابہ کے ایجنٹوں کی یلغار شروع ہوئی اور حفاظتی انتظامات کئے گئے تو ساتھ ہی مفسرین، محدثین اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق وجوب دفاع کے ثابت ہونے کے باوجود مختلف قسم کے اعتراضات وسوالات کی یلغار بھی شروع ہوگئی مثلاً:

① مسلح پہرہ توکل کے خلاف ہے۔

② نمازیوں کی تلاشی لینا نمازیوں کی توہین ہے۔

③ مسجد میں اسلحہ لانا احترام مسجد کے خلاف ہے۔

④ تلاشی کے بعد پھر منبر پر باڈی گارڈ کھڑا کرنا نمازیوں کو مرعوب کرنے کے مترادف ہے۔

⑤ یہ اسراف ہے۔

⑥ یہ ریاکاری ہے۔

⑦ اگر مفتی صاحب کو خطرہ ہے تو وہ نمازیوں کو پریشان کرنے کی بجائے نماز گھر ہی میں کیوں نہیں ادا فرمالیتے؟

⑧ حضرت مفتی صاحب نے خود کو محافظوں اور دربانوں میں ایسا جکڑ رکھا ہے کہ عام مسلمان تو ملاقات وزیارت کا تصور بھی نہیں کرسکتے، پابندئ وقت کی زحمت اور تلاشی جیسے خلاف انسانیت عمل سے دوچار ہونے کے باوجود بھی مفتی صاحب کے گھر اور مجلس تک پہنچنا بدون واسطہ ممکن نہیں ہوتا۔

⑨ یہ روم وفارس کے بادشاہوں سے ملتی جلتی بلکہ اس سے بھی بڑھی ہوئی حالت ہے۔

⑩ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے دربان متعین کرکے عوام الناس کے لئے یوں دروازے بند نہیں کئے تھے، بلکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔

"من تولّی شیئا من امر المسلمین فاحتجب عن حاجتهم وفقرهم احتجب الله دون حاجته" (ترمذی)

⑪ اسلحہ، پہرہ اور تلاشی کبر کی علامت ہے۔

⑫ یہ بزدلی ہے۔

اس قسم کے بیسیوں سوالات و اعتراضات کانوں میں پڑتے اور نظروں سے گزرتے رہے جن کے جواب تحریری، تقریری اور باقاعدہ فتوی کی صورت میں مختصراً دیئے جاتے رہے۔

چونکہ یہاں حفاظتی تدابیر کی بنا کوئی گروہی، جماعتی، سیاسی یا دنیوی جھگڑا نہیں بلکہ خالص دینی خصوصیت تھی اور یہ انتظام و اہتمام نقلی و عقلی ہر اعتبار سے نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا، نیز زیادہ تر سوالات دیندار طبقہ کی طرف سے اٹھائے جاتے رہے اس لئے مختصر جواب پر اکتفا کیا جاتا رہا، لیکن قرائن و شواہد سے بار بار احساس ہوتا رہا کہ یہ جوابات فی نفسہا مسکت بھی ہیں اور شافی بھی مگر بعض خارجی عوامل مثلاً جہاد سے دوری، قتال فی سبیل اللہ سے اجنبیت، جبن اور بزدلی، اسلحہ سے نفرت و خوف، سیرت نبویہ کے ایک اہم باب و جزو لاینفک کے عدم استحضار نے امت مسلمہ کے دل و دماغ کو شل اور اعضاء و اعصاب کو شل کرکے رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے اختصار فی نفسہ کافی ہونے کے باوجود ناکافی ہو رہا ہے۔

اسی دوران فیصل آباد سے لکھا ہوا حفاظتی تدابیر سے متعلق ایک استفتاء جواب کے لئے سامنے آیا (جس کی "تمہید" اس "تقدیم" کے آخر میں نقل کردی ہے) تو خیال ہوا کہ ایک بار اس کا حکم شرعی قدرے تفصیل سے لکھ دیا جائے اور اس میں ان سوالات کا بھی اضافہ کر دیا جائے جو اب تک بصورت اعتراض یا استفسار آتے رہے تاکہ مضمون میں ممکن حد تک جامعیت پیدا ہو جائے۔

بتوفیقہ تعالیٰ اس استفتاء میں کئے گئے سوالات مع اضافات اور ان کے مفصل جوابات آپ کے سامنے ہیں، امید ہے طالب حق و منصف کے لئے یہ تحریر بیش از بیش کافی اور شافی ہوگی، رہا متعنت تو اس کے لئے دفاتر کے دفاتر بھی بے سود بلکہ مضر ہیں، اس لئے وہ اس تحریر کا مخاطب ہی نہیں۔

ایسے ناعاقبت اندیشوں کے اعتراضات کتنے بڑے جلیل القدر علماء، کیسے عالی مقام اولیاء اللہ، کیسے بطل جلیل مجاہد پر ہیں؟

جن کے مندرجہ ذیل کمالات کا دنیا بھر میں شہرہ ہے اور موافق و مخالف سبھی میں مسلمات بلکہ بدیہیات اور عام زبان زد۔

مسلسل پہرہ ———— ۱

① علوم کے تعمق و وسعت میں سمندر، بحر ناپیدا کنار۔

② عمل میں ایسی مضبوطی اور تصلب کہ جبل استقامت۔

③ ولایت عظمیٰ، تعلق مع اللہ، تقویٰ و توکل میں شہرۂ آفاق اور عوام و خواص میں ضرب المثل

④ آپ کی شجاعت، بیباکی، احقاق حق، دین کے خلاف ہر بڑے سے بڑے فتنہ کی سرکوبی اور دنیا بھر میں کفار سے برسرپیکار مجاہدین کی سرپرستی نے بفضل اللہ تعالیٰ دنیا بھر میں کفر، شرک، الحاد، زندقہ اور فسق و فجور کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر رکھا ہے اور ان کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔

⑤ دور حاضر کے اکثر علماء اور مفتیان کرام آپ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں یا شاگردوں جیسے۔

پھر اعتراضات بھی کیسے ؟ جو نقلاً قرآن و حدیث کے نصوص اور اجماع امت کے خلاف اور عقلاً بدیہیات، پوری دنیا کے مسلمات اور خود اپنے روزمرہ کے دسم حالات اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں شب و روز کے معمولات کے خلاف۔

ان حالات کی روشنی میں وجہ اعتراضات کی تشخیص کچھ مشکل نہیں، درحقیقت وجہ وہی ہے جو حضرت امام اعظم اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کی مخالفت شدیدہ کی تھی، ان ائمہ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مخالفین ان کے کمالات عالیہ اور دنیا میں مقبولیت پر حسد کی آگ سے جل رہے تھے، کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

محسودون وشر الناس کلہم
من عاش فی الناس یوما غیر محسود

"ان پر حسد کیا جا رہا ہے، اور سب لوگوں سے بدترین وہ شخص ہے جس پر کبھی کوئی ایک دن بھی ایسا گزرا ہو جس میں اس پر حسد نہ کیا گیا ہو؟"

آخر میں یہ مندرجہ "درس عبرت" پڑھ کر بھی آنکھوں پر پردۂ غفلت کا یہی حال رہا تو مزید عذاب عظیم کا انتظار کیجئے۔ فتربصوا انا معکم متربصون

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا ویأتیک بالاخبار من لم تزود
ویأتیک بالاخبار من لم تبع لہ بتاتا ولم تضرب لہ وقت موعد

عبدالرحیم

۲۷ ربیع الاول ۱۴۱۳ ہجری

مسلح جہاد ———————

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں :

یہاں پنجاب سے کچھ دوست کراچی گئے اور انھوں نے جمعہ کی نماز حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہ کی مسجد میں ادا کی، وہاں انھوں نے چند نئی چیزیں دیکھیں، انھوں نے مجھ سے اس بارہ میں سوالات کئے جو آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں، آپ براہ کرم شریعت کی روشنی میں ان سوالات کا تفصیل سے جواب دیجئے۔

(.............. فیصل آباد)

تقدیم میں مذکورہ وجوہ اور رسائل کی خواہش کی بنا پر یہ باب قدرے تفصیل سے لکھا جاتا ہے۔

کیا مسلح پہرہ خلاف توکل ہے؟

وحید رضی عمار:

مفتی صاحب ایک متقی اور اللہ والے انسان ہیں، اللہ والوں کی اللہ خود حفاظت کرتا ہے اور اللہ والوں کو اللہ کی ذات پر خوب توکل بھی ہوتا ہے، لیکن حضرت مفتی صاحب نے اپنی حفاظت کے لیے اتنے مسلح باڈی گارڈز رکھے ہوئے ہیں، کیا ان کو اپنے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ نہیں؟

دفاعی انتظامات کو خلاف توکل سمجھنا الحاد ہے

جواب:

دشمنان اسلام، زنادقہ و ملاحدہ سے بچاؤ کے لیے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کو خلاف توکل سمجھنا بے دینی اور الحاد ہے، کوئی صحیح العقل والدماغ مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

جہاد و قتال فی سبیل اللہ فرائض قطعیہ جدیہ متواترہ میں سے ہے جو بدون اختیار اسباب دفاعی تدابیر و اسلحہ کے نہیں ہو سکتا، اس لیے حفاظتی تدابیر کو خلاف توکل سمجھنا درحقیقت جہاد کی فرضیت بلکہ اس کے وجود ہی سے انکار ہے، جہاد و قتال میں اقدام سے زیادہ دفاع کو اہمیت ہے، جو دفاع نہ کرے وہ جہاد کر ہی نہیں سکتا۔

دنیا بھر کے مسلمات میں سے ہے کہ ہر ملک ہر جگہ ہر شعبہ میں اجتماعی و انفرادی تمام محکموں میں حفاظتی تدابیر کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اہمیت کے لحاظ سے سب سے مقدم ایمان ہے پھر جان پھر عزت پھر مال، سب سے مؤخر اور گھٹیا چیزوں کی حفاظت کے لیے کتنے جتن اور کیا کیا اسباب اختیار کیے جاتے ہیں۔

مگر دنیا کا کوئی ذی شعور انسان اسے نہ تو خلاف توکل سمجھتا ہے نہ خلاف مروت،

شرعاً بھی مال کی حفاظت مامور بہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من قتل دون ماله فهو شهيد (رواہ احمد فی المسند ص ۲۲۱ ج ۲)

"جو اپنے مال کا دفاع کرتے ہوئے قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔"

نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قاتل دون مالك حتى تحوز مالك او تقتل فتكون من شهداء الآخرة.

(حدیث صحیح رواہ احمد والبخاری فی افعال العباد ص ۲۴)

"اپنے مال کے دفاع میں (قتال کرنا پڑے تو) قتال (بھی) کرو یہاں تک کہ اپنے مال کی حفاظت کر لو یا پھر قتل کر دیئے جاؤ تو تمہیں آخرت میں شہداء کی فہرست میں شمار کر لیا جائے گا۔"

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

جاء رجل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال يا رسول الله ارأيت ان جاء رجل يريد اخذ مالي قال فلا تعطه مالك قال ارأيت ان قاتلني قال قاتله قال ارأيت ان قتلني قال فانت شهيد قال ارأيت ان قتلته قال هو في النار (صحیح مسلم ص ۸۱ ج ۱)

"ایک صحابی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا:

"اگر کوئی شخص مجھ سے میرا مال چھیننے کی کوشش کرے تو کیا کروں؟"

آپ نے فرمایا:

"اسے مت دو۔"

اس نے عرض کیا:

"اگر وہ مجھ سے قتال شروع کر دے تو؟"

فرمایا:

"تم بھی اس سے قتال کرو۔"

عرض کیا:

"اگر وہ مجھے قتل کر دے؟"

فرمایا:

"پھر تم شہید ہو گے۔"

عرض کیا:

"اگر میں اسے قتل کر ڈالوں؟"

المنكر باليد ورأى أنه لم يمكنه تغييره الا بقتله فعليه ان يقتله بمقتضى ظاهر قول النبي صلى الله عليه وسلم ولانه معلوم انه لا فرق بين ان رجلا لو شهر سيفه على رجل ليقتله بغير حق ان على المسلمين قتله فكذلك جائز للمقصود بالقتل قتله وقد قاتل علي بن ابي طالب رضي الله عنه الخوارج حين قصدوا قتل الناس واصحاب النبي صلى الله عليه وسلم معه موافقون له عليه وقد روي عن النبي صلى الله عليه وسلم آثار في وجوب قتالهم (الى) وقد تلقتها السلف بالقبول واستعملتها في وجوب قتالهم وقتلهم وروى ابو بكر بن عياش قال: حدثنا ابو الاحوص عن سماك عن قابوس بن ابي المخارق عن ابيه قال: "قال رجل يا رسول الله: الرجل يأتيني يريد مالي قال ذكره بالله تعالى قال فان ذكرته بالله فلم ينته قال فاستعن عليه من حولك من المسلمين قال فان لم يكن حولي منهم احد قال فاستعن عليه السلطان قال فان نأى عني السلطان قال قاتل دون مالك حتى تمنع مالك او تكون شهيدا في الآخرة."

وذهب قوم من الحشوية الى ان على من قصده انسان بالقتل ان لا يقاتله ولا يدفعه عن نفسه حتى يقتله (الى) ولو كان الامر في ذلك على ما ذهبت اليه هذه الطائفة من حظر قتل من قصد قتل غيره ظلما والامساك عنه حتى يقتل من يريد قتله لوجب مثله في سائر المحظورات اذا اراد الفاجر ارتكابها من الزنا واخذ المال ان نمسك عنه حتى يفعلها فيكون في ذلك ترك الامر بالمعروف والنهي عن المنكر واستيلاء الفجار وغلبة الفساق والظلمة ومحو آثار الشريعة وما اعلم مقالة اعظم ضررا على الاسلام والمسلمين من هذه المقالة ولعمري انها ادت الى غلبة الفساق على امور المسلمين واستيلائهم على بلاد الاسلام حتى تحكموا فحكموا فيها بغير حكم الله وقد جر ذلك ذهاب الثغور وغلبة العدو حين ركن الناس الى هذه المقالة في ترك قتال الفئة الباغية والامر بالمعروف والنهي عن المنكر والانكار على الولاة والجور والله المستعان (الى) قال ابو بكر: ذكر ابن رستم عن محمد عن ابي حنيفة رحمهما الله تعالى انه قال في اللص ينقب البيوت يسعك قتله لقوله صلى الله عليه وسلم: "من قتل دون ماله فهو شهيد" ولا يكون شهيدا الا وهو مأمور بالقتال ان امكنه فقد تضمن ذلك ايجاب قتله اذا قدر

عليه وقال ايضا في رجل يريد ظلمه سئلت قال: فلك ان تقتله اذا كنت في موضع لا يعينك الناس عليه (احكام القرآن للجصاص الرازي ص ۱۰۲ تحت ۳۰ ج ۲)

وقال الجصاص رحمه الله تعالى: وازالته (اى المنكر) باليد تكون على وجوه منها ان لا يمكنه ازالته الا بالسيف وان يأتي على نفس فاعل المنكر فعليه ان يفعل ذلك كمن رأى رجلا قصده او قصد غيره بقتله او باخذ ماله او قصد الزنى بامرأة او نحو ذلك وعلم انه لا ينتهي ان انكره بالقول او قاتله بما دون السلاح فعليه ان يقتله لقوله صلى الله عليه وسلم: "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده" فاذا لم يمكنه تغييره بيده الا بقتل المقيم على هذا المنكر فعليه ان يقتله فرضا عليه (احكام القرآن للجصاص ص ۳۴ ج ۲)

وقال الجصاص الرازي رحمه الله تعالى ايضا: ولم يدفع احد من علماء الامة وفقهائها سلفهم وخلفهم وجوب ذلك (اى الدفاع) الا قوم من الحشو وجهال اصحاب الحديث فانهم انكروا قتال الفئة الباغية والامر بالمعروف والنهي عن المنكر بالسلاح وسموا الامر بالمعروف والنهي عن المنكر فتنة اذا احتيج فيه الى حمل السلاح وقتال الفئة الباغية مع ما قد سمعوا فيه من قول الله تعالى: (فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله) وما يقتضيه اللفظ من وجوب قتالها بالسيف وغيره (الى) وانما ينكر على غير السلطان بالقول او باليد بغير سلاح فصاروا شرا على الامة من اعدائها المخالفين لها لانهم اقعدوا الناس عن قتال الفئة الباغية وعن الانكار على السلطان الظلم والجور حتى ادى ذلك الى تغلب الفجار بل المجوس واعداء الاسلام حتى ذهبت الثغور وشاع الظلم وخربت البلاد وذهب الدين والدنيا وظهرت الزندقة والغلو ومذاهب الثنوية والخرمية والمزدكية والذي جلب ذلك كله عليهم ترك الامر بالمعروف والنهي عن المنكر والانكار على السلطان الجائر والله المستعان (احكام القرآن ص ۳۴ ج ۲)

عبارات بالا میں بیان کئے گئے امور اختصار کیساتھ نمبروار

① دین، جان، عزت، مال پر حملہ کے وقت قتال فرض ہے، اور اس کی فرضیت میں کسی کا اختلاف نہیں۔

مسلح پہرہ ——— ۱۶

اعتراض: اگر دفاع فرض ہے تو حضرت ہابیل نے قابیل سے یہ کیوں کہا تھا:

لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک (۵ - ۲۸)

جواب:

ہابیل کے اس قول کا مطلب سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ بیان فرمایا ہے:

معناه لئن بدأتني بقتل لم ابدأك به ولم يرد اني لا ادفعك عن نفسي اذا قصدت قتلي.

ويروى انه قتله غيلة بأن القى عليه صخرة وهو نائم فشدخه بها وروي عن الحسن ومجاهد انه كتب عليهم اذا اراد رجل قتله ان يتركه ولا يدفعه عن نفسه، قال ابو بكر: وجائز ان يكون ذلك في العقل ورود العبادة بمثله فان كان التأويل هو الاول فلا دلالة فيه على جواز ترك الدفع عن نفسه بقتل من اراد قتله وانما فيه انه لا يبدأ بقتل غيره وان كان التأويل هو الثاني فهو منسوخ لا محالة وجائز ان يكون نسخه بشريعة بعض الانبياء المتقدمة وجائز ان يكون نسخه بشريعة نبينا صلى الله عليه وسلم. (احکام القرآن للجصاص ص ۴۰۱ ج ۲)

اس تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دو جواب دیئے ہیں:

① حضرت ہابیل کا یہ کلام اقدام سے متعلق ہے نہ کہ دفاع سے، یعنی اگر تمہارے دل میں اقدام کا ارادہ ہو تو ہو، میں تو اقدام نہیں کروں گا، یہ مطلب نہیں تھا کہ دفاع بھی نہیں کروں گا، چنانچہ روایات میں ہے کہ ہابیل کو سوتے میں اچانک قتل کیا گیا۔

② اور اگر ہابیل کا مقصد ترک دفاع ہی لیا جائے تو یہ ہماری شریعت میں منسوخ ہوچکا ہے۔

③ وجوب دفاع کے دلائل:

① قولہ تعالیٰ: فقاتلوا التی تبغی (۴۹ - ۹)

اور اس سے بڑی کیا بغاوت اور سرکشی ہوسکتی ہے کہ کسی انسان کو ناحق قتل کیا جائے۔

② قولہ تعالیٰ: ولکم فی القصاص حیوۃ (۲ - ۱۷۹)

قصاص بھی تو دفاع ہے، جب قاتل کو معلوم ہوجائے کہ مجھے بھی قصاصاً قتل کیا

جائے گا تو وہ اقدام قتل سے باز رہے گا، بالکل یہی صورت حال ہو تو قصد قتل بھی ہے کہ دفاع اور مزاحمت کے وجوب کی وجہ سے اسے قتل کیا جاسکتا ہے۔

(۳) قولہ تعالیٰ: وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة (۲: ۱۹۳)

لوگوں کا ناحق قتل کرنا بہت بڑا فتنہ ہے اور دفاع فتنے کا علاج ہے۔

(۴) حدیث: من قتل دون نفسه فهو شهيد۔ الخ

یعنی جو شخص، اہل اور مال کی وجہ سے مارا جائے وہ شہید ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ مارا جانا دفاع ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

(۵) حدیث: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده

"جب تم کوئی منکر دیکھو تو اسے اپنے ہاتھ سے بدلو۔"

دین، جان، عزت اور مال پر حملہ کرنا بہت بڑا منکر ہے، لہٰذا اگر یہ تغیر بدون قتل نہ ہوسکتی ہو تو قتل کرنا ہی متعین اور فرض ہے، بلکہ ہمارے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ اگر کوئی شخص کسی پر ہتھیار سے حملہ آور ہو تو دوسرے مسلمانوں پر حملہ آور کا قتل فرض ہے۔

(۶) حدیث: ایک شخص نے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! کوئی میرے مال کو چھیننا چاہے تو میں کیا کروں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اسے نصیحت کرو۔"

صحابی نے عرض کیا:

"اگر وہ نصیحت حاصل نہ کرے تو؟"

آپ نے فرمایا:

"اس کے خلاف اپنے ارد گرد کے مسلمانوں سے مدد لو۔"

صحابی نے عرض کیا:

"اگر وہاں مسلمان نہ ہوں تو؟"

آپ نے فرمایا:

"بادشاہ وقت سے مدد لو۔"

صحابی نے عرض کیا :
"یہ بھی نہ ہو سکے تو ؟"
آپ نے فرمایا :
"اپنے مال کے دفاع کے لئے قتال کرو ، یہانتک کہ اپنے مال کو بچالو یا پھر شہید ہو جاؤ"

۵ خوارج نے جب لوگوں کے قتل کا ارادہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو قتل کرایا اور اس عمل سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم متفق تھے ۔

۳ پوری امت کے علماء و فقہاء سلف و خلف سب کے سب وجوب دفاع کے قائل ہیں ہاں حشویہ کا ایک گروہ اور ظاہریہ میں سے (بہت ہی) جاہل قسم کے لوگ وجوب دفاع کے قائل نہیں ، وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بالسلاح کے منکر ہیں اور اسے فتنہ گردانتے ہیں ، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خوب واضح ہیں کہ فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اسلحہ کا استعمال ناگزیر ہے ۔ اس میں غفلت دین و دنیا دونوں کی تباہی کا باعث

۴ جو لوگ وجوب دفاع بالسلاح کے قائل نہیں وہ پوری امت کے مجرم ہیں اور اسلام کے دشمن ، ان کے اس ایک جملے نے کہ " دفاع واجب نہیں " امت مسلمہ کو بڑی بڑی تباہیوں اور بربادیوں سے دوچار کر دیا ہے ۔

۵ صلحاء پر فساق و فجار کا تسلط مجوسیوں اور دیگر اعداء اسلام کا تغلب ، سرحدوں کا سکڑ جانا ، ظلم کا عام ہو جانا ، مملکت اسلامیہ کا ویران ہو جانا دین و دنیا کا رخصت ہو جانا ، زندقہ و الحاد اور مختلف قسم کی گمراہیوں کا ظہور سب دفاع بالسلاح کے چھوڑنے کی وجہ سے ہوا ۔

۶ میرے (امام ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ کے) نزدیک اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے جو کچھ کیا گیا اس میں سب سے زیادہ نقصان دہ یہ کلمہ ہے ، یعنی ترک دفاع بالسلاح اھ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

فالعدو الصائل الذی یفسد الدین والدنیا لا شیء اوجب بعد الایمان من دفعہ۔
(الاختیارات العلمیۃ)

"وہ دشمن جو دین اور دنیا (یعنی دین کی وجہ سے جان) پر حملہ آور ہو تو ایمان کے بعد (فرائض اسلام میں سے) پہلا فرض اس کا دفاع ہے۔"

دشمنان اسلام سے دین و اہل دین، بالخصوص علماء حق کی حفاظت کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا فرض اور بلاشبہہ نہایت اہم فرض ہے، اس کی فرضیت اور اختیار اسباب کا خلاف توکل نہ ہونا عقل و نقل، قرآن و حدیث، اجماع، تعامل امت و تعامل خلفاء راشدین سے اس قدر واضح اور بدیہی ہے کہ اس پر دلائل قائم کرنا دوپہر کے وقت چمکتے سورج پر دلائل پیش کرنا ہے مگر "تقدیم" میں مذکورہ وجوہ کے پیش نظر ذیل میں قرآن، حدیث، آثار صحابہ و تابعین، اقوال فقہاء و مجتہدین و تعامل خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی نصوص پیش کی جاتی ہیں۔

ویسے تو قرآن میں دو سو سے زائد آیات جہاد و قتال ہیں اور جہاد و قتال بدون اختیار اسباب نہیں ہو سکتا تاہم یہاں ان میں سے چند آیات نقل کی جاتی ہیں جن میں صراحۃً اختیار اسباب کا حکم ہے۔

دشمنان اسلام کیلئے بھرپور ہتھیار تیار رکھا کرو

(۱) واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم واٰخرین من دونھم لا تعلمونھم اللہ یعلمھم (۸-۶۰)

"اور ان کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار اور پلے ہوئے گھوڑے اور دوسرا اسامان درست رکھو (کیونکہ) اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو گے ان پر جو کہ اللہ کے دشمن ہیں اور تمہارے دشمن ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے، ان کو اللہ ہی جانتا ہے۔"

"واٰخرین من دونھم" کی ایک تفسیر جنات و شیاطین سے کی گئی ہے، اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ جس گھر میں دشمن سے دفاع کے لئے اسلحہ ہو اس میں شیطان نہیں آسکتا۔

حفاظتی تدابیر کا حکم :

(۲) یا ایہا الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا (۷۱-٤)

"اے ایمان والو! پیچھے اپنے بچاؤ کی تدبیر کرو پھر ان سے مقابلہ کے لئے متفرق طور پر نکلو یا مجتمع ہو کر۔"

حفاظت کے لئے اسلحہ و دیگر تدابیر کا حکم :

(۳) ولیأخذوا حذرھم واسلحتھم (۴ - ۱۰۲)

"اور وہ (مسلمان میدان جہاد میں بوقت صلاۃ الخوف) اپنا دفاع اور اسلحہ مضبوط رکھیں۔"

اسلحہ سے غفلت تباہی و بربادی ہے :

(۴) ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ (حوالہ بالا)

"یہ کفار چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحہ و اسباب سے غفلت اختیار کرو پھر یکبارگی تم پر سخت حملہ کر دیں۔"

پہرے کا حکم :

(۵) یا ایہا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا (۳ - ۲۰۰)

"اے ایمان والو! خود صبر کرو اور مقابلے میں ڈٹے رہو اور اسلام و اہل اسلام کے دفاع کے لئے پہرہ دو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا سب سے ممتاز باب جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا ہے، اگر سیرت سے جہاد کو نکال دیا جائے تو سیرت کے چند اوراق بچ جاتے ہیں آٹھ سالہ قلیل عرصہ میں آپ نے ستائیس جنگوں کی بنفس نفیس کمان کی اور ستر سے زائد جنگوں کے منصوبے بنا کر مجاہدین کے لشکر بھیجے، اس سے اندازہ لگائیں کہ اسلام میں دفاع کس قدر اہم ہے۔

ذیل میں چند احادیث و نصوص نقل کی جا رہی ہیں جن میں کفر کو دبانے کے لئے عسکری اسباب کا حکم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔

مسلح پہرہ ——— ۱۱

تیر اندازی سیکھ کر بھلا دینا یا چھوڑ دینا نافرمانی ہے:

(۹) عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من علم الرمی ثم ترکه فلیس منا او قد عصی. (صحیح مسلم ص ۱۴۳ ج ۲)

"حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں: جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا تو وہ ہم میں سے نہیں، یا آپ نے یہ فرمایا کہ اس نے نافرمانی کی۔"

فائدہ:

تیر اندازی کے فضائل بے شمار ہیں، حضرت والا کے "سفرنامہ جہاد افغانستان" میں اس پر مستقل باب رکھا گیا ہے جس میں بیسیوں احادیث مع ترجمہ منقول ہیں، یہ سفرنامہ (مفصل) کتابت کے آخری مراحل میں ہے۔

پہرے کے فضائل:

(۱۰) عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: عینان لا تمسهما النار، عین بکت من خشیة الله وعین باتت تحرس فی سبیل الله. (رواه الترمذی وقال: حدیث حسن غریب ص ۲۵۷)

"حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:
دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو جہنم کی آگ نہیں چھو سکے گی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، دوسری وہ آنکھ جو رات بھر جہاد میں پہرہ دیتی اور جاگتی رہی۔"

شب قدر سے افضل رات

(۱۱) عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما ان النبی صلی الله علیه وسلم قال: الا انبئکم بلیلة افضل من لیلة القدر، حارس حرس فی ارض خوف لعله ان لا یرجع الی اهله. (رواه الحاکم وقال: صحیح علی شرط الشیخین ووافقه الذهبی)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا:

کیا میں تم کو ایسی رات نہ بتاؤں جو (ثواب کے اعتبار سے) لیلۃ القدر سے (بھی) افضل ہے (یعنی وہ رات جس میں) پہرہ دار ایسے خوف کے علاقہ میں پہرہ دے جہاں اس کی زندگی خطرہ میں ہو۔

فائدہ:

جہاد میں پہرے کے بڑے فضائل ہیں، حضرت اقدس کے "سفرنامہ جہاد افغانستان" میں اس پر مستقل رسالہ ہے جو بیس سے زائد صحیح حدیثوں پر مشتمل ہے۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مسلح محافظ

ایسا منظر جس کی نظیر آسمان و زمین پیش کرنے سے عاجز:

(۱۴) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس قال وقد فزع اهل المدينة ليلة سمعوا صوتا قال فتلقاهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی فرس لابی طلحة عری وهو متقلد سیفه فقال لم تراعوا لم تراعوا ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجدته بحرا یعنی الفرس۔

(صحیح بخاری ص ۴۲۲ ج ۱)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے حسینوں سے زیادہ حسین اور دنیا بھر کے سخیوں سے زیادہ سخی اور دنیا بھر کے بہادروں سے زیادہ بہادر تھے (اس کا مشاہدہ جنگوں کے دوران بے شمار مواقع میں ہوتا رہا من جملہ ان کے یہ کہ) ایک رات اہل مدینہ کسی خوفناک آواز سے گھبرا اٹھے، مقابلہ کے لئے خطرہ کی طرف نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہیں گلے میں تلوار لٹکائے خطرہ کا جائزہ لے کر واپس تشریف لا رہے ہیں اور فرماتے جا رہے ہیں مت گھبراؤ، مت گھبراؤ (یعنی میں دیکھ آیا ہوں ڈرنے کی بات نہیں) پھر آپ نے فرمایا کہ میں نے اس گھوڑے کو چلنے میں سمندر کی طرح پایا۔"

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے پر زین

کے بغیر تھے، محدثین کہتے ہیں کہ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ماہر گھڑ سوار تھے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ میر لشکر بذات خود بھی حالات کا جائزہ لے۔

کیا مسلح پہرہ خلاف سنت ہے؟

اعتراض نمبر ۳:

مسلح پہرہ خلاف سنت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلح پہرہ داروں کا رکھنا کہیں پڑھا نہ سنا، فرمان الٰہی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

”اللہ کے رسول تمہارے لئے تمام حالات میں بہترین نمونہ ہیں۔“

اور ارشاد نبوی ہے: علیکم بسنتی

”میری سنت کو لازم پکڑو۔“

کیا علماء کے لئے یہ حکم نہیں؟

مسلح پہرہ کو خلاف سنت سمجھنا جہالت ہے

جواب:

یہ سمجھنا کہ مسلح پہرہ خلاف سنت ہے اور یہ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں مسلح پہرہ نہیں احادیث کا انکار، حقائق کی تکذیب یا پھر پرلے درجے کی جہالت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سیرت کی کتابیں اور جہاد کی احادیث مسلح پہرہ سے پر ہیں، اب ان میں سے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں، قارئین احادیث ”حراست“ پڑھ کر ایک مرتبہ سوال کی عبارت پھر پڑھیں تاکہ صورت سوال کی سنگینی کا اچھی طرح احساس ہو سکے ؎

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

آج ہماری پہرہ داری کون کرے گا:

(۳) عن ابی ریحانۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال: کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ فاتینا ذات لیلۃ علی شرف فبتنا علیہ فاصابنا برد شدید حتی

حتى رأيت من يحفر في الأرض حفرة يدخل فيها ويلقي عليه الحجفة يعني الترس فلما رأى ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم من الناس قال من يحرسنا الليلة وأدعو له بدعاء يكون فيه فضل فقال رجل من الأنصار أنا يا رسول الله قال ادنه فدنا فقال من أنت فتسمى له الأنصاري ففتح رسول الله صلى الله عليه وسلم بالدعاء فأكثر منه قال أبو ريحانة فلما سمعت ما دعا به رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت أنا رجل آخر فقال ادنه فدنوت فقال من أنت فقلت أبو ريحانة فدعا بدعاء هو دون ما دعا للأنصاري ثم قال حرمت النار على عين دمعت أو بكت من خشية الله وحرمت النار على عين سهرت في سبيل الله عز وجل الخ

رواه أحمد واللفظ له ورواته ثقات والنسائي ببعضه والطبراني في "الكبير" و"الأوسط" والحاكم وقال صحيح الإسناد (الترغيب للمنذري ص ۱۵۲ ج ۲)

"حضرت ابوریحانہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم ایک جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات بسر کرنے ایک اونچی جگہ پر ٹھہرے، بہت سخت سردی لگی، حتیٰ کہ سردی سے بچاؤ کے لئے بعض لوگ گڑھے کھود کر سر پر ڈھال رکھے زمین میں گھسنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کا یہ حال دیکھا تو فرمایا:

"آج ہماری پہریداری کون کرے گا؟ میں اس کے لئے بڑی فضیلت کی دعا کروں گا۔"

ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں پہرہ دوں گا، فرمایا قریب ہو جاؤ، وہ قریب ہو گئے، فرمایا تم کون ہو؟ انصاری نے تعارف کرایا، پھر آپ نے انصاری کے لئے دعا شروع کی اور بہت زیادہ دعائیں دیں، ابوریحانہ کہتے ہیں دعائیں سن کر میرے منہ میں بھی پانی بھر آیا، میں نے عرض کیا کہ میں بھی پہرہ دوں گا، آپ نے قریب بلا کر دریافت فرمایا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا ابوریحانہ، پھر آپ نے میرے لئے بھی دعائیں فرمائیں مگر انصاری کی بنسبت کم، پھر فرمایا جہنم کی آگ اس آنکھ پر حرام کر دی گئی جو اللہ کے خوف سے روئی اور اس آنکھ پر بھی جو جہاد میں جاگی (یعنی پہرہ دیا)

فی سورۃ اقرؤھا فلم احب ان اقطعھا (ابن ابی داؤد ص ۳ ج ۱)

واخرجہ ابن اسحٰق وغیرہ: وھما عمار بن یاسر و عباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنھما (حیاۃ الصحابۃ ص ۵۹۱ ج ۱)

"ایک غزوہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"آج کی رات کون ہماری پہرہ داری کریگا؟"

آپ کی اس آواز پر ایک مہاجر اور ایک انصاری نے لبیک کہی آپ نے فرمایا:

"دونوں اس گھاٹی کے منہ پر پہرہ دو"

جب دونوں گھاٹی کے منہ پر پہنچ گئے تو مہاجر لیٹ گئے اور انصاری نماز میں مشغول ہوگئے۔ دشمن نے ایک تیر مارا جو ان کے جسم میں پیوست ہوگیا، انھوں نے اس کو کھینچ کر نکالدیا حتی کہ ان کو تین تیر لگے، اس کے باوجود انھوں نے نماز پوری کرکے، اپنے ساتھی کو جگایا تو دشمن بھاگ گیا، مہاجر نے انصاری پر خون دیکھا تو کہا: "سبحان اللہ! آپ نے مجھے پہلا ہی تیر لگنے پر کیوں نہیں جگایا؟" انھوں نے کہا: "میں ایک سورت پڑھ رہا تھا اس کو درمیان میں چھوڑنا پسند نہ کیا"

یہ دو خوش نصیب حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے۔"

صدیق اکبر نبوت کے محافظ، نرالی شان

(۱۹) عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال: ایھا الناس اخبرونی من اشجع الناس؟ قالوا او قال: انت یا امیر المؤمنین، قال: اما انی ما بارزت احدا الا انتصفت منہ ولکن اخبرونی باشجع الناس، قالوا لا نعلم فمن؟ قال ابوبکر، انہ لما کان یوم بدر جعلنا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عریشا فقلنا من یکون مع رسول اللہ لئلا یھوی الیہ احد من المشرکین فواللہ ما دنا منہ احد الا ابوبکر شاھرا بالسیف علی رأس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یھوی الیہ احد الا اھوی الیہ فھذا اشجع الناس۔ اخرجہ البزار، المجمع ص ۴۶ ج ۹ (حیاۃ الصحابۃ ص ۲۶۴ ج ۱)

"ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لوگو! بتاؤ سب

سے بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا امیر المؤمنین آپ ہی ہیں، فرمایا نہیں؛ بتاؤ سب سے بہادر کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں آپ ہی ارشاد فرمائیں، فرمایا:

ابوبکر

(اس کی دلیل یہ ہے کہ) غزوۂ بدر کے دن ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھپر بنا دیا تھا پھر ہم نے اعلان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بطور محافظ کون ہوگا؟ اللہ کی قسم کسی نے بھی اس خطرناک کام کے لئے حامی نہیں بھری سوائے ابوبکر کے، ابوبکر تلوار سونتے آپ کے سر پر چاق وچوبند کھڑے پہرہ دیتے رہے، جب بھی کوئی مشرک آپ کی طرف آنا چاہتا حضرت ابوبکر اس پر (عقاب کی طرح) جھپٹ پڑتے اور اسے مار بھگاتے تھے۔

عمر فاروق نبوت کے مسلح محافظ

(۱۷) قال الامام المحدث الحافظ الثقة الثبت عمر بن شبة النمیری البصری رحمہ اللہ حدثنا حرمی بن عمارۃ (قال ابن معین صدوق کما فی الخلاصۃ للخزرجی ص۷۶) عن محمد بن ابی الزھیم الھاشمی۔

عن ادریس الاودی عن ابیہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی فی الحجر قام عمر بن الخطاب علی راسہ بالسیف (تاریخ المدینۃ لابن شبۃ ص۶۶۶)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حطیم میں نماز ادا فرماتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار سونتے آپ کے سر پر کھڑے پہرہ دیا کرتے۔"

فتح مکہ میں نبوت کے محافظ:

(۱۸) عن ھشام عن ابیہ: لما سار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح فبلغ ذلک قریشا خرج ابو سفیان بن حرب وحکیم بن حزام وبدیل ابن ورقاء یلتمسون الخبر (الی) فرآھم ناس من حرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فادرکوھم فاخذوھم فاتوا بھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسلم ابو سفیان الخ

(صحیح بخاری ص۶۱۳ ج۲)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ میں ابھی مکہ نہیں پہنچے تھے کہ اہل مکہ کو آپ کے حملہ اور لشکر کشی کا علم ہوگیا، قریش کے سردار ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء تینوں لشکر اسلام کا جائزہ لینے نکلے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظوں نے ان کو دیکھ لیا، محافظین ان کو پکڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، ابوسفیان فوراً مشرف باسلام ہوگئے۔ الخ"

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"بعض روایات میں ہے کہ ان محافظوں میں امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔"

مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلح پہرہ

(١٩) بوب الامام البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ بباب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ تعالیٰ وروی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقول: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم سہر فلما قدم المدینۃ قال لیت رجلا من اصحابی صالحا یحرسنی اللیلۃ اذ سمعنا صوت سلاح فقال من ہذا فقال انا سعد بن ابی وقاص جئت لاحرسک فنام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی روایۃ حتی سمعنا غطیطہ (صحیح البخاری باب الحراسۃ ص ٤٠٤ ج ١ و باب التمنی ص ١٠٧٤ ج ٢) وزاد ابن شبۃ: فقالت عائشۃ: ما شانک یا رسول اللہ الخ (تاریخ المدینۃ ص ٣٠٠ ج ١، صحیح مسلم ص ٢٨٠ ج ٢)

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الحدیث الاخذ بالحذر والاحتراس من العدو وان علی الناس ان یحرسوا سلطانہم خشیۃ القتل وفیہ الثناء علی من تبرع بالخیر وتسمیتہ صالحا وانما عانی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذلک مع قوۃ توکلہ للاستنان بہ فی ذلک وقد ظاہر بین درعین مع انہم کانوا اذا اشتد الباس کان امام الکل وایضا فالتوکل لا ینافی تعاطی الاسباب لان التوکل عمل القلب وہی عمل البدن وقد قال علیہ الصلاۃ والسلام اعقلہا وتوکل الخ (فتح الباری ص ٦٦ ج ٦)

مسلح پہرہ ——— ٣٠

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جاگتے رہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ فکر مند کیوں ہیں؟ فرمایا کاش میرے صحابہ میں سے کوئی رجل صالح مجھ پر پہرہ دیتا، اتنے میں ہم نے ہتھیار کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کون ہے؟ عرض کیا: سعد بن ابی وقاص ہوں، ایک روایت میں ہے کہ میں نے اپنے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خطرہ محسوس کیا اس لئے پہرہ کے لئے حاضر ہوا ہوں، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے اطمینان سے سوئے کہ ہم نے آپ کے خراٹے سنے۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسائل ثابت ہوئے:

(۱) حفاظتی تدابیر اختیار کرنا۔
(۲) دشمن سے دفاع کے لئے پہرہ دینا۔
(۳) لوگوں پر اپنے بڑوں کی حفاظت کا لازم ہونا۔
(۴) پہرہ دینے والے کا لائق شمار ہونا۔
(۵) پہریدار کو لسان نبوت سے "صالح" کا لقب عطا ہونا۔
(۶) دوسروں کا اس سنت نبویہ پر عمل پیرا ہونا۔
(۷) اختیار اسباب کا توکل کے خلاف نہ ہونا

مدینہ میں قیس بن سعد کی پہریداری کا معمول:

(۴۰) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: ان قیس بن سعد کان یکون بین یدی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلۃ صاحب الشرطۃ من الامیر (صحیح البخاری ص ۱۰۵۹ ج ۲، جامع الترمذی ص ۲۱۸ ج ۲، ورواہ ابن حبان فی صحیحہ۔

فتح الباری ص ۱۱۹ ج ۱۳، نیل الاوطار ص ۲۶۱ ج ۸)

"حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زیادہ آگے بطور محافظ رہا کرتے تھے۔"

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم فرمایا:

باب احتراز المصطفیٰ من المشرکین فی مجلسہ ان دخلوا

یعنی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین سے حفاظت کا بندوبست کرنا۔

(فتح الباری و نیل الاوطار جلد ۸ صفحہ ۱۱۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ بردار:

(۲۱) باب حمل العنزة والحربة بین یدی الامام یوم العید

"عید کے دن امام کے آگے آگے نیزہ اٹھا کر چلنے کا بیان"

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغدو الی المصلی والعنزة بین یدیه تحمل وتنصب بالمصلی بین یدیه فیصلی الیها (صحیح بخاری ص ۱۳۳ ج ۱)

وعنه رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا خرج یوم العید امر بالحربة فتوضع بین یدیه فیصلی الیها والناس وراءه وکان یفعل ذلک فی السفر فمن ثم اتخذها الامراء (صحیح بخاری ص ۷۲ ج ۱)

"حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے روز نماز کے لئے تشریف لے جاتے تو ساتھ نیزہ اٹھانے کا حکم فرماتے، نیزہ بردار آپ کے آگے آگے چلتا پھر اسی نیزہ سے سترہ کا کام (بھی) لیا جاتا۔ حکام کا مروجہ طریقہ اسی سنت سے ماخوذ ہے۔"

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی الحدیث الاحتیاط للصلوٰة واخذ آلة دفع الاعداء ولاسیما فی السفر (فتح الباری ص ۳۷۴ ج ۱)

جلیل محدث حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں:

"اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ باہر جاتے ہوئے دشمنوں سے دفاع کے لئے ہتھیار ساتھ ہونا چاہئے اور سفر میں بطور خاص اس کا اہتمام کرنا چاہئے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے لٹھ بردار:

(۲۲) قال ابن ابی شیبة حدثنا عبد اللہ بن رجاء قال: حدثنا المسعودی عن القاسم قال: کان عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یلبس النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعلیه

متصل بالمنبر العصا فجلس امامه (تاریخ المدینہ ص ۳۰۳)

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین شریف پہناتے پھر آپ کو عصائے مبارک لیکر آگے آگے چلتے الخ"

منبر رسول پر بلال حبشی کی پہرہ داری کا دلکش نظارہ:

عن الحارث بن حسان قال: قدمت المدینة فرأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائم علی المنبر وبلال قائم بین یدیه متقلد سیفه واذا رأیة سوداء فقلت: من هذا؟ قالوا: هذا عمرو بن العاص قدم من غزاة (سنن ابن ماجہ ص ۲۰۲)

(۴۲) قال ابن شبة عن الحارث بن حسان البکری قال: قدمت المدینة فاذا النبی صلی اللہ علیه وسلم علی المنبر واذا بلال متقلد بالسیف واذا رایات سود فقلت: ما هذه الرایات؟ قالوا: هذا عمرو بن العاص قدم من غزوة ذات السلاسل (تاریخ المدینہ ص ۳۰۳)

"حضرت حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو میں نے یہ منظر دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں اور (سامنے) بلال گلے میں تلوار لٹکائے کھڑے ہیں، کچھ سیاہ جھنڈے بھی ہیں میں نے لوگوں سے پوچھا یہ جھنڈے کیا ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ حضرت عمرو بن العاص ہیں جو "غزوۂ ذات السلاسل" سے واپس لوٹے ہیں (یہ جھنڈے ان کے مجاہدین کے ہیں)"

ریاض الجنۃ میں اسطوانہ حارس:

(۴۳) قال العلامة السمهودی رحمه اللہ تعالی: ومنها اسطوان المحرس وتسمی اسطوان امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنه قال یحیی: ..... قال جعفر بن عبد اللہ بن الحسین: ان هذه المحرس کان علی بن ابی طالب یجلس فی صفحتها التی تلی القبر مما یلی باب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یحرس النبی صلی اللہ علیه وسلم (وفاء الوفاء ج ۱ ص ۴۴۸)

"مسجد نبوی میں "ریاض الجنۃ" کے ستونوں میں ایک ستون "اسطوان المحرس" یا "اسطوان امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ" کے نام سے مشہور ہے اس لئے

کہ یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا کرتے تھے۔"

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان:

(۲۵) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحرس حتی نزلت ھذہ الآیۃ (واللہ یعصمک من الناس) رواہ الترمذی قال الحافظ: واسنادہ حسن (فتح الباری ص ۶۰ ج ۶)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ کا معمول آیت واللہ یعصمک من الناس کے نزول تک برقرار رہا۔"

مدینہ طیبہ میں باری باری صحابہ کرام کا پہرہ دینا:

(۲۶) عن محمد بن کعب القرظی قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتعاقبہ اصحابہ فانزل اللہ تعالیٰ (یا ایھا الرسول ...... الخ)"

(۲۷) عن عبد اللہ بن شقیق: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعتقبہ ناس من اصحابہ فلما نزلت (واللہ یعصمک من الناس) خرج فقال یا ایھا الناس الحقوا بملاحقکم فان اللہ قد عصمنی۔

(تاریخ المدینۃ ص ۳۰۱ ج ۱، تفسیر الطبری ص ۱۹۹ ج ۶)

"حضرت محمد بن کعب اور عبد اللہ بن شقیق رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر باری باری پہرہ دیا کرتے تھے جب آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوگئی تو آپ نے (حجرۂ مبارک) سے نکل کر ارشاد فرمایا: لوگو! اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ بیشک اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کے وقت صحابہ کا ارد گرد پہرہ دینا

(۲۸) واخرج ابو نعیم فی الدلائل عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینام الا ونحن حولہ من مخافۃ الغوائل حتی نزلت آیۃ العصمۃ (الدر المنثور ص ۲۹۸ ج ۲)

"حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطرہ

کے پیشِ نظر اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک کہ ہم آپ کے ارد گرد نہ آجاتے، یہ معمول آیت "عصمت" کے نزول تک رہا۔"

آپکے چچا جان حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی محافظین میں :

(۲۹) واخرج الطبرانی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: کان العباس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیمن یحرسہ فلما نزلت (واللہ یعصمک من الناس) ترک الحرس۔ (تفسیر المظہری ص ۱۴۵ ج ۳)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بھی آپ کے محافظوں میں سے تھے آیت "عصمت" کے نزول پر پہرہ چھوڑ دیا گیا۔"

(۳۰) واخرج ایضا عن عصمۃ بن مالک الخطمی رضی اللہ عنہ قال: کنا نحرس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باللیل حتی نزلت (واللہ یعصمک من الناس) فترک الحرس (تفسیر المظہری ص ۱۴۵ ج ۳)

"حضرت عصمۃ بن مالک خطمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ دیا کرتے تھے پھر جب آیت واللہ یعصمک من الناس نازل ہوئی تو پہرہ ترک کر دیا گیا۔"

(۳۱) عن الادرع السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: جئت لیلۃ احرس النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاذا رجل قراءتہ عالیۃ الخ (سنن ابن ماجۃ ص ۱۱۲)

حضرت ادرع سلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دینے حاضر ہوا تو وہاں ایسا شخص تھا جس کی قراءت بلند تھی پھر اسکا انتقال ہو گیا، جنازہ اٹھایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے ساتھ نرمی (واکرام) کا معاملہ کرو، اللہ نے بھی اسکے ساتھ نرمی کی ہے کیونکہ یہ اللہ اور اسکے رسول سے (بڑی) محبت رکھتا تھا، پھر جب اسکے لئے قبر کھودنے گئے تو آپ نے فرمایا اس کی قبر (ذرا) وسیع کردو اللہ نے اس پر وسعت کی ہے۔۔۔ یہ اللہ اور اسکے رسول کے ساتھ (بڑی) محبت رکھتا تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان :

(۳۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ قال: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان

یحرسہ اصحابہ فقمت ذات لیلۃ فلم ارہ فی منامہ فاخذنی ما قدم وما حدث فذھبت انظر فاذا انا بمعاذ قد لقی الذی لقیت ... الخ

(مسند احمد ص ۴۱۶ ج ۴ الفتح الربانی ص ۱۲۱ ج ۱۴)

"حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا کرتے تھے، ایک رات پہرہ کی غرض سے در دولت پر حاضر ہوا تو آپ کو اپنی خواب گاہ میں نہ پاکر بڑا پریشان ہوا اور نئے پرانے خطرات کے خیالات نے مجھے گھیر لیا، میں آپ کو ادھر ادھر ڈھونڈنے نکلا تو میری ملاقات حضرت معاذ بن جبل سے ہوئی، معلوم ہوا وہ بھی پہرہ کے لئے آئے تھے اور آپ کو ڈھونڈنے میں پریشان و سرگرداں ہیں۔"

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے محافظ:

(۴۴) ان عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ علیہ یوم عرفۃ سمع صوتا فی فسطاط المتکبر عالیا فبعث الحرس یصیحون فی الناس ایہا الناس انہا التلبیۃ۔

(موطا امام مالک ص ۱۶۹ ج ۳)

"خلیفہ عادل و راشد امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ذی الحجہ کی نویں کو منیٰ کی صبح کے وقت لوگوں کو بلند آواز سے تکبیر کہتے سنا، آپ نے اپنے محافظین کو بھیج کر یہ اعلان فرمایا:
لوگو! یہ تلبیہ پڑھنے کا وقت ہے (زمانۂ تکبیر کا نہیں)۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ آخر عمر تک رہا

قال بیدنا فی الوقت القاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ تعالیٰ: قیل نزلت ھذہ الآیۃ بعد ما شج رأسہ، لان سورۃ المائدۃ من آخر القرآن نزولا۔

وقال المحدث الشھیر والمفسر الکبیر الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ:
والصحیح ان ھذہ الآیۃ مدنیۃ بل ھی من اواخر ما نزل اللہ بھا واللہ اعلم

(تفسیر ابن کثیر ص ۷۹ ج ۲)

وقال العلامة القسطلانی رحمه الله تعالى: وهو (أي قوله يحرس) حتى نزلت (أي يعصمك) فلم يحرس بعد ذلك بناءً على سبق نزول الآية لكن ورد في عدة أخبار أنه حرس في بدر وأحد والخندق وفي رجوعه من خيبر وفي وادي القرى وعمرة القضية وفي حنين فكأن الآية نزلت متراخية عن وقعة حنين. الخ

(ارشاد الساری ص ٨٦ ج ٥)

حافظ ابن کثیر اور قاضی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ کی تصریحات بالا سے ثابت ہوا کہ آیۃ واللہ یعصمک من الناس ان آیتوں میں سے ہے جن کا نزول بالکل آخر میں ہوا جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ کا معمول اواخر عمر تک رہا۔

علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیان کے مطابق بھی پہرہ "غزوۂ حنین" تک ثابت ہے جو اس کی دلیل ہے کہ آیت "غزوۂ حنین" کے بعد اتری ہے۔

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ نزول آیت پہرہ کے معمول کے لئے ناسخ ہے مگر مشہور مفسر و محدث علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس رائے سے متفق نہیں، وہ فرماتے ہیں:

"ليس في الآية ما ينافي الحراسة كما أن اعلام الله نصر دينه وإظهاره ما يمنع الأمر بالقتال وإعداد العدد وعلى هذا فالمراد العصمة من الفتنة والإضلال أو إزهاق الروح" (فتح الباری ص ٦٣ ج ٦، عمدة القاری ص ١٢٠ ج ١٤)

یعنی جس طرح اللہ کا یہ وعدہ کہ "دین اسلام کو غالب کر کے رہیں گے" قتال کی تیاری کے منافی نہیں، اسی طرح یہ آیت بھی "حراست" (پہرہ) کے منافی نہیں، آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتنہ وغیرہ سے بچائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظین

تفصیل مذکور سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور پہرہ داری کی سعادت عظمیٰ باری باری سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاصل کرتے تھے لیکن بعض حضرات کو یہ دولت خصوصی طور سے میسر آئی، وہ خوش قسمت حضرات یہ ہیں:

(١) امیر المؤمنین حضرت ابوبکر (٢) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق

(٣) امیر المؤمنین حضرت علی (٤) حضرت زبیر بن العوام

(۵) حضرت عباس (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص
(۷) حضرت ابوطلحہ (۸) حضرت عبداللہ بن مسعود
(۹) حضرت بلال (۱۰) حضرت ابوذر غفاری
(۱۱) حضرت سعد بن معاذ (۱۲) حضرت حذیفہ
(۱۳) حضرت عمار (۱۴) حضرت ابوایوب
(۱۵) حضرت محمد بن مسلمہ (۱۶) حضرت قیس بن سعد
(۱۷) حضرت عباد بن بشر (۱۸) حضرت انس بن مرثد
(۱۹) حضرت ابوریحانہ (۲۰) حضرت ذکوان بن عبد قیس
(۲۱) حضرت عصمہ بن مالک خطمی (۲۲) حضرت ادرع اسلمی
(۲۳) حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہم اجمعین ورضوا عنہ

(ارشاد الساری، حاشیہ صحیح بخاری کتاب التمنی، فتح الباری، عمدۃ القاری، تفسیر مظہری، درمنثور، طبری، تاریخ مدینہ، حیاۃ الصحابۃ)

اسلحہ اور دہشت گردی

اعتراض نمبر ۳:

دار الافتاء والارشاد میں اسلحہ کی نمائش اور اس کا خوب مظاہرہ ہوتا ہے علماء کے پاس اسلحہ ہونا دین کے لئے فتنہ اور دین کی رہی سہی عظمت کو خاک میں ملانے کے مترادف ہے کیونکہ اسلحہ غنڈوں اور بدمعاشوں کا شعار بن چکا ہے جس کی وجہ سے علماء کے پاس اسلحہ کا ہونا درحقیقت مسلمانوں کو دین سے مزید متنفر کرنا ہے۔

اسلحہ سے نفرت درحقیقت قرآن و حدیث و سنت نبویہ سے نفرت ہے

جواب:

مسلم قوم پر یہ دور بھی آنے والا تھا جب اسلحہ جیسی عزت، نعمت و محبوب چیز کو

(۱) جو اللہ اور اسکے رسول کا حکم قطعی ہے۔
(۲) جو اسلام کی عزت و عظمت بھی ہے اور قوت و طاقت بھی۔
(۳) جس سے نبی کو والہانہ عقیدت و محبت تھی۔

(۴) جو نبی کی میراث تھی۔
(۵) جسے صحابہ کرام اپنے تن سے رات میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔
(۶) جس کی مشق مسجد نبوی کے اندر ہوتی تھی۔
(۷) جس کی خیرات مسجد نبوی کے اندر ہوا کرتی تھی۔
(۸) جس کو مسجد میں لانے کے آداب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بتایا کرتے تھے۔

قابل نفرت اور اسے دہشت گردی کی علامت سمجھنے لگیں گے عزت کو ذلت اور بلندی کو پستی تصور کرنے لگیں گے۔

ایسے لوگ اگر مخلص ہیں تو ان کو ذرا سے غور سے خوب احساس ہو جائے گا کہ اسلحہ کو غنڈہ گردی اور دہشت گردی کی علامت سمجھنے اور کہنے میں بلاشبہہ ایمان خطرہ میں ہے۔ پھر یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ غنڈے اور بدمعاش تو اس عظیم چیز کو حاصل کرکے اسے دین کے خلاف استعمال کریں اور نبی السیف (تلوار والے نبی) کے امتی کہلانے والے اسے چھوڑ کر اسے نفرت و ذلت سمجھنے لگیں۔

کیا اگر بدمعاش لوگ نماز روزہ کرکے اس سے غلط مقاصد نکالنے لگیں تو یہ عقلمندی ہوگی کہ دوسرے مسلمان نماز روزہ چھوڑ کر بیٹھ جائیں اور نماز روزہ کو بدمعاشی اور غنڈہ گردی کہنے لگیں!

اسلحہ رکھنے کے بارے میں آیات تو بہت گزر چکی ہیں اب چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

دفاع و جہاد کے آلات اور ہتھیار رکھنے کے فضائل

گھوڑے پر خرچ کرنا صدقہ کرنے کے لئے ایسا ہاتھ پھیلانا ہے جو کبھی بند نہ ہو:

(۴۴) عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: المنفق علی الخیل کالباسط یدہ بالصدقۃ لا یقبضہا (سنن ابی داؤد ص۳۴۳ ج۱)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا: گھوڑے پر خرچ کرنے والا ایسا ہے جیسے کسی نے صدقہ کرنے کے لئے ہاتھ ایسا پھیلا دیا ہو کہ وہ اسے بند ہی نہیں کرتا۔

جہاد کے گھوڑے کی لید اور پیشاب میزان قیامت میں نماز روزہ کے ساتھ

(۳۵) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من احتبس فرسا فی سبیل اللہ ایمانا باللہ وتصدیقا بوعدہ فان شبعہ وریہ وروثہ وبولہ فی میزانہ یوم القیامۃ یعنی الحسنات۔

(صحیح بخاری ص ۴۰۰ ج ۱، سنن نسائی ص ۱۰۰ ج ۲)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جس نے اللہ اور اس کے وعدوں پر ایمان و یقین کے ساتھ جہاد (اور اسلام سے دفاع) کے لئے گھوڑا پالا تو اس کا کھانا، پینا، لید اور پیشاب سب قیامت کے دن نیکیوں کے ساتھ تولا جائے گا۔"

اسلام سے دفاع کے لئے ہتھیار عبادت اور ریاء و نمود کے لئے وبال

(۳۶) عن اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالی عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: الخیل فی نواصیہا الخیر معقود ابدا الی یوم القیامۃ فمن ربطہا عدۃ فی سبیل اللہ وانفق علیہا احتسابا فی سبیل اللہ فان شبعہا وجوعہا وریہا وظماٴھا وارواثہا وابوالہا فلاح فی موازینہ یوم القیامۃ ومن ربطہا ریاء وسمعۃ ومرحا وفرحا فان شبعہا وجوعہا وریہا وظماٴھا وارواثہا وابوالہا خسران فی موازینہ یوم القیامۃ۔ رواہ احمد باسناد حسن (الترغیب للمنذری ص ۲۶۱ ج ۲)

"حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالی عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

گھوڑوں کی پیشانی میں ہمیشہ کے لئے خیر رکھ دی گئی ہے (ان سے تا قیامت اسلام و اہل اسلام سے دفاع اور اللہ کا کلمہ بلند ہوتا رہے گا) جس جس نے ان کو جہاد کے لئے تیار کرکے رکھا اور ثواب سمجھ کر ان پر خرچ کیا تو ان کا کھانا اور پینا، بھوک اور پیاس، لید اور پیشاب قیامت کے دن (نیکیوں کے) ترازو میں بڑی وزن دار نیکیاں ہوں گی اور جس نے دکھاوے اور شہرت اور اکڑ اور فخر کے لئے گھوڑا یا ہتھیار رکھا

تو اس کا کھانا اور پینا، بھوک اور پیاس، پیشاب اور پاخانہ یہ سب چیزیں نیکیوں کے ترازو میں (بصورت) ثواب ہوں گی۔"

اسلحہ سے محبت

(۳۸) عن معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لم یکن شیء احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الخیل ثم قال اللّٰھم غفرا الا النساء۔ رواہ احمد ص ۲۷ ج ۵ ورواتہ ثقات (الترغیب للمنذری ص ۲۶۳ ج ۲)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:
"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھوڑوں سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہ تھی، پھر فرمایا بیویوں کے بعد۔"
(کیونکہ بیویاں بھی اسلام واہل اسلام سے دفاع اور اعلاء کلمۃ اللہ کے اصل ذرائع جہاد کے ذرائع ہیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک سو نکاح کئے تھے تاکہ مجاہدین زیادہ تعداد میں ہوں)

فائدہ مہمہ

روایات بالا سے ثابت ہوا کہ حفاظت دین واعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر صرف اسلحہ رکھنا ہی عبادت نہیں بلکہ اسلحہ کے تمام مصارف، دیکھ بھال اور صفائی وغیرہ سب اعلیٰ درجہ کی عبادت اور میزان قیامت میں بہت وزن دار اور بڑی بھاری حسنات ہیں۔ صحابہ کرام ہر وقت اسلحہ سے لیس:

(۳۹) عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ واوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ وکانوا لا یبیتون الا بالسلاح ولا یصبحون الا فیہ (مستدرک الحاکم)

"حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے انکو ٹھکانہ دیا تو عرب کے تمام قبائل مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے ان

"غزوۂ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور زخمی ہوا، دندان مبارک شہید ہوئے، جنگی ٹوپی ٹوٹ گئی۔"

تیاریٔ جہاد میں مصارفِ مال میں سب سے مقدم و اہم مصرف

(۳۳) قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علی اہلہ نفقۃ سنتہم من ہذا المال ثم یاخذ ما بقی فیجعلہ مجعل مال اللہ (صحیح بخاری ص ۴۳۶ ج ۱، ص ۵۷۵ ج ۲)

(۳۴) عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کانت اموال بنی النضیر مما افاء اللہ علی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم مما لم یوجف المسلمون علیہ بخیل ولا رکاب فکانت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ وکان ینفق علی اہلہ نفقۃ سنتہ ثم یجعل ما بقی فی السلاح والکراع عدۃ فی سبیل اللہ۔

(صحیح بخاری ص ۷۲۰ ج ۲)

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اموال بنی نضیر سے امہات المومنین کے لئے سال کا نفقہ نکال کر بقیہ مال وہاں خرچ کرتے جہاں اللہ کا مال خرچ کیا جاتا ہے۔"

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ باقی ماندہ مال سے آپ ہتھیار، گھوڑے اور جنگی آلات خرید لیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے مال کا اہم و اعظم مصرف ارقائی کیف جنگی آلات خریدنا ہے۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر اسلحہ سے استقبال

(۳۵) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ لعبت الحبشۃ لقدومہ فرحا بذلک لعبوا بحرابہم۔

(سنن ابی داؤد ص [illegible] ج ۲)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حبشہ کے لوگوں نے خوشی میں نیزہ بازی کے کرتب دکھائے۔"

فائدہ: افغانستان کے مجاہدین حضرات علماء و مشایخ اور کل مجاہدین کا اسلحہ سے

استغنا کرتے ہیں مذکورہ بالا حدیث سے ان کے اس معمول کی اصل نکلتی ہے۔

اہل اسلام مسلمانوں کی عزت ہے جسے وہ اپنے تن سے جدا نہیں کرسکتے

سیف اللہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ "شاہ روم" کے پاس اپنے بعض قصیدیوں کے سلسلہ میں مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے، جب بادشاہ کی جائے رہائش کے نزدیک پہنچے تو "جبلہ" سردار لشکر کفار نے کہا:

"اے گروہ عرب! تم اب بادشاہ کی رہائش گاہ تک پہنچ چکے ہو اس لئے اپنے گھوڑوں سے اتر جاؤ اور اپنی تلواریں یہیں رکھ دو"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"گھوڑوں سے تو اتر جائیں گے لیکن تلواریں ہم کبھی نہیں رکھیں گے کیونکہ تلوار ہماری عزت ہے،

کیا ہم اس عزت کو اتار دیں جس کے ساتھ ہمارے نبی کی بعثت ہوئی؟"

(فتوح الشام صفحہ ۱۶۳ طبع کانپور)

جو زیور اللہ کے رسول ہمیں پہنا گئے ہیں اسے نہیں اتارا جاسکتا

فتح اسیبیہ کے موقع پر حضرت خالد رضی اللہ عنہ مع اپنے کچھ مجاہدین کے بحیثیت سفیر بادشاہ سے بات کرنے کے لئے تشریف لے گئے، جب شاہی محل میں داخل ہوئے تو بادشاہ کے محافظوں نے حضرت خالد اور آپ کے ساتھیوں سے اسلحہ لینا چاہا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

"(تم جانتے نہیں) ہم وہ لوگ ہیں جو اپنی تلواریں غیروں کو نہیں دیا کرتے اور (تم کو یہ بھی اچھی طرح معلوم ہونا چاہئے کہ) ہمارے نبی کی بعثت (بھی) تلوار کے ساتھ ہوئی اور یہ تلوار ہم کو ہمارے نبی ہی پہنا گئے ہیں پس جو شرف ہمیں ہمارے اللہ اور اس کے رسول نے عطا فرمایا اسے ہم اپنے سے ہرگز جدا نہیں کرسکتے" (فتوح الشام ص ۱۱۷ ج ۲ طبع مصر)

ہم نے تلواروں سے سرکش زور آور اہل شرک کا علاج کیا

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ تلوار سمیت شاہی محل میں داخل ہونے لگے تو

بادشاہ کے محافظوں نے آپ کے گلے سے تلوار لینے کی کوشش کی، آپ نے فرمایا:

"میں بغیر تلوار کے داخل ہونے کا نہیں، واپس چلا جاؤں گا مگر تلوار تن سے جدا نہ کروں گا، تمھیں خبر نہیں ہم وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اسلام سے عزت بخشی، ایمان کے ذریعہ نصرت عطا فرمائی، اور تلوار کی برکت سے ہم کو منصور کیا اور یہی تو وہ تلواریں ہیں جن کے ذریعہ ہم نے اہل شرک اور سرکش لوگوں کے دماغ درست کر ڈالے ہیں۔" (فتوح مصر ص ۲۲ طبع کانپور)

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ (میراث)

(۳۶) عن عمرو بن الحارث رضی اللہ تعالی عنہ قال: ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا سلاحہ وبغلتہ بیضاء وارضا جعلہا صدقۃ۔ (صحیح بخاری ص ۴۰۸ ج ۱)

وفی روایۃ: ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درہما ولا دینارا ولا عبدا ولا امۃ (وفی روایۃ: ولا شاۃ ولا بعیرا) ولا شیئا الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضا جعلہا صدقۃ (صحیح بخاری ص ۶۴۱ ج ۲، مسند احمد ص ۲۷۹ ج ۴، سنن نسائی ص ۱۲۳ ج ۲)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کے وقت درہم چھوڑے نہ دینار، غلام نہ باندی، بکری نہ اونٹ نہ کوئی اور چیز مگر اپنے جنگی ہتھیار، سفید خچر اور ایک زمین جسے آپ (پہلے ہی) وقف فرما چکے تھے۔"

یہ خچر بھی جہاد میں آپ کے کام آتا تھا، غزوۂ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے۔

حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے اسی حدیث پر یہ عنوان قائم فرمایا ہے:

باب ما جاء فی میراث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا بیان"

(شمائل ترمذی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور انٹیلی جنس

(۳۷) یہ امر روایات کثیرہ صحیحہ مشہورہ سے ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگوں سے قبل اور جنگوں کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار کے حالات

کا دورہ، قریب سے اور اندر گھس کر جائزہ لینے کا حکم فرماتے تھے، ویسے بھی فریضۂ جہاد میں یہ شعبہ عقلاً و نقلاً ناگزیر ہے، امام بخاری و دیگر محدثین نے ایسی احادیث پر باب "فضل الطلیعۃ" "جاسوسی کی فضیلت کا بیان" جیسے عنوان باندھے ہیں۔

(صحیح بخاری صفحہ ۳۹۹ جلد ۱)

احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی جاسوسی کے لئے زیادہ تر عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔

آج دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی ہر شعبہ میں جاسوسی کے لئے سیکڑوں ادارے قائم کر رکھے ہیں مگر مسلمان اس سے بالکل غافل ہیں کاش سنن و مستحبات کے گرویدہ و دلدادہ و مدعیانِ تقوی ان فرائض پر بھی عمل کریں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

سیرتِ نبوی کی حیرت انگیز تفصیلات

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ تلواروں کے نام

(۲۸) رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیارہ تلواریں تھیں جن میں سے بعض عرب کی مشہور تلواریں بھی تھیں۔

۱ — مَأثُور آپ کی تلواروں میں سے سب سے پہلی تلوار ہے جو آپ کو آپ کے والد صاحب کے ترکہ سے ملی۔

۲ — اَلْعَضْب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلنے لگے تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمت میں ھدیۃً پیش کی۔

۳ — ذُوالْفِقَار یہ تلوار آپ کی تمام تلواروں میں مشہور ہے۔

یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "احد" کے روز خواب دیکھا تھا، یہ تلوار عاص بن منبہ کافر کی تھی جو آپ کو بدر کے غنائم میں ملی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تلوار سے بڑی محبت تھی، اس کے دستے اور کنڈے پر چڑھی چاندی آپ کی اس تلوار کے ساتھ والہانہ محبت کا اعلان تھا۔ یہ تلوار آپ کی ملک میں آنے کے بعد پھر کبھی آپ سے جدا نہ ہوئی۔

۴ — اَلْقَلَعِی یہ آپ کو "قلع" نامی جگہ سے ملی۔

۵ ۔ اَلْبَتَّار (بہت خوب کاٹنے والی)
۶ ۔ اَلْحَتْف (موت)
۷ ۔ اَلْمِخْذَم (کاٹنے والی)
۸ ۔ اَلرَّسُوْب (جسم میں گھس کر ڈوب جانے والی)
۹ ۔ اَلْقَضِیْب (تیز دھار والی تلوار)
۱۰ اَلصَّمْصَامَۃ (کاٹنے والی ایسی مضبوط جو کبھی مڑ نہ سکے)
۱۱ ۔ اَللُّحَیْف (ادھیڑنے والی)

(زرقانی صفحہ ۳۷۸ ، ۳۷۹ جلد ۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہوں (بلٹ پروف جیکٹوں) کی تعداد اور انکے نام

(۴۹)

۱ ۔ ذَاتُ الْفُضُوْل (لمبائی والی) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدر کو جاتے ہوئے تحفۃً پیش کی ۔ آپ کے انتقال کے وقت یہی "زرہ" ایک یہودی کے پاس بطور رہن رکھی ہوئی تھی ۔

۲ ۔ ذَاتُ الْوِشَاح

۳ ۔ ذَاتُ الْحَوَاشِی

۴ ۔ اَلسَّغْدِیَّہ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ ہے جسے پہن کر انھوں نے جالوت کو جہنم رسید کیا تھا ۔

۵ ۔ فِضَّۃ ۶ ۔ اَلْبَتْرَاء ۷ اَلْخِرْنِق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانوں کی تعداد اور ان کے نام

(۵۰)

۱ ۔ اَلزَّوْرَاء ۲ اَلرَّوْحَاء ۳ ۔ اَلصَّفْرَاء
۴ ۔ شَوْحَط ۵ ۔ اَلْکَتُوْم ۶ ۔ اَلسَّدَاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکشوں (میگزینوں) کی تعداد اور انکے نام

(۵۱)

۱ ۔ اَلْکَافُوْر اس میں چاندی کے تین حلقے (کڑے) تھے ۔

۲ — اَلْجَمْعُ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھالوں کی تعداد اور انکے نام

(۵۲)

۱ — اَلزَّلُوْقُ (دور رکھنے والی)

۲ — اَلْفَتَقُ ۳ — اَلْمُوْجَزُ ۴ — اَلذَّقَنُ

(زرقانی ص ۳۸۰ ج ۳ ، البدایۃ والنہایۃ ص ۹ ج ۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھالوں برچھیوں اور نیزوں کے نام اور انکی تعداد

(۵۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آٹھ عدد مختلف قسم کی برچھیاں اور نیزے تھے جن میں سے پانچ کے نام مل سکے ہیں۔

۱ — اَلْمُثْوِیْ ۲ — اَلْمُثْنِیْ ۳ — اَلْبَیْضَاءُ اَلْبَیْضَۃُ؟ اتھا

۴ — اَلْعَنَزَۃُ یہ نیزہ عصا نما قسم کا چھوٹا نیزہ تھا جو حبشہ کے بادشاہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی اسے ساتھ رکھتے ، اس سے نماز کے دوران "سترہ" کا کام لیتے ، عید کے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے نیزہ بردار کے ہاتھ میں یہی نیزہ ہوتا اور اسی کو عیدگاہ میں بطور سترہ گاڑ دیا جاتا۔

۵ — اَلسَّغَاءُ (زرقانی ص ۳۸۱ ج ۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خودوں (لوہے کی جنگی ٹوپیوں) کی تعداد اور نام

(۵۴)

۱ — ذَاتُ السُّبُوْغِ ۲ — اَلْمُوَشَّحُ

(زرقانی ص ۳۸۲ - ۳۸۱ ج ۳)

کیا مسجد میں اسلحہ لانا مسجد کی بے ادبی ہے

اعتراض نمبر ۴ :

مسجد اللہ کا گھر اور اسلام کے شعائر میں سے ایک شعار ہے جس کی حرمت قرآن حدیث میں جا بجا مذکور ہے ، ایسی مقدس جگہ میں اسلحہ لانا مسجد کے تقدس کے

خلاف اور اس کی حرمت کو پامال کرنا ہے اور اس اسلحہ کا علماء کے ہاتھ میں ہونا مسجد کے ساتھ علم و علماء کی بے وقعتی بھی ہے۔

اسلحہ مسجد و دیگر شعائر اسلام کی زینت و عزت ہے

جواب:

اسلام نے جیسے مسجد کو مقدس و محترم قرار دیا ہے اسی طرح اسلحہ کو بھی محترم و معظم و لائق محبت فرمایا ہے۔

قرآن و حدیث و سیرت نبویہ و سیرت صحابہ کرام سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلحہ مسجد اور مسجد کے علاوہ دیگر تمام شعائر اسلام کا بھی محافظ اور مقدس ہے۔

اسلحہ کو مسجد اور علماء کی بے ادبی قرار دینا درحقیقت انگریزوں کے لگائے ہوئے جہاد دشمنی کے پودے کا برگ و بار ہے جو انہوں نے مسلمانوں کی عزت، آبرو، جان و مال پر ڈاکہ ڈالنے اور فتوحات صحابہ کرام کا انتقام لینے کے لئے لگایا تھا اور جس کی آبیاری کے لئے "مرزا قادیانی دجال" کو مبعوث کیا، افسوس آج بہت سے مسلمان اسی پودے کے برگ و بار بنے ہوئے ہیں اور جو اس نعمت (لعنت) سے محروم رہے وہ اس درخت کی شاخوں اور ٹہنیوں پر "اُلّو" بنے بیٹھے مسلمان بہن بیٹیوں کی عزت و آبرو لٹنے کا نظارہ کر رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عزت و آبرو، دین و ایمان کی حفاظت کے لئے جو چیز دے گئے تھے آج مسلمان سب کچھ تو کر رہے ہیں اسی ترکہ و میراث نبوی پر تھوک رہے ہیں، العیاذ باللہ، ثم العیاذ باللہ۔

آیئے دیکھیں کہ کیا اسلحہ واقعی مسجد کے تقدس کے خلاف ہے؟

صحاح ستہ کی روایات ملاحظہ ہوں:

مسجد میں اسلحہ

مسجد نبوی میں اسلحہ سے جہاد کی مشق:

(حدیث) قال الامام البخاری: باب اصحاب الحراب فی المسجد حدثنا ابراہیم ..... عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت: لقد رأیت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یوما علی باب حجرتی والحبشۃ یلعبون فی المسجد۔ وفی روایۃ: یلعبون بحرابھم (صحیح بخاری ص ٦٥ ج ١)

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک روز حبشہ کے لوگ مسجد نبوی میں نیزہ بازی (کی مشق) کر رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ان کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔"

قال القسطلانی: بخلاف ما توھم لہ فی سبق من لعب الحبشۃ بالحراب والدرق یوم العید لانہ یجوز لاجل الاستعداد للجہاد مع الامن والاحتیاط الخ۔

(ارشاد الساری ص ٣١٢ ج ٢) (ومثلہ فی فتح الباری ص ٤٥١ ج ١)

"علامہ قسطلانی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں:
" یہ جہاد کی تمرین و مشق تھی۔"

مسجد میں اسلحہ لانے کے آداب:

عن ابی بردۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من مر فی شیء من مساجدنا او اسواقنا بنبل فلیأخذ علی نصالھا لا یعقر بکفہ مسلما۔

(صحیح بخاری ص ٦١ ج ١)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص تیر کے ساتھ مسجد میں داخل ہو تو اسے چاہیے وہ اس کے پھل پر کوئی بندش لگا کر رکھے مبادا کسی کو زخمی کر دے۔"

اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ مسجد یا مجمع میں بندوق لیجانے والا گولی چیمبر میں نہ رکھے۔

اسلحہ میں مسجد و غیر مسجد برابر ہے:

عن ابی موسیٰ عن ابیہ الخ: فقال رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اذا دخلتم مساجد المسلمین واسواقھم او اسواق المسلمین ومعکم النبل او معکم من ھذہ النبل شیء فامسکوا بنصولھا لا تصیبوا احدا من المسلمین فتؤذوہ او تجرحوہ۔

(مسند احمد ص ٣٩٢ ج ٤ و سنن ابی داؤد ص ٣٥١ ج ١)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مسجدوں یا بازاروں

مسیح بیرو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ۵۰

میں تیر سمیٹ جاؤ تو اس کے پھل کو پکڑے رکھو تاکہ کسی مسلمان کو زخم یا ایذاء نہ پہنچے۔"

فعلم ان المراد من المرور الدخول ولذا بوب ابوداود بباب فی النبل یدخل به المسجد

قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالی: وفی الحدیث جواز ادخال المسجد السلاح.
(فتح الباری ص ۴۵۵ ج ۱)

"حافظ ابن حجر فرماتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ مسجد میں ہتھیار لانا جائز ہے۔"

مسجد میں اسلحہ خیرات کرنا

(۵۸) عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ امر رجلا کان یتصدق بالنبل فی المسجد ان لا یمر بہا الا وھو آخذ بنصولہا. (صحیح مسلم ص ۳۲۹ ج ۲)

"ایک صحابی مسجد میں تیر صدقہ کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ ان کے پھلوں کو پکڑ کر رکھو تاکہ کوئی زخمی نہ ہو جائے۔"

اللہ اپنی رحمت سے وہ وقت لائے جب امت مسلمہ کو اسلحہ سے اس قدر لگاؤ ہو جائے کہ ہتھیاروں کا صدقہ اور اسلحہ کی خیرات ہونے لگے۔

مسجد میں اسلحہ کے ساتھ خطبہ دینا:

(۵۹) باب الخطبۃ علی القوس

فاقمنا بہا ایاما شہدنا فیہا الجمعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام متوکئا علی عصا او قوس فحمد اللہ الخ (ابوداود ص ۱۰۹ ج ۱)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا یا کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا۔"

اسلحہ کے ساتھ خطبہ عید:

(۶۰) عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ قال: ما کان یوم الاضحی اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم البقیع فتنوّل قوسا فخطب علیہا.

(مصنف عبد الرزاق ص ۲۸۷ ج ۳)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان پر سہارا لگا کر عید کا خطبہ دیا۔"

خطیب ہاتھ میں ہتھیار رکھے :

(۶۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى :

(ويخطب الامام) (بسيف في بلدة فتحت به) كمكة (والا لا) كالمدينة.
وفي الحاوي القدسي اذا فرغ المؤذن قام الامام والسيف في يساره وهو متكئ
عليه.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى :

(قوله فتحت به) اي بالسيف ليريهم انها فتحت بالسيف فاذا رجعتم
عن الاسلام فذلك باق في ايدي المسلمين يقاتلونكم حتى ترجعوا الى الاسلام.
(رد المحتار ص ۷۶۳ ج ۱، الفتاوی التاتارخانية ص ۰۰۶ ج ۲، البحر الرائق ص ۱۴۸
ج ۲، الفتاوی الهندية ص ۱۴۸ ج ۱)

"جو علاقہ جہاد سے فتح ہو وہاں خطیب ہاتھ میں تلوار لے کر خطبہ دے
لوگوں کو یہ جتانے کے لئے کہ یہ علاقہ تلوار سے فتح کیا گیا ہے، اگر
لوگ اسلام سے پھرتے ہیں تو وہ یہ سوچ لیں کہ ابھی تک مسلمانوں کے
ہاتھوں میں یہ تلوار موجود ہے جو اسلام سے انحراف کرنے والوں
کا دماغ درست کر دے گی۔"

تنبیہ :

بعض روایات میں حرم اور عید کے دن ہتھیار لے کر چلنے کی ممانعت وارد
ہوئی ہے، حافظ ابن حجر، حافظ عینی، علامہ قسطلانی ودیگر شارحین حدیث رحمہم اللہ
تعالیٰ نے اس کے دو محمل بیان فرمائے ہیں :

(۱) اژدحام اور بھیڑ کی وجہ سے ہتھیار سے زخم یا ایذاء پہنچ سکتی ہے یہ وجہ
خود احادیث میں موجود ہے۔

(۲) نمود ونمائش کی نیت،

لیکن دشمنوں سے خطرہ ہو تو بلا کراہت جائز ہے چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ
تعالیٰ فرماتے ہیں :

وقال الحسن : نهوا ان يحملوا السلاح يوم العيد الا ان يخافوا

عدوا۔ (صحیح البخاری ص ۱۳۲ ج ۱)

وقال فی المصنف عن الضحاک رحمہ اللہ (المصنف لعبد الرزاق ص ۲۸۹ ج ۳)

"حسن بصری اور ضحاک رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو عید کے دن ہتھیار لیکر چلنے سے منع کیا گیا الا یہ کہ دشمن سے خطرہ ہو (تو حفاظت کی خاطر اسلحہ لے جانا جائز ہے)"۔

غرضیکہ خطرہ کی صورت میں تو بہرحال جائز ہے، خطرہ نہ ہو تو اس شرط سے کہ کسی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو، چنانچہ عید کے روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے تو آپ کے آگے آگے نیزہ بردار ہوتا امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے:

باب حمل العنزۃ والحربۃ بین یدی الامام یوم العید

"عید کے دن امام کے آگے آگے نیزہ اٹھا کر چلنے کا بیان"

قال القسطلانی: أی ان امن خوف التأذی بہ۔

(ارشاد الساری ص ۲۲ ج ۲)

یعنی ممانعت صرف ایذاء کے اندیشہ کے پیش نظر ہے۔

اور یہی محمل ہے ان روایات کا جن میں مسجد کے اندر تلوار نیام سے نکالنے اور ہتھیار کو مسجد میں اٹھائے چلنے سے منع فرمایا گیا۔

کیا مسجد میں حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے حفاظتی انتظامات کئے؟

اعتراض نمبر ۵:

مسجد میں حفاظتی انتظامات اور مسلح پہرہ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، تابعین، ائمہ مجتہدین وسلف صالحین کے طریقہ کے خلاف ہے۔

للسمہودی المتوفی ۹۱۱ھ ص ۵۱۱ ج ۲)

"متعدد روایات میں یہ منقول ہے کہ مسجد نبوی میں حفاظتی کمرہ سب سے پہلے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بنوایا تھا جس کی نگرانی ماہانہ روزینہ کی تنخواہ پر سائب بن خباب کو سونپی گئی۔

امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو آپ نے حفاظتی کمرہ بنوایا، آپ اسی میں لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے اس خطرہ کے پیش نظر جو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں وقوع پذیر ہو چکا تھا، یہ مقصورہ بہت چھوٹا تھا۔"

امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

اور مسجد میں مسلح پہرہ اور حفاظتی کمرہ

(۶۳) وأما صاحب معاوية وهو البرك، فإنه حمل عليه وهو خارج إلى صلوة الفجر في هذا اليوم، فضربه بالسيف، وقيل: بخنجر مسموم، فجاءت الضربة في وركه، فجرحت أليته، ومسك الخارجي فقتل، وقد قال لمعاوية: اتركني فإني أبشرك ببشارة، فقال: وما هي؟ فقال: إن أخي قد قتل في هذا اليوم علي بن أبي طالب، قال: فلعله لم يقدر عليه، قال: بلى إنه لا حرس معه، فأمر به فقتل (إلى أن قال) ومن حينئذ عملت المقصورة في المسجد الجامع وجعل الحرس حولها في حال السجود فكان أول من اتخذها معاوية لهذه الحادثة. (البداية والنهاية ص ۳۳۰ ج ۷، والكامل لابن الأثير ص ۳۹۳ ج ۳، شرح مسلم للنووي ص ۲۸۸)

وفي تاريخ الأمم:

وأمر معاوية عند ذلك بالمقصورات وحرس الليل وقيام الشرط على رأسه إذا سجد (الطبري ص ۱۱۵ ج ۶)

"جب تین خارجیوں نے حضرت علی، حضرت عمرو بن العاص، حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہم کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا، طے یہ پایا کہ بوقت فجر جیسے ہی یہ حضرات نماز کے لئے نکلیں گے تو (نعوذ باللہ) اپنے اس ناپاک منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں اور حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے نائب خارجہ بن حذافہ شہید کر دیئے گئے۔ برک نامی خارجی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا قتل اپنے ذمہ لیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لئے نکلے تو برک نے تلوار یا خنجر سے آپ پر حملہ کیا لیکن خارجی جلد ہی پکڑا گیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے (تعزیراً) قتل کا حکم دیا تو وہ کہنے لگا: آپ مجھے قتل نہ کریں کیونکہ میں آپ کو بڑی خوشخبری سناتا ہوں وہ یہ کہ آج میرے ایک بھائی نے علی بن ابی طالب کا کام تمام کر دیا (چونکہ حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلافات تھے تو یہ احمق سمجھا کہ شاید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس خبر سے خوش ہوں گے) حضرت معاویہ نے فرمایا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ تمہارا ساتھی کامیاب ہو گیا ہے۔ اس نے کہا اس لئے کہ علی کے ساتھ کوئی محافظ نہیں ہوتا، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجائے خوش ہونے کے اس کے قتل کا حکم دیا۔

اس کے بعد جامع مسجد میں امام کے لئے حفاظتی کمرہ بنوایا گیا سجدہ کی حالت میں کمرے کے گرد اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر کے پاس مسلح پہرہ دار متعین کئے گئے۔"

حافظ ابن کثیر، علامہ ابن الاثیر و دیگر مورخین فرماتے ہیں کہ اس حادثہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حفاظت کے یہ انتظامات فرمائے:

(۱) رات میں پہرہ۔
(۲) مسجد میں حفاظتی کمرہ۔
(۳) مسجد میں نماز کے دوران مسلح محافظ حفاظتی کمرہ کے ارد گرد متعین کئے۔

طبری کی روایت کے مطابق سجدہ کی حالت میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے سر کے پاس بھی مسلح پہریدار متعین تھے۔

مساجد میں حفاظتی کمرے اسلامی قرون میں بنائے گئے

کتب حدیث وفقہ وتاریخ سے یہ امر ثابت ہے کہ حفاظتی کمرہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک محدود نہیں تھا بلکہ آپ نے حکام وامراء وائمہ کو مساجد میں حفاظتی کمرہ بنانے کا حکم فرمایا۔

حفاظتی کمرے میں خلفاء راشدین، صحابہ کرام اجلہ تابعین وفقہاء نے نمازیں پڑھیں

(۹۷)

(۱) امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۲) امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۳) امیر المؤمنین حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ

(۵) رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

(۶) خادم خاتم المرسلین حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۷) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۸) حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۹) حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۰) حضرت نافع رحمہ اللہ (۱۱) حضرت سالم رحمہ اللہ

(۱۲) حضرت علی بن الحسین رحمہ اللہ (۱۳) حضرت ابوالقاسم رحمہ اللہ

(۱۴) حضرت معمر رحمہ اللہ

(صحیح مسلم صفحہ ۲۸۸ جلد ۱، السنن الکبریٰ للبیہقی صفحہ ۱۹۱ جلد ۲)

مسلح پہرہ

باب الصلاۃ فی المقصورۃ المصنف لعبد الرزاق ص ۴۱۴ ج ۳،
باب الصلاۃ فی المقصورۃ المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۳۹ ج ۲)

حفاظتی کمرے تعمیر ہونے کے بعد فقہاء کا صف اول کی تعیین میں اختلاف

(۶۵) صف اول میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و حضرات تابعین رحمہم اللہ کے اتفاق سے حفاظتی کمرے بنا دیئے گئے اور عوام الناس کو مقصورہ میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تو اب فقہاء کرام میں یہ بحث چلی کہ صف اول مقصورہ ہی کو قرار دیا جائے یا مقصورہ سے متصل پہلی صف کو، درحقیقت صف اول تو مقصورہ ہی کی تھی اس بنا پر عامۃ المسلمین ہمیشہ صف اول کے ثواب سے محروم رہتے، اس لئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے مقصورہ سے متصل صف کو صف اول قرار دیا۔ (رد المحتار ص ۵۶۹ جلد ۱، البحر الرائق ص ۳۵۱ جلد ۱، فتح الباری ص ۲۰۳ جلد ۲، المصنف لعبد الرزاق ص ۴۱۵ جلد ۳، عمدۃ القاری ص ۳۵۵ جلد ۵، فتح الملہم ص ۶۷ جلد ۲)

ثم يعلم ان ما ذكرنا من الاتفاق على اتخاذ المقصورات في الجوامع لا ينافي ما نقل عن بعض اهل العلم من كراهة بناء المقصورات فان مثل هذا الخلاف اقليل لا يقدح في الرواية لانها اذا جرت تعاملت الامة القديمة في جميع امصار المسلمين في عهد الصحابة والقرون المشهود لها بالخير، ولا عبرة لمن يدعي الاجماع على ذلك۔

وامّا كون عثمان رضي الله تعالى عنه اول من بنى المقصورة فانه وان كان خلاف المشهور ولكن التطبيق ورفع التعارض ليس بمتعسر على المتفكر۔

(عبد الرحیم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محافظ کیوں نہیں رکھے؟

اعتراض نمبر ۶:

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے خلفاء میں سب سے

زیادہ ہوشیار، مدبر اور دور اندیش تھے، آپ نے بھی اپنے ساتھ کوئی محافظ نہ رکھے راتوں میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں اکیلے پہرہ دیا کرتے، جنگل میں تن تنہا نکل جاتے ہیں، مساکین دیہاتی کی خبرگیری کر رہے ہیں، اگر دفاع و حفاظت کا مسئلہ اتنا ہی اہم تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مدبر سلطنت ضرور اسکا اہتمام فرماتے، حد تو یہ ہے کہ جب غلام ابولولو نے دھمکی دی اور آپ سمجھ بھی گئے کہ اس نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے تب بھی آپ کو حفاظت کے اہتمام کا خیال نہ آیا؟

عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا مدبر شخص حفاظتی تدابیر سے کیسے غافل رہ سکتا ہے؟

جواب:

گزشتہ اوراق میں آپ بالتفصیل پڑھ چکے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پہرہ ہوتا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم از خود بھی پہرہ دیا کرتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہرے کی ترغیب اور اس کا حکم بھی فرمایا کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہریداری کا شرف خود امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خصوصیت سے حاصل رہا، اس سے یہ بات اچھی طرح واضح اور ثابت ہو گئی کہ خطرہ کی وجہ سے پہرہ خلاف توکل ہے نہ خلاف سنت، ایسے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے ساتھ مسلح پہرہ نہ رکھنا اس لئے تھا کہ مدینہ طیبہ میں امیر المؤمنین کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

جب خطرہ نہ ہو تو پہرہ لازم نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہر وقت اور ہمیشہ پہریدار نہیں رکھے جیسا کہ احادیث و آثار گزشتہ سے ظاہر ہے۔

سوال:

اب رہا یہ سوال کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم انسان کو کوئی خطرہ کیوں نہ تھا جبکہ پوری دنیا کے تمام کفار، یہود و نصاریٰ، مجوس و مشرکین آپ کے مخالف تھے؟

جواب:

مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کفار سے خطرہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے آخر زمانہ ہی میں ختم ہو گیا تھا جب اسلام کی بے مثال فوج حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت اور آپ کی کمان میں یہودِ مدینہ کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا اور بقیہ کو رسوا کر کے خیبر سے نکال باہر کیا تھا، مسلسل جہاد و قتال کی برکت سے اسلام کی سرحدیں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں، مدینہ طیبہ میں یا اس کے قرب وجوار میں کوئی کافر باقی رہا نہ منافق، پورا مدینہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پُر تھا ایسے میں خطرے کا کیا گزر؟

معہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدودِ مدینہ میں بالغ اور مراہق (قریب البلوغ) ذمی کافر کے داخلہ پر سخت پابندی عائد فرما رکھی تھی، مشہور محدث، ثقہ و معتبر مؤرخ امام ابن شبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدثنا حجاج بن نصير قال حدثنا قرة بن خالد عن محمد بن سيرين ان عمر رضي الله عنه كان يقول لا تدخلوا المدينة من السبي الا الوصفاء.

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۸۸ ج ۳)

وعن الزهري قال كان عمر رضي الله تعالى عنه لا يأذن لسبي بقل وجهه في دخول المدينة (تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۸۷ ج ۳)

عن نافع عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال كان عمر رضي الله تعالى عنه يكتب الى امراء الجيوش لا تجلبوا علينا من العلوج احدا جرت عليه المواسي.

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۹۲ ج ۳)

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افواجِ اسلام کے کمانڈروں اور بلادِ اسلامیہ کے گورنروں کو یہ فرمان اور حکم نامہ جاری فرمایا:

"مدینہ کی طرف کسی بھی بالغ و مراہق قیدی کو مت بھیجو ہاں وہ بچے جو ابھی مراہق بھی نہ ہوئے"

سرکاری فرمان کی وجہ:

یہ ہدایت اور فرمان احتیاطی تدبیر کے طور پر تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت مغیرۃ بن شعبہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی سفارش سے ایک مجوسی غلام ابولؤلؤ کو صنعت و حرفت میں مہارت کی بنیاد پر مدینہ میں لایا گیا اور اس نے حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کو فجر کی نماز میں مسجد نبوی کے اندر خنجر مارا آپ زخمی ہوگئے اور آپ کو گھر لایا گیا تو آپ نے پوچھا:

"مجھے کس نے مارا ہے؟"

لوگوں نے کہا:

"حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کے غلام ابولؤلؤ نے"

آپ نے ارشاد فرمایا:

لقد قلت لکم لا تجلبوا الینا من العلوج احدا فغلبتمونی.

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۸۹۳ ج۳)

عمن اصحابك كنت اريد ان لا يدخلها علج من السبي فغلبتموني

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۹۰۲ ج۳)

هذا عملك وعمل اصحابك والله لقد كنت انهاكم ان تجلبوا الينا منهم احدا.

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۹۰۲ ج۳)

"میں نے تم کو ان کافروں کو مدینہ میں داخل کرنے سے ہمیشہ روکا لیکن تم (مصلحت کا شکار ہوکر) مجھ پر غالب آگئے، یہ سانحہ تمہاری وجہ سے وقوع پذیر ہوا ورنہ میں تو پہلی رائے پر پکا تھا"

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان وحکم نامہ حفاظتی تدبیر کے طور پر تھا۔

علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رعب اور دھاک سب پر ایسی بیٹھ گئی تھی کہ خود آپ کے خیال میں بھی پورے جزیرۂ عرب میں کسی کو امیر المؤمنین پر حملہ کا تصور تک نہ ہو سکتا تھا۔

امیر المؤمنین نے ان خیالات کا اظہار اس وقت کیا جب لوگوں نے تحقیق کرکے بتایا کہ حملہ ابولؤلؤ غلام نے کیا ہے۔

آپ نے فرمایا:

الله اكبر ما كانت العرب لتقتلني (تاریخ المدینۃ المنورۃ ص۹۰۲ ج۳)

"اللہ اکبر! میں بھی سوچ رہا تھا کہ عرب میں تو کسی کو مجھے قتل کرنے کی

جرأت نہ تھی ؟

سوال :

آپ رہا یہ اشکال کہ جب ابو لؤلؤ مجوسی غلام نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ میرے آقا مجھ سے میری استطاعت سے زیادہ کام لیتے ہیں آپ ان سے کہہ کر تخفیف کرا دیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم بہت کچھ کما سکتے ہو محنت کرو اور اللہ سے ڈرو، اور سنو کیا تم مجھے ایک چکی بنا دوگے ؟ غلام نے کہا :

" میں آپ کے لئے ایک ایسی چکی بناؤں گا کہ لوگوں میں مدتوں اس کی باتیں ہوا کریں گی "

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور فرمایا :

" یہ خبیث مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے "

آپ نے اس پر بھی کوئی حفاظتی انتظامات نہ فرمائے ؟

جواب :

شخص مذکور کیا تھا اس کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اور بہادر کو کسی معاون و محافظ کی ضرورت نہ تھی اسی لئے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دھمکی سننے کے باوجود اسے قابل اعتناء نہ سمجھا، ویسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالکل خالی ہاتھ رہتے بھی نہ تھے، آپ کی تلوار اور آپ کا دُرّہ ضرب المثل ہے۔

نیز آپ یہ سمجھے تھے کہ اس نے اشارۃً جو دھمکی دی ہے یہ اس کے وقتی جذبات ہیں فی الواقع اس ارادہ کے لئے کوئی عملی اقدام نہ کریگا یا نہیں کر سکے گا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو معمولی معمولی کوتاہیوں پر بڑے بڑوں کو تنبیہ فرما دیتے تھے اس کافر غلام کو سخت تعزیر لگاتے کم از کم مدینہ طیبہ سے اس کے اخراج کا فیصلہ تو یقیناً کرتے، بالخصوص جبکہ آپ کی نظر میں کسی کافر کا مدینہ میں وجود احتیاط کے خلاف تھا۔

اسی روایت میں الفاظ ذیل مضمون بالا کی تصدیق کرتے ہیں :

قال لو شئت احد، اسمعوا الخبث لقد تلقت هذا العلج

(تاریخ المدینۃ المنورۃ ص ۸۹۲ ج ۳)

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے حفاظتی تدابیر کیوں نہیں کیں ؟

اعتراض نمبر ۶ :

بعض حضرات نے حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہ کے اس معمول کو بنیاد بنا کر اشکال کیا ہے کہ جب آپ کو " تحریک خلافت " کے زمانہ میں قتل کی دھمکیاں دی گئیں تو آپ نے حفاظت کا کوئی بندوبست نہ فرمایا ۔

خصومت دینیہ ہو اور خصم کافر ہو تو دفاع واجب ہے

بیان القرآن میں اس کی تصریح

جواب :

جب آیات قرآنیہ ، احادیث نبویہ ، معمولات نبویہ ، تعامل خلفاء راشدین ، اجماع و قیاس سے حفاظتی تدابیر کا حکم خوب واضح ہوگیا تو اب اگر ہمیں سلف صالحین میں سے کسی بزرگ کا عمل بظاہر اس کے خلاف نظر آتا ہے تو اس متفق علیہ حکم شرعی میں شک کرنے کی بجائے اس عمل کی بنیاد تک رسائی حاصل کرکے مناسب و صحیح توجیہ کرنا لازم ہے ۔

حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ نے حفاظت کا انتظام کیوں نہیں فرمایا ؟ اس کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے یہ مسئلہ ذہن نشین کرلیں کہ جب مسلمانوں کی دو جماعتوں کے مابین کسی مسئلہ شرعیہ میں اجتہادی اختلاف ہو تو احتیاطی تدابیر لازم نہیں ۔

حکیم الامۃ قدس سرہ کو دھمکی دینے والے کافر نہیں مسلمان تھے جو تحریک خلافت کے حامی تھے ، جانبین میں اختلاف اجتہادی تھا ۔

دونوں جانب محقق و محتاط علماء تھے اور دونوں طرف دلائل شرعیہ ، اس لئے آپ نے حفاظت کا اہتمام نہ فرمایا ، اس وجہ سے نہیں کہ کفار ملاحدہ و زنادقہ اہل حق علماء پر

حملہ آور ہوں تو آپ دفاع، مقابلہ و مقاتلہ کے قائل ہی نہ تھے، آپ بیان القرآن میں واضح طور پر دفاع کو واجب قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اگر کوئی شخص اس کو قتل کرنا چاہے اور یہ شخص قرائن قویہ سے سمجھے کہ میں بدون اس کے کہ اس کو قتل کر دوں بچ نہیں سکتا تو قتل کر دینا جائز ہے اور اگر اس حیص بیص میں یہ مارا گیا تو شہید ہوگا اور اگر یہ مدافعت نہ کرے بلکہ بے ہاتھ پاؤں ہلائے مارا جائے تب بھی جائز ہے۔"

البتہ جہاں انتقام و مدافعت میں اسلامی مصلحت ہو واجب ہے۔

(بیان القرآن ص ۲۷ جلد ۱)

حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کی اس تحریر سے مسئلہ زیر نظر کا بہت واضح فیصلہ ہو گیا:

"ان حالات میں دفاعی تدابیر کا اختیار کرنا واجب ہے، اور اس میں کسی قسم کی غفلت جائز نہیں۔"

البتہ آپ کی رائے مذکور کے مطابق خصوصیت زمنیہ میں دفاع واجب نہیں، بعض دوسرے حضرات سے بھی یہ قول منقول ہے، مگر اس کے مقابلہ میں خالص خصوصیت زمنیہ میں بھی وجوب دفاع کا فیصلہ بوجوہ ذیل راجح ہے:

① یہ فیصلہ چوتھی صدی کے بہت بڑے جلیل القدر امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۳۷۰ھ نے بہت مدلل بیان فرمایا ہے، اور دلائل نقلیہ و عقلیہ سے اس کے خلاف کی بہت پرزور تردید، نکیر شدید اور بہت سخت مذمت کی ہے، حتی کہ اس کو دین و دنیا کے تمام تر فسادات اور تباہی و بربادی کی جڑ قرار دیا ہے، اس قول کو بعض حشویہ اور ظاہریہ میں سے جاہلوں کی طرف منسوب کیا ہے اور ابوداؤد و ترمذی کی روایت کے علاوہ ان کے اور بھی کئی مستدلات کا مکمل ابطال کیا ہے (احکام القرآن ص ۴۱ [illegible] ج ۲)

② عدم وجوب کے قائلین میں سے کہیں بھی "حشویہ وجہال" کے سوا کسی کا کوئی نام نہیں ملتا، "جہال" ہونے کے علاوہ مجہول بھی ہیں، بعض کتابوں میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ سے عدم وجوب منقول ہے جو خلاف راجح ہے، آپ کے ہاں بھی وجوب ہی راجح ہے، الا ان یکون الصائل مسلما محترما ای محقون الدم ونازلہ صلوۃ عندہ و لیس محقون الدم (تحفۃ المحتاج بحاشیۃ الشروانی ص ۱۹۲ ج ۹) والمسلم المحترم لا یقدم علی قتل مسلم الا لشبھۃ اجتھادیۃ ویؤیدہ ما استدل بہ من صنیع امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ

(۳) امام جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی تفسیر، حدیث اور فقہ کے دوسرے ائمۂ عظام و علمائے اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ سب کا وجوب پر اجماع ہے، البتہ بعض نے قتال سے ترک دفاع کی اجازت دی ہے، حضرات ائمۂ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے تطبیق کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو دفاع کی صورت میں قتل نفس کے ظن غالب پر محمول کیا جائے، اور یہ شرط تو بہرحال لازم اور متفق علیہ ہے کہ عدم دفاع سے فساق و فجار کے فسادات کے شیوع کا خطرہ نہ ہو، کما ھو معقول و منصوص فی الاصول و مجمع علیہ بلا خلاف احد من ذوی العقول۔

یہ بحث محض تنقیح مسئلہ و اتمام فائدہ کے لئے لکھ دی ہے ورنہ عداوت دینیہ کی صورت میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے بھی وجوب دفاع کی تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی اوپر واضح کیا جاچکا ہے کہ آپ کا اختلاف علماء حق کے مابین اجتہادی اختلاف کی نوعیت کا تھا جس میں بالاتفاق دفاع واجب نہیں بلکہ عدم دفاع افضل ہے، کما صرح بہ الامام الجصاص وغیرہ من ائمۃ الاسلام رحمہم اللہ تعالیٰ وعللوا مستدلا بأن البشریۃ وجہالۃ الخطأ مرجوۃ علیہ۔

علاوہ ازیں حفاظتی تدابیر کی اہمیت حالات و خطرات کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے، مثلاً: وجہ خصومت، دھمکی دینے والے کی شخصیت، جسے دھمکی دی گئی اس کی شخصیت، دھمکی کے وصول کا ذریعہ، دھمکی کے مضمون کی نوعیت، زمان، مکان، ماحول وغیرہ کوائف۔

پھر اگر دھمکی کی بجائے سازش کی کوئی اڑتی ہوئی خبر ہے تو اس کی وقعت اور بھی کم ہے، جیسے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کا ایک مجذوب پر گزر ہوا تو اس نے سازش کی مبہم سی خبر دی، کوئی اہم بات ہوتی تو وہ خود پہنچاتا۔

اس دور فساد سے چند سال پیشتر تک مذہبی و سیاسی اختلافات نہایت عروج پر پہنچنے کے باوجود باہم قتل و قتال کا کوئی تصور تک نہ تھا، تقریری و تحریری مناظرے، مباحثوں پر دوسرے مذاہب کی بھرپور تردید اور پرزور تنقید، اور انہیں سخت سے سخت الفاظ کا استعمال، بلکہ بسا اوقات ایک ہی اسٹیج پر بیک وقت مختلف مذاہب کے پیشواؤں کا اپنے مذہب کی تائید اور دوسرے مذاہب کی تردید میں بیانات، ایک دوسرے پر سخت چوٹیں، سننے والے بھی ان مختلف مذاہب کے لوگ باہم زانو بزانو گھٹنے سے گھٹنا ملائے بیٹھے مزے سے سن رہے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف تالیاں بج رہی ہیں قہقہے لگ رہے ہیں، اس کے باوجود آپس میں ایسے گھلے ملے رہتے گویا سگے بھائی

یا گہرے دوست ہیں، گھلے مل رہے ہیں بغل گیر ہو رہے ہیں، دنیوی معاملات میں باہم تعاون کر رہے ہیں، ایک دوسرے کی دعوتوں اور تقریبات میں شامل ہو رہے ہیں، مذاہب میں شدید اختلاف کے باوجود کہیں بھی کبھی بھی قتل و قتال کا کوئی نقشہ پیش نہیں آیا، بالفرض کہیں ہوا ہو تو شاذ و نادر۔

یہ تو اسلام و کفر کے مابین مقابلوں اور مناظروں میں رواداری کا عالم تھا، حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ کا اختلاف تو علماء دین سے تھا، یہ سب اہل حق علماء کبار تھے، باہم محبت و عقیدت اور عظمت و احترام کے بہت مضبوط رشتے تھے، کانگریسی ہندو بھی عام مسلمانوں کے ساتھ رواداری اور علماء اسلام کا احترام کرتے تھے، ایسے حالات میں کسی سازش کی افواہ کی بنیاد پر مغالطہ کی تدبیر کی ضرورت نہ تھی، اگر واقعۃً خطرہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو جواب وہی ہے کہ مسلمانوں کے باہم اجتہادی اختلاف کی صورت میں دفاع واجب نہیں۔

نمازیوں کی تلاشی کیا اللہ کے گھر سے روکنے کے مترادف ہے

اعتراض نمبر ۸:

مسجد اللہ کا گھر ہے جس میں ہر مسلمان کسی روک ٹوک کے بغیر داخل ہونے کا حق رکھتا ہے، تلاشی کو لوگ توہین سمجھتے ہیں، اس خوف سے نمازی اس مسجد کا رخ نہیں کرتے تو تلاشی لینا کیا آیت ذیل میں مذکور وعید کا مصداق نہیں؟

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (۲ : ۱۱۴)

"اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو لوگوں کو مسجدوں میں اللہ اللہ کرنے سے روکے اور مسجدوں کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔"

محراب میں مسلح محافظ باعث تشویش کیوں؟

اعتراض نمبر ۹:

محراب میں مسلح محافظ سے خشوع خضوع میں خلل ہوتا ہے، کسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا مکروہ بھی ہے۔

مسلح پہرہ ——— ۶۶

تلاشی کے باوجود محراب میں مسلح محافظ کیوں؟

اعتراض نمبر ۱۰:

جب ایک مرتبہ تلاشی لے لی گئی تو اب محراب میں مسلح محافظ کی ضرورت ؟ کیا یہ بلاوجہ لوگوں کو مرعوب کرنا اور دہشت پھیلانا اور ریاکاری نہیں ؟

کیا اتنے حفاظتی انتظامات بلا ضرورت اور اسراف نہیں؟

اعتراض نمبر ۱۱:

اتنے محافظ رکھنے کی کیا ضرورت ؟ دوسری جگہوں میں جہاں خطرات ہوتے ہیں اور حفاظت کا بندوبست کیا جاتا ہے وہاں بھی ایسے کثیر و شدید انتظامات نہیں ہوتے تو یہ کیا اسراف نہیں ؟

دار الافتاء والارشاد میں حفاظتی انتظامات کے

مختلف مراحل کی مفصل کہانی

جواب:

قارئین مندرجہ بالا چاروں اعتراضات کے جواب سے قبل یہ بات خوب ذہن نشین کرلیں کہ جب حضرت والا کو نقصان پہنچانے کے لئے کفر نے ایک بیرونی حکومت کی مدد سے یلغار شروع کی تو حضرت والا دست برکت کے خدام اور مجاہدین نے آپ سے حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرے کی اجازت چاہی، جب مجاہدین کا اصرار بہت بڑھ گیا تو حضرت والا نے اپنے زرین اصول کے مطابق امور ذیل کا اہتمام فرمایا:

① دفاع اور حفاظتی تدابیر کی شرعاً حدود و شروط کیا ہیں ؟ اس مسئلہ کو دار الافتاء والارشاد کے مفتی حضرات کی مجلس تحقیق میں رکھا، حضرت والا بذات خود بھی اجتماعی و انفرادی تحقیق فرماتے رہے، علاوہ ازیں اپنے تلامذہ و متعلقین میں سے دوسرے اہل افتاء و علماء کو قرآن وسنت و فقہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی حدود و قیود کا حل تلاش کرنے کا حکم فرمایا۔

ان تمام مفتی حضرات نے دفاع کو شرعاً و عقلاً ہر طرح نہ صرف جائز بلکہ لازم اور واجب قرار دیا۔

(۲) جب مسئلہ پوری طرح منقح ہو گیا تو حضرت والا نے اپنے متعلقین و خدام میں سے ماہرین امور حرب، جہاد افغانستان و جہاد کشمیر کے گوریلے مجاہدین کے قائدین اور پاکستان آرمی ایس ایس جی کے کمانڈو افسران کو دفاعی اقدامات کی ترتیب لائحہ عمل بنا کر پیش کرنے کی اجازت دی۔

ان ماہرین نے ترتیب انتظام بنانے وقت امور ذیل پر اجتماعی و انفرادی غور کیا:

(۱) دشمن کون ہے؟

(۲) فرد ہے یا گروہ؟

(۳) اس کا تعلق ایک جماعت سے ہے یا دو مختلف جماعتوں سے وابستہ ہے؟

(۴) سرکاری ہے یا غیر سرکاری؟

(۵) بنائے عداوت کیا ہے؟

(۶) اب تک کیا واقعات ہو چکے ہیں؟

(۷) محلہ میں کون کون لوگ قیام پذیر ہیں؟

(۸) دائیں بائیں آگے پیچھے متصل مکانات کن کے ہیں؟

(۹) حضرت والا کے فتاویٰ، خطبات، بیانات و مواعظ میں کن کن بے دین جماعتوں پر رد کیا گیا ہے؟

جب ان کو تمام معلومات فراہم کر دی گئیں تو انھوں نے دار الافتاء والارشاد کے محل وقوع اور اردگرد کے مکانات کا جائزہ لیا اور باہمی مشورہ کے بعد مسلح پہرہ، تلاشی، مورچوں اور محراب میں مسلح محافظ اور کچھ ایسا انتظامات کا بھی جن کا اخفاء دفاع ہی کا حصہ ہے لائحہ عمل بنا کر پیش خدمت کیا۔

(۳) ان کی تمام کاوشوں اور طے کردہ تجاویز کو حضرت والا نے مکرر دار الافتاء والارشاد کے مفتی حضرات کی مجلس میں مختلف اوقات میں متعدد بار رکھا، مجلس میں وہ تمام احتمالات بھی زیر غور آئے جو بصورت اعتراض لوگوں کی طرف سے ہو سکتے تھے خصوصاً محراب میں نمازیوں کی طرف منہ کر کے مسلح محافظ کے کھڑے ہونے کا مسئلہ خوب جانچا اور پرکھا گیا۔

تمام تجاویز و تدابیر شرعاً درست و جائز ہونے کے باوجود یہاں کی انتظامیہ کے بعض افراد فضاں کا نمائندوں اور کمانڈز ماہرین کی بعض تجاویز کو غیر ضروری کہا تو انھوں نے جواب دیا:

"آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ تجویز ہماری طاقت سے باہر ہے یا کوئی عالم شرعی عقب سے کسی تدبیر کو غلط قرار دے لیکن اسے غیر ضروری، زائد، بے فائدہ اور غلو بتانا آپ کا کام نہیں ورنہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی جاہل کسی مفتی کے فتوے میں کاٹ چھانٹ اور ترمیم شروع کردے یا فتوے کے کسی حصے کو فضول قرار دے۔"

حضرت والا نے اس تمام کوشش و تحقیق سے پاس ہونے والی تجاویز میں سے بہت سی ایسی تجاویز کو ترک بھی فرمایا جو خود ان ماہرین کے خیال میں بہت زیادہ اہم و لازم تھیں۔

اطمینان کامل :

ویسے تو بحمد اللہ ان تدابیر پر شرعی اعتبار سے ہر طرح اطمینان تھا ہی لیکن اس وقت اطمینان، شرح صدر و مسرت کی انتہاء نہ رہی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حفاظتی انتظامات میں مسلح محافظین کا محراب میں کھڑا ہونا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سجدہ کے وقت آپ کے سر کے پاس کھڑا ہونا نظر سے گزرا، اس کی تفصیل عنوان "حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور سابقین حفاظتی انتظامات" کے تحت گزر چکی ہے۔

اہل بصیرت کیلئے درس عبرت :

تفصیل بالا کو پیش نظر رکھ کر ہر ذی شعور اس کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ ان حفاظتی انتظامات کے مکمل بنانے میں عقل و نقل، تفقہ و تحقیق، تجربہ و فراست کے تقاضوں کو کس قدر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ۔

"یقیناً اس میں بصیرت والوں کو بڑا سبق ملتا ہے۔"

معترضین: بعض لوگوں کی طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوئی جو تا حال جاری و ساری ہے۔

اعتراضات کوئی انہونی چیز نہیں :

اور اعتراض کوئی چنبھے کی بات نہیں، دنیا میں ہر چیز خواہ وہ کتنی ہی اچھی، عمدہ اور لازم و واجب ہو جہاں اس کے چاہنے، سراہنے اور قبول کرنے والے کثیر تعداد میں ہوتے ہیں وہاں اس میں کیڑے نکالنے اور ناک چڑھانے والوں کی بھی کمی نہیں ہوتی۔ اور قرآن کریم جیسی

جیسی نازیبا حرکت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے بے مثال و خلاصۂ کائنات و منتخب کائنات کی مقدس ذات کو بھی معاف نہیں کیا۔

مگر حیرت و افسوس ان معترضین پر ہوا جو خود کو دیندار کہلاتے ہوئے بھی نہیں تھکتے اور دینی معاشرے میں واقعی وہ باحیثیت و دیندار ۔۔۔ مشہور ہیں جب انھوں نے عقل و نقل، فہم و دانش کو بالائے طاق رکھ کر مروت و اخلاق کے تمام تقاضوں کو پس پشت ڈال کر اعتراضات کیے۔

مسئلہ تلاشی کا:

جب قرآن و حدیث، تعامل و اجماع اور عقل و قیاس سے ثابت ہو گیا کہ حفاظتی و دفاعی انتظامات واجب ہیں اور اسی وجہ سے ماہر مجاہدین علماء اور دیندار اہل فن تلاشی اور محراب میں مسلح محافظ اور دیگر انتظامات کو لازم قرار دیتے ہیں تو یہ اعتراض کہ تلاشی کی وجہ سے لوگ مسجد میں نہیں آتے اگر یہ درست ہے تو ناقابل اعتنا ہے، ایسے لوگوں کی ذوقی انا اور مزاج و خوشی پر اسلام کے ایک عظیم مجاہد اور مفتی اعظم، مسجد اور اپنے نمازیوں کو بھینٹ نہیں چڑھایا جا سکتا، دین و علم اور اہل علم کی جان و عزت کو داؤ پر نہیں لگایا جا سکتا۔

ائیرپورٹ پر تلاشی:

جو لوگ تلاشی کو اپنی توہین خیال فرماتے ہیں وہ بیشک اپنی توہین مت کروایا کریں، مساجد کی بحمد اللہ کمی نہیں ہے، لیکن ان لوگوں سے جو تلاشی کی وجہ سے مسجد نہیں آتے کوئی یہ پوچھ سکتا ہے کہ وہ ائیرپورٹ پر کس منہ سے برضا و رغبت تلاشی دیتے ہیں؟ کیا اللہ کے گھر اور اسلام کے ایک عظیم مفتی و عالم شریعت کی قدر و اہمیت ائیرپورٹ سے بھی کم ہے؟

ان معترضین کو چاہیے کہ جب ائیرپورٹ پر حکام تلاشی لینے لگیں تو وہاں سے لوٹ آیا کریں۔

حرمین شریفین میں تلاشی:

حرمین شریفین میں بھی تلاشی ہوتی ہے، اگر تلاشی ایسی ہی نفرت کی چیز ہے تو وہاں بھی حرم شریف میں داخل ہونے سے انکار کر دیا کریں اور حرم کے پاسبانوں کو یہ آیت سنا دیا کریں:

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا (۲ ، ۱۱۴)

"اور اس شخص سے کون بڑا ظالم ہے جو لوگوں کو مساجد میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکے اور انھیں ویران کرنے کی سعی کرے۔"

بندہ کو ۱۴۰۰ھ میں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس سال ہر نماز میں ہر حاجی و نمازی کی باقاعدہ تلاشی لی جاتی تھی، حرم شریف کی عقیدت و محبت کی وجہ سے سب لوگ نہایت خوشی سے تلاشی دیتے اور اس عمل کو خوب سراہتے تھے۔

معلوم ہوا کہ اعتراضات کی بنیاد تلاشی نہیں بلکہ اور ہے، اب وہ اور کیا چور ہے جو دل میں چھپا ہے؟ اس کی تعیین کی دوسروں کو ضرورت نہیں اور جن کے دل میں ہے ان کو معلوم ہی ہے۔

جیسے حرمین شریفین میں تلاشی آیت مذکورہ کے منافی نہیں اور جیسے دور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے رات میں بند کیا جانا آیت کے خلاف نہیں، پوری دنیا کی مساجد کا مخصوص اوقات نماز کے سوا مقفل کر دیا جانا آیت میں مذکور وعید میں داخل نہیں اسی طرح اگر کسی مسجد میں شر پسندوں و دشمنان اسلام سے علماء، طلبہ اور عوام نمازیوں کی حفاظت کے لئے تلاشی لی جاتی ہو تو یہ بھی اس آیت کے خلاف نہیں۔

اگر تھوڑی سی سمجھ سے کام لیا جائے تو تلاشی کے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیے اس میں نمازیوں اور املاک کی حفاظت، مسجد کے تقدس کا بقاء، دشمنوں کی دسیسہ کاریوں کو ناکام بنانے اور اس میں تعاون سے علماء کی قدر و منزلت بڑھانے اور کفر پر رعب بٹھانے کے ساتھ اپنے بارے میں اطمینان دلانے کا مظاہرہ بھی ہے۔

الحمد للہ بے شمار حضرات اہل علم اور دنیا کے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے ان اقدامات کا خیر مقدم کیا ہے اور دوسروں کے لئے قابل رشک لائق تقلید قرار دیا۔

نیز اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محافظ بدلتے رہنے اور تلاشی و دیگر بعض مساجد کے انتظامات پر اعتراض کرنا ناواقفیت پر مبنی اور ماہرین کی رائے پر اپنی رائے کو ترجیح دینا ہے۔

نیز یہ بھی کہ حفاظتی تدابیر میں ایک جگہ کو دوسری جگہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

ماہرین امور حرب کے مطابق امور ذیل کی وجہ سے تدبیر مختلف ہو سکتی ہیں:

(۱) اختلاف زمان۔

مسلح پہرہ ——— ۴۱ ———

(۲) اختلاف مکان۔

(۳) دشمن کا قوی و کمزور ہونا جو موقوف ہے دشمن کی حیثیت پر یعنی یہ کہ:
انفرادی ہے یا گروہی، سرکاری ہے یا غیر سرکاری، دینی ہے یا دنیوی، ماہر ہے یا غیر ماہر۔

(۴) مہلک اشیاء کی ایجادات میں روز بروز اضافہ۔

(۵) شدتِ عداوت۔

(۶) تحمل و توسع۔

(۷) داخلی و خارجی حالات کا ساز گار ہونا۔

(۸) استطاعت

اشکال:

بعض حضرات کو یہ اشکال ہوا ہے کہ کراچی میں مسلح محافظوں کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہ تو امیر المؤمنین تھے، ظاہر ہے کہ امیر المؤمنین کے حکام دوسروں سے بہت سے معاملات میں مختلف ہوتے ہیں۔

جواب:

احادیث و فقہ و تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ مسجد کے اندر حفاظتی کمرے تمام بلاد اسلامیہ میں بنائے گئے جس سے ثابت ہوا کہ یہ امیر المؤمنین کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔

اور اگر کوئی اشکال کی یوں تقریر کرے کہ اس کا ثبوت صرف حکام کے لئے ہے لہٰذا غیر حکام کو حکام پر قیاس کرنا درست نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکام نے ممکنہ خطرات کے پیش نظر مسجد کی جماعت ترک کرنے کی بجائے مسجد کے اندر ہی حفاظتی اقدامات اس لئے کئے تھے کہ امامت، خطابت و مسجد کے انتظامات ان کے سپرد تھے، آج حکام تو دین و ایمان سے ہاتھ دھو کر بیٹھے ہیں، اب امامت و خطابت و انتظام مسجد کے والی اور وارث علماء ہی ہیں اس لئے علماء گھروں میں بند رہنے کی بجائے سلف صالحین کے طرز پر مسجد کے اندر حفاظتی اقدامات کریں اصلاً تو یہ فریضہ عامۃ المسلمین پر عائد ہوتا ہے لیکن اگر وہ غفلت کا مظاہرہ کریں تو خود علماء پر لازم ہے کہ وہ احتیاطی تدابیر اختیار کریں اور ظاہری اسباب کی حد تک کفر کو کوئی خوشی کا موقع نہ دیں۔

مسلح پہرہ ..... ———— ۲۷

خطرہ ہو تو گھر میں نماز ادا کیوں نہیں کرتے؟

اعتراض نمبر ۳ :

اگر حضرت مفتی صاحب کو واقعۃً خطرہ ہے تو اپنے ساتھ مسلح محافظین کو مسجد میں لاکر نمازیوں کو پریشان کرنے کی بجائے گھر ہی میں نماز ادا کیوں نہیں فرما لیتے؟ آخر مرض میں بھی تو نماز گھر پر ہی پڑھتے ہیں۔

خطرہ کی وجہ سے گھر میں بند ہو کر بیٹھنا
خلاف معقول بھی ہے اور منقول بھی

جواب :

یہ امر معقول بھی ہے اور تجربہ و مشاہدہ بھی اور ماہرین کا فیصلہ بھی کہ دشمن مطلوب شخص کے اہل خانہ و دیگر متعلقین اور اس کی جائیداد و املاک کو بھی نشانہ بناتا ہے، دشمن کے بارے میں مطلوب شخص کی محض ذات تک محصور سمجھ لینا خطرناک ہے اس لئے حضرت یا کسی اور ایسے عالم دین کا جسے دشمنوں سے اندیشہ ہو گھر میں نظر بند رہنے کا نظریہ عقل و تجربہ اور ماہرین کے فیصلہ کے خلاف ہے۔

اسی طرح یہ رائے نقل سے بھی متصادم ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و دیگر سلف صالحین کی سنت کتب حدیث و کتب سیرت و تاریخ میں منقول ہے کہ بیماری کی وجہ سے انہوں نے جماعت مسجد کا ترک تو فرمایا مگر دشمنوں کی طرف سے لاحق خطرات کے پیش نظر وہ ہمیشہ کے لئے گھروں میں بند ہو گئے ہوں ایسا کبھی نہیں ہوا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سفر و حضر میں پہرے کی روایات کچھ گزر چکی ہیں، کچھ رسالہ کے آخری حصہ میں آنے والی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظتی انتظامات و اقدامات فرمائے مگر گھر میں گوشہ نشینی و خلوت گزینی اختیار نہیں فرمائی۔ علاوہ ازیں ایام مرض میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر خود گھر میں نماز ادا فرمانا، امیر المؤمنین حضرت عثمان، امیر المؤمنین حضرت معاویہ، امیر المؤمنین حضرت

حسن رضی اللہ عنہم اور امیر المومنین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے سامنے تھا۔ ظاہری اعتبار سے جیسی حفاظت گھر کے اندر ہو سکتی ہے ویسی باہر ممکن نہیں، صحابی رسول اور امیر المومنین ہونے کے ناطے ان حضرات کے نفوس مقدسہ کی قیمت تصور سے بالا بالا ہے، بایں ہمہ ان حضرات قدسی صفات نے دفاعی اقدامات کئے اور مسجد کی جماعت ترک نہیں فرمائی۔

یہ رائے دینے والے لوگ اپنے آپ میں کتنے ہی مخلص ہوں مگر اس کے عواقب پر غور کیا جائے تو یہ اسلام دشمنی کی راہ ہموار کرتی ہے، کیونکہ جیسے مسجد میں خطرہ ہے مدرسہ اور مجالس واجتماع میں بھی ہے، ان سب جگہوں میں بہادر مسلمان ہوتے ہیں جو اسلحہ کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے تو اس رائے کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا نکلتا ہے کہ حق گو علماء کرام یا تو حق گوئی سے باز آجائیں ورنہ حق گوئی کی پاداش میں ان کو ہمیشہ کے لئے نظر بند کر دیا جائے، حق کی آواز کو ہمیشہ کے لئے دبا دیا جائے اور مسلمانوں کو حق سننے سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جائے۔

مسجد عالم کے لئے پارلیمنٹ ہے:

علماء کے لئے مسجد ہی وعظ کہنے، عوام کی دینی راہنمائی کے لئے اصل جگہ ہے، اس اعتبار سے مسجد عالم دین کے لئے پارلیمنٹ ہے اور عالم اس کا صدر اور رئیس ہے۔ کیا کوئی باشعور شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ وزیر اعظم یا صدر خطرات کی وجہ سے ہمیشہ ہی پارلیمنٹ سے غائب وغیر حاضر رہے گا۔

محاسبہ کیجئے:

جو لوگ علماء حق کو اپنے خیال میں یہ خیر خواہانہ مشورہ دے رہے ہیں وہ اس پر بھی غور کریں کہ دشمنان اسلام میں تو اتنی جرأت کہ وہ ایک ملک کی سرحدیں عبور کر کے دور دراز سے مشقت برداشت کر کے کفر کے لئے جان کی بازی لگاتے ہوئے علماء پر حملہ آور ہوں اور خود کو دیندار کہلانے والوں کی بہادری کا یہ عالم کہ علماء کی حفاظت کا فریضہ انجام دینے اور دشمن کے دانت توڑنے کی بجائے الٹا علماء کو گھروں میں بند کرنے کا مشورہ دیں۔ العیاذ باللہ ؎

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

مسئلہ جہاد ــــــــــــــــ ۱۴ء

لمحۂ فکریہ!

تعجب بالائے تعجب و افسوس بالائے افسوس یہ کہ کفار تو اپنے نام نہاد و ملاحدہ کے دین و دنیا کی حفاظت کریں اور ان کے جسم پر ایک آنچ نہ آنے دیں، سلمان رشدی جیسے منحوس و ملعون کی حفاظت یورپ، امریکہ انجام دے اور دین کے ٹھیکیدار اور علماء کے جبہ دار اپنے قیمتی قدسی نفوس کو جو اس وقت ہمارے لئے اصل سرمایہ حیات ہیں مروادیں اور اگر کوئی آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، نصوص فقہیہ و سنت نبویہ و تعامل خلفاء راشدین کی تعمیل میں ایک ہستی کی حفاظت کا فریضہ انجام دے جس نے تمام فتنوں کی سرکوبی کے لئے اپنے آپ کو وقف فرما رکھا ہو اور بدوں خوف لومۃ لائم "النذیر العریان" کی جیتی جاگتی تصویر بن کر دشمنان اسلام و دشمنان صحابہ اکفر الکفار واخبث الخبثاء شیعوں کے کفر کو طشت از بام کر دیا ہو، جس کے فتوئ کفر نے ایران تبلیغی منصوبہ اور کفر کے گڑھ کی بنیادیں ہلا کر رکھ دی ہوں جس کے پیچھے حکومت ایران نے اپنے کمانڈو چھوڑ رکھے ہوں، ایسی ہستی کی حفاظت کرنے کو خلاف توکل، خلاف سنت و خلاف مروت اور اس کو اسراف و ریاکاری گردانا غضب بالائے غضب اور قہر الٰہی کو دعوت دینا ہے۔

غیرت کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

توکل کی رٹ لگانے والو!
ایک نظر ادھر بھی

دوسروں کو توکل کا درس دینے والے ذرا اپنی دنیا کی حفاظت کے اسباب کا بھی تو جائزہ لیں:

مکان کے بالکل اندرونی تہ خانوں میں تجوریاں، تجوریاں بھی ایسی قفل والی کہ دوسری چابی سے کھل ہی نہ سکیں، پھر کمروں، تہ خانوں اور گھروں کے تالے الگ، اس کے باوجود دل کی دھڑکن اور ڈاکے کے خیالات، پھر بینکوں کا رخ، سود خوروں کے ساتھ تعاون، پھر جب منشأ حفاظت نہ ہونے پر راتوں کی نیند حرام، دن کا چین و آرام غائب۔

مسلح پہرہ ——— ——— الخ

گھروں کی دیوار پر کانچ کے لمبے لمبے نوکدار ٹکڑے، صحن کے سامنے لوہے کی مضبوط سلاخیں اور جنگلے، کمروں کے دروازوں پر کئی کئی کنڈیاں، بندشیں اور تالے، دروازہ پر چوکیدار، چھت پر پہرے دار، فجر کی جماعت کے ترک پر دوام و اصرار، رات میں فون کی گھنٹی بجے تو رسیور اٹھانے سے انکار، غلطی سے اٹھالیا اور بولنے والا اپنا نہ ہوا تو جھوٹ کا اظہار کہ صاحب ملک سے باہر ہیں۔

یہ حالات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں، لیکن جب کسی عالم دین، وارث نبی اور ماہر شریعت حق گو عالم کی حفاظت اور اس کی قیمتی جان کے دفاع کا معاملہ ہو تو وہاں توکل یاد آجاتا ہے اور سنت بھی، ختنے اور خلاف شرع رسوم پر لاکھوں روپے اڑانے والوں کو اسراف بھی نظر آنے لگتا ہے اور ریاکاری بھی۔

یہ لوگ دین کے محب نہیں دشمن ہیں، علماء کے ساتھ محبت کے دعوے میں کھرے نہیں کھوٹے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ علماء کرام دشمنان اسلام کے لئے لقمۂ تر بنے رہیں، یہ ظالم چاہتے ہیں کہ علماء چڑیوں کی طرح رہیں تاکہ ہر شخص ان کو بسہولت شکار کرسکے اور کافر لوگ اپنا ہر خواب شرمندۂ تعبیر کرسکیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت دیں ورنہ ؎

نگل جائے زمیں ناپید انہیں اے آسماں کردے

درس عبرت

اسلام کے دشمنوں اور فتنہ پردازوں کے مساجد پر چھپ کر اور کھل کر حملے اور تخریبی کارروائیاں روزمرہ کا معمول بن چکی ہیں، مساجد میں گھس کر نمازیوں پر اندھا دھند فائرنگ، بارودی دھماکے، خنجر زنی و چاقو زنی کے واقعات، ہنگامے، توڑ پھوڑ، مساجد کے دروازوں پر آکر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینا اور ان پر تبرا کرنا، علماء حق کو برا بھلا کہنا، مساجد کے ائمۂ کرام کا اغواء، علماء دین کا قتل، ان کی ڈاڑھیاں مونڈنے کے حادثات آئے دن پاکستان کے تمام جرائد، رسائل اور اخباروں میں شہ سرخیوں کے ساتھ چھپتے ہیں۔

لاہور میں "مسجد احسان" کا دلدوز واقعہ، فیصل آباد کی "مسجد صدیق اکبر" کا

مسلح پہرہ ——————— ۵۹

دلھڑ انس سائٹ، گوجرانوالہ کی "محمدی مسجد" پر دہشت گردی، جھنگ، لیہ، اور ملتان اور اس کی مضافات کی بہت سی مساجد، کراچی میں ناگن چورنگی، اسکاؤٹ کالونی، کورنگی اور اورنگی ٹاؤن، عزیز آباد، بنوری ٹاؤن، گرومندر اور نمائش کی مساجد میں دہشت گردی اور بربریت کے جھنجوڑنے والے حوادث اب کسی سے مخفی نہیں، ڈیڑھ دو سال کے قلیل عرصہ میں پاکستان کی کتنی مساجد کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا، کتنے نمازیوں کو خاک و خون میں تڑپایا گیا، کتنے نمازی ہاتھ، پاؤں، آنکھ اور جسم کے دوسرے قیمتی اعضاء کی نعمت سے محروم و معذور ہوئے، کتنے علماء کو قتل کیا گیا اگر کوئی ان سب کی فہرست بنائے تو یہ اعداد و شمار دشمنان اسلام کی طرف سے ہمارے لئے بڑے مہلک پیغامات اور مستقبل میں ہماری تباہی کے اعلان ہیں اور بربادی کی پیشگوئی۔

الحمد للہ بعض معترضین ان عبرتناک حوادث سے عبرت حاصل کر چکے ہیں اور اپنے اعتراضات بصد معذرت وندامت واپس لے چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں بیرون سندھ سے بعض خطوط بھی موصول ہوئے، ایک صاحب نے لکھا کہ مجھے مسلح پہرہ پر بڑا اشکال تھا لیکن ہمارے قریب ایک مسجد پر دشمنان اسلام نے حملہ کیا جس میں درجنوں نمازی شہید، زخمی و معذور ہوگئے اب میرا اشکال ختم ہوگیا ہے۔

ایسے ہی ایک عالم نے جو حضرت والا سے اصلاحی تعلق رکھتے ہیں لکھا:

> دارالافتاء والارشاد میں مسلح پہرہ پر یہاں کے دیندار طبقے کو بہت تشویش تھی اور بڑے اشکالات، ان کے اعتراضات نے مجھے پریشان کر رکھا تھا اب حال ہی میں مختلف شہروں میں مساجد پر حملوں کے سنگین واقعات نے آنکھیں کھول دی ہیں اب سب کہنے لگے ہیں:
>
> "واقعی حضرت مفتی صاحب کے ہاں پہرے کا معمول نہایت درست بلکہ بے انتہاء لازم وضروری ہے، بلا شبہہ اللہ والوں کی نگاہ بڑی دوررس ہوتی ہے ہم سب کو دفاعی انتظامات کرنا چاہئیں۔"

دیگر کسی کے ایک ایک اشکال پر درجنوں مسلمان بھینٹ چڑھنے لگیں اور قرآن و حدیث وسیرت سے ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہونے والے ایک ایک اعتراض کا جواب کوئی مسلمانوں کے خون، مساجد کے تقدس کی پامالی اور دین پر حملوں میں ڈھونڈنے لگے

تو سوچئے اس سے زیادہ ناعاقبت اندیش اور ظالم کون ہو سکتا ہے؟

معہذا یہ لوگ غنیمت ہیں جو دھکا لگنے پر بھی گئے، گر کر سنبھل تو گئے ؎

وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

لیکن خیر سے یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان تمام تر حقائق و واقعات و حوادث کے باوجود بھی بیدار ہونے کا نام نہیں لے رہے اور وہ اپنی ہٹ پر قائم و دائم ہیں۔

مشہور کہاوت بھی سٹھیا گئی:

کسی زمانہ میں یہ کہاوت مشہور تھی کہ ہندو خطرہ سے ایک ہفتہ پہلے بیدار ہو جاتا ہے مسلمان عین وقت پر اور سکھ ایک ہفتہ بعد، لیکن آج کا مسلمان پستی و ذلت اور بے حسی کے اس اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو گیا ہے جس میں بیداری اور حس کا کوئی نام و نشان تک موجود نہیں، یہ ہفتہ کیا مہینوں اور سالوں بعد بھی نہیں جاگ رہے۔

اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

کیا اسلحہ نمازیوں کو دہشت زدہ کرنے کیلئے ہے؟

اعتراض نمبر ۱۳:

اسلحہ کی ہیبت اپنی جگہ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگ اسلحہ کے تصور سے بھی خوفزدہ ہو جاتے ہیں، ایسی حالت میں مسجد اور مسجد کے اردگرد مسلح محافظوں کے جتھے اور ان کے ہاتھوں اور جسم کے مختلف حصوں پر مختلف قسم کے ہتھیار خوفناک منظر پیش کرتے ہیں جس سے نمازیوں کا خشوع و خضوع غارت اور امن و سکون تباہ ہو جاتا ہے۔

اسلحہ اللہ کے دشمنوں پر دہشت ڈالنے کیلئے ہے

جواب:

مسلح پہرہ پر جتنے اعتراضات بھی اب تک کئے گئے ہیں یہ اعتراض قدر مشترک کے طور پر سب میں موجود تھا یعنی اسلحہ سے خوف۔

گزشتہ اوراق میں وہ آیت لکھی جا چکی ہے جس میں اعداء اسلام سے دفاع کے لئے استطاعت کے مطابق بہتر سے بہتر اسلحہ تیار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اس میں اللہ تعالیٰ

نے اسلحہ کی حکمت و مصلحت اور اس کا فائدہ یہ بیان فرمایا ہے :

تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ

"اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو بھی خوفزدہ کرسکو گے اور اپنے دشمنوں کو بھی "

جو مسلمان بھائی اسلحہ کو دیکھ کر ڈرتے ہیں ان سے دست بستہ گزارش ہے کہ یہ اسلحہ ان کی حفاظت اور مسلمانوں کے دشمنوں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے۔ ایسی صفات کو پہلیں جو قرآن میں اللہ کے دشمنوں کی بتائی گئی ہے۔

ایسے لوگ تنہائی میں پوری دیانتداری اور اخلاص کے ساتھ اپنی اس حالت کا جائزہ لیں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں :

جو چیز اللہ نے اپنے دشمنوں کو ڈرانے کے لئے عطاء فرمائی تھی آج ہم خود اس سے خوفزدہ کیوں ہیں ؟

جس امت کے قرآن نے اسلحہ رکھنے کو فرض اور نہ رکھنے کو جرم و ہلاکت بتایا آج اسی قرآن کے ماننے والوں کو اس اسلحہ سے کیوں خوف آتا ہے ؟

جس امت کے نبی کی بعثت ہی اسلحہ کے ساتھ ہوئی اور اس کو اسکا ذریعہ معاش قرار دیا گیا آج اسی نبی کی محبت کے دعویدار اسلحہ سے خائف کیوں ہیں ؟

جس شریعت میں اسلحہ سے محبت کا حکم ہوا اور اس شریعت کو لانے والے رسول نے اپنی تلوار کے دستے میں چاندی جڑوا کر اسلحہ سے محبت و عشق کا مظاہرہ کیا ہو اور اس شریعت نے اسلحہ کے زور پر چھینے ہوئے اموال کفار کو تمام مالوں سے پاکیزہ قرار دیا ہو آج اسی شریعت کے پیروکاروں کو اسلحہ سے کیوں ہول آتا ہے ؟

جس اسلحہ کی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اہمیت کا یہ عالم ہو کہ آپ کی ذاتی ملکیت میں گیارہ تلواریں، آٹھ آٹھ نیزے، سات سات زرہیں، چھ چھ کمانیں، دو دو ترکش، چار چار ڈھالیں، متعدد جنگی ٹوپیاں، کئی کئی او‌ٹلیاں اور خنجر تھے اور صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں سوائے اسلحہ اور آلات جنگ کے اور کچھ نہیں چھوڑا آج حب نبی و عشق رسول کے راگ الاپنے والے اس میراث نبوی کو دیکھنے کی تاب کیوں نہیں رکھتے ؟

مسلح پہرہ ۔ ـــــــــ ۷۹

جس اسلحہ کو ہمارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دن کو اپنے تن سے جدا کرتے تھے نہ رات کو اور وہ اسے اپنی اور دین اسلام کی عزت سمجھتے اور کہتے تھے آج حُبّ صحابہ کو ایمان کا جزء قرار دینے کے مدعی اسلحہ کو ایک نظر دیکھنے کی سکت کیوں نہیں رکھتے ؟

جن کے آباؤ و اجداد نے اسلحہ کے ذریعہ جزیرۂ عرب کو کفر و شرک سے پاک کردیا، خیبر و بنو قریظہ کے یہودیوں کو ہمیشہ کے لئے ذلت کا طوق پہنا کر وہاں سے نکال باہر کیا، فارس کے کفار کو لوہے کے چنے چبوا دیئے اور روم و شام کے اعداء اسلام کے دانت توڑ دیئے، آج انہی کی اولاد اسلحہ کو دیکھ کر لرزتی کیوں ہے ؟

جس اسلحہ کی تیاری مسجد نبوی میں ہوا کرتی تھی اور اس کی جنگی مشق کو مسجد نبوی میں محبت بھری نگاہ نبوت کا شرف حاصل تھا آج اس اسلحہ کے تصور سے مسلمان کا وضو کیوں ٹوٹ جاتا ہے؟

للہ! سوچئے کیا آپ نبی السیف (تلوار والے) کے امتی کہلانے کا منہ رکھتے ہیں؟ اگر آپ کو مسواک اور عمامہ کی سنت سے پیار ہے تو اسلحہ جیسے فرض سے کیوں پیار نہیں ؟ کہیں "میٹھا میٹھا ہپ کڑوا کڑوا تھو" والا معاملہ تو نہیں؟

صحابہ کرام کو اسلحہ سے ڈر کیوں نہیں لگتا تھا ؟

الغرض گزشتہ اوراق سے اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ اسلحہ ڈرنے کی چیز نہیں محبت کی چیز ہے پھر ہمیں کیوں ڈر لگتا ہے ؟

چند روز قبل ایک صاحب تشریف لائے جو دینی اعتبار سے بڑے ذی وجاہت و صاحب رتبہ ہیں، انھوں نے اسلحہ اور پہرے پر سخت اشکالات کئے، بندہ نے ان کو گزشتہ اوراق کا خلاصہ بتایا تو وہ کہنے لگے :

"سب اشکالات دور ہوگئے لیکن محراب میں مسلح محافظ سے تشویش ہوتی ہے اور دہشت پھیلتی ہے لہٰذا اسے کسی طرح ختم کریں"

بندہ نے عرض کیا :

"جب ایک چیز قرآن، حدیث، فقہ، اجماع و تعامل سے ثابت ہو گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عمل سے باقاعدہ اس کی تصدیق

ہوتی تو اب میرے خیال میں اس تشویش و خوف کا علاج کیا جائے نہ کہ اسلحہ کو خیرباد کہا جائے، آخر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسلحہ سے دہشت کیوں نہیں ہوتی تھی؟"

اس پر انھوں نے اچھل کر ایک خاص انداز سے میرے کندھے پر زور سے ہاتھ مار کر کہا:

"بس ٹھیک ہے یار"

اسلحہ سے خوف کا علاج

ایسے مسلمان بھائی جو اپنی غفلت، غلط معلومات اور بعض دین کے ٹھیکیداروں کے غلط پروپیگنڈے سے متأثر ہو کر اسلحہ کو نعوذ باللہ قابل نفرت اور عار سمجھنے لگے اور اسلحہ سے خوف اور بزدلی کا مہلک مرض ان کے قلوب میں پیدا ہو گیا وہ آئندہ نسل کو بزدلی اور خوف کا سبق دینے کی بجائے جرأت سے کام لیں اور اس حماقت کی اصلاح کریں، لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں کہ اسلحہ سے آنکھیں بند کر لی جائیں یا اسے جلا دیا جائے، سر میں جوئیں پڑ جائیں تو جوئیں نکالی جاتی ہیں کھوپڑی نہیں اڑائی جاتی، کپڑے میں جوئیں ہوں تو جوئیں کو نکالا جاتا ہے کپڑے نہیں پھینکے جاتے، لہٰذا اس ڈر کو دل سے نکالیں جس کے لئے امور ذیل کا اہتمام کریں:

(۱) اب تک اسلحہ سے نفرت اور خوف کا جو اظہار کیا دو رکعت پڑھ کر اس گناہ سے توبہ کریں۔

(۲) بزدلی سے پناہ مانگنے کا معمول بنائیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (انتہائی بہادری کے باوجود) بزدلی سے یوں پناہ مانگتے تھے جیسے کفر و شرک سے۔ (صحیح بخاری ص ۳۹۶ جلد ۱)

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنگوں کے واقعات باقاعدہ مطالعہ میں رکھیں اس کے لئے کتب ذیل بہت مناسب ہیں:

(۱) "سیرۃ المصطفیٰ" جلد دوم، تالیف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

② "ملک شام کی عظیم الشان فتوحات اور صحابہ کرام کے مجاہدانہ کارنامے"۔
(تالیف حضرت مولانا فضل محمد صاحب مدظلہم استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی)

③ حکایات صحابہ (تالیف حضرت اقدس شیخ الحدیث قدس سرہ)

④ پہلی فرصت میں جہاد کی تربیت (ٹریننگ) حاصل کریں، اہل حق کی نمائندہ عظیم متحدہ قوت "حرکۃ الانصار" کے معسکر (ٹریننگ سنٹر) کو تقویت بخشیں۔

⑤ پاکستان کے ہر شہری کو قانون کے مطابق اسلحہ رکھنے کی اجازت ہے، اس قانون کو نعمت عظمیٰ سمجھیں اور حسب استطاعت اسلحہ رکھیں، خلاف قانون کوئی چیز نہ رکھیں۔

⑥ اس وقت جہاد فرض ہے اور کشمیر، تاجکستان، بوسنیا وغیرہ کئی جگہوں میں اہل حق کفر سے برسرپیکار ہیں، جو لوگ اس شرعی جہاد کی قیادت کر رہے ہیں ان سے رابطہ کرکے جہاد میں حصہ لیں اور ایک مرتبہ پھر یہ سوچ لیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ستائیس مرتبہ بنفس نفیس جہاد میں نکلے ہم کم از کم ایک مرتبہ تو نکلیں، پھر قدرتی جہاد خود تمہیں میدان میں لڑنے کی بجائے جہاد کا کوئی اور کام سپرد کر دے۔

اٹھو باندھو کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھو خدا کیا کرتا ہے

پوری دنیا میں کافر کفر کے لئے لڑ کر
اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ
"کافر کفر کی خاطر لڑتے ہیں"
کے مطابق کفر سے وفاداری کا ثبوت دے رہے ہیں، اہل ایمان بھی اٹھیں اور دین کے لئے مسلح قتال کرکے اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
"اہل ایمان اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں"
کا مصداق بن کر کفر کی برتری کو ختم کریں۔

دھوکے کی ڈھال

افسوس ہماری حالت جمود و بیٹھنے سے بھی بدتر ہوگئی، جمود و بزدلی میں

مسلح پہرہ —— ۹۲

ضرب المثل تھے۔

کہتے ہیں کہ جب انگریزوں نے ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ جمالیا تو متحدہ ہندوستان کی تمام اقوام کو فوج میں بھرتی کیا، ہندوؤں کو نہیں لیا۔ اس پر ایک ہندو چوہدری نے اپنی قوم کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، انگریز افسر نے کہا:

"تمہاری ہندو قوم نہایت بزدل ہے اس لئے ہم کسی ہندو کو فوج میں نہیں لیتے۔"

ہندو چوہدری نے جواب دیا:

"صاحب! آپ کو غلط اطلاعات ملی ہیں، بہادری میں ہم کسی بھی قوم سے پیچھے نہیں۔"

انگریز افسر نے کہا:

"ٹھیک ہے پھر امتحان کر لیتے ہیں کسی ہندو کو لاؤ۔"

چوہدری ہندوؤں میں سے سب سے بہادر ہندو کو خوب سمجھا بجھا کر اور یہ کہہ کر لایا:

"دیکھنا ڈرنا مت، پوری قوم کی عزت کا مسئلہ ہے۔"

افسر نے سامنے بٹھا دیا اور ایک فوجی سے کہا:

"احتیاط سے اس کی ٹوپی کو نشانہ لگاؤ۔"

فوجی نے نہایت ٹھیک نشانہ مار کر ٹوپی گولی سے اڑا دی اور ہندو اپنی جگہ ٹھیک بیٹھا رہا، افسر حیران ہوا اور چوہدری بڑا خوش کہ ہماری قوم کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔

افسر نے کہا:

"اسے ٹوپی کی قیمت دے دو اور آئندہ ان کو فوج میں لیا کرو۔"

ہندو کانپتا روتا ہوا بولا:

"حضور دھوتی کی دھلائی بھی دے دو۔"

ڈر کے مارے کم بخت کا پاخانہ نکل گیا۔

لیکن آج کے مسلمان اسلحہ سے خوف اور اسے قابل نفرت سمجھنے کی وجہ سے ایسے ہو گئے کہ دشمن کی دعائیں مانگنے والے بزدل ہندو بھی آج پورے ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں، بے گناہ بچوں کو ذبح کر رہے ہیں، معصوم بچیوں کی عزت کو تار تار کر رہے ہیں، مساجد کو شہید کر رہے ہیں، قرآن کو جلا رہے ہیں، تاریخ کا وہ بدترین ظلم ڈھا رہے ہیں جو آسمان نے دیکھا نہ زمین نے، کیا ان حالات و حقائق سے کوئی عبرت حاصل کرنے والا ہے؟

غافل ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر
وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

جہاد ہی بزدلی کا علاج ہے

یہاں حضرت کی زیارت و ملاقات کے لئے جہاد افغانستان و کشمیر کے مجاہدین، دنیا کے مختلف ممالک کے غازی اور مشہور زمانہ کمانڈر تشریف لاتے ہیں، ان میں عام مسلمانوں سے لے کر طلبہ، علماء و مشایخ سب ہی ہوتے ہیں اور بحمد اللہ سارا سال اسلام کے ان مجاہدین کا آنا جانا لگا رہتا ہے، یہ حضرات یہاں کے پہرے، اسلحہ اور تدریس کے نظام کو دیکھ کر باغ باغ ہو جاتے ہیں۔

اس دور کے عظیم حریت پسند رہنما، مشہور تاجر، نامور عالم دین حضرت مولانا جلال الدین حقانی دامت برکاتہم جب اپنے کمانڈروں اور علماء کرام کے ہمراہ تشریف لائے تو بڑے خوش ہوئے اور فرمایا:

"مجھے یہاں پہرہ اور اسلحہ دیکھ کر یوں لگ رہا ہے جیسے میں سرزمین شہداء، ارض جہاد افغانستان میں ہوں۔"

نیز فرمایا:

"مجھے یہاں بڑا لطف محسوس ہوا۔"

"حرکۃ الانصار" کے مرکزی نائب امیر اول حضرت مولانا فضل الرحمن خلیل کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے ایسی جگہ دکھائی یہ ان کا مجھ پر احسان ہے۔"

۸۱/ مسلح پہرہ

ایک مشہور عرب عالم نے جو جہاد میں متعدد بار حصہ لے چکے ہیں اور ایک عرب ملک کی کسی وزارت میں اعلیٰ عہدہ پر بھی فائز ہیں یہاں پہرہ، اسلحہ اور تلاشی دیکھ کر فرمایا:

"مجھے یہاں وہی لذت محسوس ہو رہی ہے جو جہاد کے اندر محاذ پر ہوتی ہے۔"

یہاں کے بعض محافظین کے بارہ میں یہ پیشین گوئی بھی کی:

"مجھے ان کے چہرہ سے شہادت کی مہک محسوس ہو رہی ہے۔"

چند روز قبل "حرکۃ الانصار" کے ایک سعودی عربی مجاہد حضرت والا کی زیارت کو تشریف لائے تو اسلحہ اور پہرہ دیکھ کر بے اختیار تڑپ گئے اور بیساختہ پکار اٹھے:

واللہ ھٰکذا ینبغی للعلماء، ما قام الدین الا بالسلاح ولا یقوم ولن یقوم الا بالسلاح

"اللہ کی قسم علماء کو یونہی رہنا چاہیے، دین نہ پہلے ہتھیار کے بغیر مستحکم ہوا نہ اب ہو سکتا ہے نہ ہی آئندہ ہوگا۔"

فاتح خوست وگردیز حضرت مولانا جلال الدین حقانی کے ممتاز کمانڈر اور مشہور عالم جامعہ منبع الجہاد خوست کے مہتمم ورئیس حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب مدظلہم، مولانا حقانی کے مایۂ ناز استاذ عظیم مجاہد شیخ الحدیث حضرت مولانا سید شیر علی شاہ صاحب دامت فیوضہم شیخ الحدیث جامعہ منبع العلوم میران شاہ وزیرستان اور دیگر بعض بڑے بڑے علماء و مجاہدین تشریف لا چکے ہیں اور پہرے اور اسلحہ کا نظارہ دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر چکے ہیں۔

پاکستان میں علماء حق اکابر کی نمائندہ تنظیموں کے تمام مرکزی قائدین یہاں تشریف لا کر پہرے کے نظام کو خوب خوب داد دے چکے ہیں۔

خوشخبری:

الحمد للہ حضرت والا اور دیگر اکابر کی مسلسل کوششوں سے مجاہدین کی یہ تمام تنظیمیں مکمل طور پر متحد اور باہم منظم ہو چکی ہیں، اس متحدہ تنظیم عسکری قوت کا نام "حرکۃ الانصار" طے پایا ہے۔

کیا محافظین و دربان استفادہ میں رکاوٹ ہیں؟

اعتراض نمبر ۱۳:

حضرت مفتی صاحب محافظوں اور دربانوں میں ایسے گھیرے رہتے ہیں کہ ان سے علمی یا عملی استفادہ ممکن نہیں، تلاشی و مسلح محافظین سے گزر کر بھی زیارت و ملاقات و استفادہ کی تمنا پوری نہیں ہو پاتی کیونکہ نظم اوقات اور پابندی معمولات کا پیمانہ بہر حال موجود رہتا ہے۔

جب اللہ نے علم و معرفت کی دولت عطا فرمائی تو اسے یوں دبا کر کیوں بیٹھے ہیں؟

یہ خیال سراسر باطل ہے

جواب:

یہ خیال سراسر باطل ہے کہ محافظوں اور دربانوں کے ہجوم کے باعث حضرت سے ملاقات، آپ کی زیارت اور آپ سے استفادہ ممکن نہیں۔

اس اعتراض کے اصل سبب کی صحیح نشان دہی

اس اعتراض کا اصل منشا کیا ہے؟ حضرت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات میں بے شمار جگہوں پر اس پر مفصل و مبسوط کلام فرمایا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کا ادب و احترام دو وجہ سے ہو سکتا ہے۔

① اقتدار و قوت،

② محبت و عقیدت

علماء کے پاس اقتدار و حکومت تو ہے نہیں (جب تھا تو پوری دنیا جھک کر سلام کرتی تھی جیسا کہ آج بھی افغانستان میں اس کا مشاہدہ بخوبی کیا جا سکتا ہے جہاں اللہ نے علماء کو مسلح جہاد کی بدولت اقتدار عطا فرمایا ہے) محبت و عقیدت کا مدار دینداری پر ہے، دیندار اہل علم و اہل اللہ کی دل سے قدر کرتے ہیں اور ان کی جوتی کی خاک کو آنکھوں کا سرمہ تصور کرتے ہیں، لیکن جو لوگ دینداری سے محروم ہوتے ہیں وہ اہل دین جیسی

اہل علم و اہل اللہ کی محبت و عقیدت سے بھی یکسر محروم ہوتے ہیں، ایسے لوگ جب کسی عالم سے ملنے کا ارادہ کرتے ہیں تو شیخ چلی کی طرح خود ہی خیالی منصوبے بنا کر چلتے ہیں:

”جیسے ہی ہم وہاں پہنچیں گے اترتے ہی مولانا صاحب پہلے ہی ہمارے استقبال کو کھڑے ہوں گے ورنہ جیسے ہی ہماری تشریف آوری کا علم ہوگا فوراً بلا تاخیر کھانا، پینا، چند آرام، کام اور تمام ضروری دینی خدمات چھوڑ کر ہمیں خوش آمدید کہیں گے، بیٹھتے ہی قریب میں قلفی ٹھنڈی بوتل پیش کی جائے گی اور جب جانے لگے تو ہر حال میں چلے گی، پھر ہماری ہر معقول و نامعقول بات سنی جائے گی اور آپ جب جو بولی وہ مانگے۔“

عوام کا یہ خطرناک مزاج از خود نہیں بنا، مال و جاہ کے طالب بعض جاہل مولویوں اور نقلی پیروں نے اپنے مقاصد نکالنے کے لئے عوام کا مزاج بگاڑ رکھا ہے۔

حضرت تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے:

”ایسے لوگ علماء سے ملنے آتے ہیں تو عقل کو گھر ہی میں رکھ کر آتے ہیں مگر جب عدالتوں، تھانوں، ہسپتالوں، سرکاری و غیر سرکاری دفاتر میں جاتے ہیں تو صحیح معنی میں انسان بن کر جاتے ہیں، صرف افسران صاحبان کے غرور یا تکبر کا تحمل ہی نہیں چپراسیوں کے نخرے بھی بصد خوشی برداشت کرتے ہیں اور ان کی ڈانٹ پر ”سرجی“ کہہ کر معذرت کرنے کو اپنے لئے ثواب و راحت، تہذیب و ترقی قرار دیتے ہیں۔“

نیز حضرت تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے:

”ایسے ہی لوگوں سے تنگ آ کر میں نے ملاقات، زیارت و استفادہ کے نئے اصول بنائے ہیں، اگر میں ایسا نہ کروں تو یہ لوگ مجھے ایک بار بھی اللہ کا نام تک نہ لینے دیں۔“

حضرت گنگوہی و حضرت تھانوی قدس سرہما ایسے لوگوں کو جو ان حضرات کے اصول کے مطابق چلنے کی بجائے اپنے اصول زبردستی منوانے کی کوشش کرتے خانقاہ سے نکال دیا کرتے تھے۔

حضرت نانوتوی قدس سرہ کا سبق آموز واقعہ

ایک نواب صاحب نے جو دینداری میں بھی شہرت رکھتے تھے اپنے خاص سیکریٹری اور وزیر کو حضرت نانوتوی قدس سرہ کی خدمت میں یہ پیام دے کر بھیجا :

"میں حضرت والا کی زیارت کا بہت مشتاق ہوں حضرت مجھ سے مل لیں۔"

حضرت نانوتوی قدس سرہ نے اول تو اعذار شروع کر دیئے کہ میں غریب دیہات کا رہنے والا آداب امراء سے غیر واقف ہوں شاید آداب مجلس نہ بجا سکوں ، اس پر وزیر صاحب نے کہا :

"حضرت ! نواب صاحب تو خود حضرت کا ادب کریں گے حضرت تمام آداب سے مستغنی ہوں گے۔"

حضرت نانوتوی قدس سرہ نے فرمایا :

"پھر نواب صاحب ہی تو میری ملاقات کے مشتاق ہیں میں تو ان کی زیارت کا مشتاق نہیں ہوں ، اگر ان کو اشتیاق ہے تو خود مجھ سے ملنے آئیں ان کے پیروں میں مہندی تو نہیں لگی ہے۔"

حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں :

"بہر حال نہ جانا تھا نہ گئے اور امراء کے مقابلہ میں حضرت کا یہی طرز عمل رہا ہے۔" (ارواح ثلاثہ ص ۱۲۲۱)

— علماء حق کے خلاف —

ہرزہ سرائی کرنے والوں کا شرعی حکم

ایسے لوگوں میں سے جن کا ذکر اوپر ہوا ، اگر کوئی شخص کسی عالم کے اصول پر عمل نہ کرے یا وقت نہ ملنے پر بدتمیزی و بدتہذیبی کا مظاہرہ کرے تو ایسا شخص واجب الاخراج ہی نہیں واجب التعزیر بھی ہے۔

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ مسئلہ بڑی وضاحت و صراحت کے ساتھ

لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم دین کی توہین محض اس لئے کرتا ہے کہ یہ عالم دین ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج اور مرتد ہوگیا اور اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی، ایسے شخص کو دوبارہ مسلمان کر کے تجدید نکاح کرنا ضروری ہے اور اسے جلا وطن کرنا چاہئے اگر دوبارہ مسلمان نہ ہو تو شرعاً اسے قتل کرنے کا حکم ہے۔

یہ مسئلہ کتب ذیل میں مصرح ہے۔

(۱) المحیط (۲) الفتاوی البزازیة (۳) تبیین الحقائق
(۴) البحر الرائق (۵) الاشباہ والنظائر (۶) حاشیة الحموی علی الاشباہ
(۷) شرح الکنز لابن نجیم (۸) منیة المفتی (۹) مجموع النوازل
(۱۰) الخزانة (۱۱) عمدة الاسلام (۱۲) روضة العلماء
(۱۳) الحدیقة المحمودیة (۱۴) تنقیح الفتاوی الحامدیة (۱۵) الوہبانیة
(۱۶) الحاوی القدسی (۱۷) الفتاوی الخیریة

(الحدیقة المحمودیة ص ۴۱۲ ج ۲، تنقیح الفتاوی ص ۱۰۱ ج ۱، الفتاوی الخیریة ص ۲۳۸ ج ۲)

مذکورہ بالا کتب میں سے بعض کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے:

"غیر عالم کے لئے جائز نہیں کہ وہ اہل علم کے درمیان بیٹھے کیونکہ یہ بھی علم و اہل علم کی بے ادبی و گستاخی ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو حاکم پر لازم ہے کہ اسے بزور اس بے ادبی سے روکے، اور اگر عالم سے بلند اور افضل جگہ پر بیٹھ گیا اور یہ حرکت اس سے علماء کی عظمت دل میں نہ ہونے کی وجہ سے سرزد ہوئی تو یہ شخص کافر ہوگیا، بیوی نکاح سے نکل گئی اور اگر دل میں تحقیر نہیں یونہی مزاح کے طور پر بلند جگہ پر بیٹھ گیا تو کفر نہیں تاہم اسے تعزیر پھر بھی لگائی جائے، اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے"

(تنقیح الفتاوی للعلامة ابن عابدین رحمہ اللہ ص ۱۰۱ ج ۱)

علماء کے خلاف

پروپیگنڈا کرنے کی دوسری وجہ

چونکہ ایسے لوگوں کا علماء کے دروازوں پر طرح طرح پامال ہوتا ہے اور

آبرو پرستی سے ذرہ فاسدہ خوب خارج ہوتا ہے اس لئے وہ علماء کو طرح طرح بدنام کرکے انتقام لینے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لئے ان کے پاس سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کے لئے اس عنوان کے سوا کوئی حربہ نہیں بنتا کہ علماء عوام کو وقت نہیں دیتے حالانکہ ذرا سی عقل رکھنے والا یہ جان سکتا ہے کہ علماء کا سارا وقت عوام ہی کی خدمت میں گزرتا ہے، وعظ، تصنیف، تالیف، افتاء، تدریس، تزکیۂ نفس وغیرہ خدمات سے زمانہ خالی ہی کب ہے؟ تا قیامت عوام و خواص مستفید ہوتے ہیں، علماء کا پورا وقت عوام ہی کے لئے تو ہوتا ہے۔

یہ حضرات سونا اور آرام بھی اس نیت سے کرتے ہیں کہ صحت و قوت کے ساتھ تازہ دم ہوکر پھر مسلمانوں کی خدمت کریں گے اسی لئے علماء کی نیند بھی عبادت ہے۔

اوقات میں نظم وضبط از قرآن و حدیث

پھر ہر کام سلیقہ، طریقہ اور نظم وضبط کے ساتھ انجام دینا نہ صرف عقلاً لازم ہے شرعاً بھی ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وأتوا البيوت من أبوابها

”اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہو“

گھروں میں دروازوں سے دخول کے حکم سے ثابت ہوا کہ ہر کام سلیقہ اور اس کے خاص طریقہ سے کرنا لازم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تمام کام نظم کے ساتھ کرکے سکھائے ہیں جیسے جامع ترمذی کی روایت ہے۔

قال الحسین فسألت أبی عن دخول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کان إذا أوی إلی منزله جزأ دخوله ثلاثة أجزاء جزءا للہ عز وجل وجزءا لأهله وجزءا لنفسه ثم جزأ جزءه بینه وبین الناس فیرد ذلك بالخاصة علی العامة ولا یدخر عنهم شیئا وکان من سیرته فی جزء الأمة إیثار أهل الفضل بإذنه وقسمه علی قدر فضلهم فی الدین (شمائل الترمذی ص ۲۶ باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

"حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے معمولات دریافت کیے، انھوں نے فرمایا کہ جب آپ گھر میں ہوتے تو اپنے اوقات کو تین حصوں میں بانٹ لیتے تھے، ایک حصہ اپنے رب کی عبادت کے لیے، دوسرا حصہ گھر والوں کے لیے، تیسرا اپنے لیے، پھر اپنے حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرما لیتے، پھر لوگوں کے حصہ کو خواص کے ذریعہ عوام پر صرف فرماتے (یعنی خواص ہدایات و ارشادات نبویہ باہر جاکر عوام کو بتاتے) اور آپ کی سیرت طیبہ یہ بھی تھی کہ امت کے حصہ میں آپ اہل فضل و کمال کو دوسروں پر ترجیح دیتے تھے۔"

اسی نظم و ضبط کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بوقت ضرورت محافظین کے علاوہ حاجب اور دربان بھی رکھے (اس پر عنقریب روایات آرہی ہیں)

پس اگر کوئی شخص پوری امت سے وابستہ دینی دائمی اجتماعی و انفرادی خدمات میں خلل ڈالنے کی کوشش کرے تو اسے تنبیہ نہ کرنا مروت نہیں کفران نعمت ہے اور اس منصب عظیم کی ناقدری اور مداہنت ہے۔

حضرت والا سے استفادہ کی بیس صورتیں

جن کے قلوب اہل اللہ و اہل علم کی محبت و عظمت سے سرشار ہیں ان کے لئے حضرت والا کی زیارت تو روزانہ پانچ بار مسجد میں ہو سکتی ہے، استفادۂ ظاہرہ و باطنہ کی بھی درج ذیل سے زائد صورتیں ہیں جن کے ذریعہ ہزاروں لاکھوں تشنگان علم و عمل سیراب ہو رہے ہیں اور اس نعمت پر بصد ہزار بار حضرت کے ممنون احسان ہیں۔

① جمعرات چھوڑ کر روزانہ آدھا گھنٹہ وعظ، اس میں ہر شخص بیٹھ سکتا ہے، حضرت والا اور سامعین کے درمیان کوئی واسطہ حائل نہیں ہوتا۔

② جمعہ کے روز عصر کے بعد سے مغرب تک طویل وعظ ہوتا ہے جس میں

عوام و خواص علماء و طلبہ کی بڑی تعداد شرکت کرتی ہے۔

(۳) جمعہ کے روز مغرب کے بعد متصل تقریباً پون گھنٹہ علماء و طلبہ کے لئے دفتر میں مجلس ہوتی ہے، اسمیں کوئی بھی عالم اور کوئی بھی طالب علم آسکتا ہے۔

حضرت والا ہر آنے والے سے مصافحہ فرماتے ہیں، پھر نام، مقام اور مصروفیت دریافت فرماتے ہیں، ہجوم مشاغل و کثرت متعلقین کی وجہ سے نام و مقام و مصروفیت بار بار پوچھنے کے باوجود یاد نہیں رہتے، علاوہ ازیں یاد نہ رہنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ یاد رکھنا مقصود ہی نہیں، محض اظہار محبت، دلجوئی اور تطییب قلوب کی خاطر اس معمول کو بہرحال میں ادا فرماتے ہیں۔

اس مجلس میں حضرت والا سے سوالات کی بھی اجازت ہے۔

(۴) ہفتہ کے روز عصر کے بعد عوام متعلقین کے لئے دفتر میں نشست ہوتی ہے، اس میں بھی حضرت والا کا وارد ین کے ساتھ وہی معمول ہے جو نمبر "۳" میں گزرا، نشست اگرچہ عوام متعلقین کے لئے ہے تاہم اس میں علماء کرام و طلبہ بھی شرکت کر سکتے ہیں۔

(۵) جمعہ کے سوا روزانہ نصف گھنٹہ صبح پونے گیارہ بجے سے سوا گیارہ بجے تک دفتر میں تشریف رکھتے ہیں، اس میں دار الافتاء والارشاد کے مفتیان کرام، اساتذہ، تخصص اور دوسرے درجات کے طلبہ اور خانقاہ میں اصلاح کے لئے قیام کرنے والے حضرات کے علاوہ باہر کے علماء، طلبہ اور خاص متعلقین بھی شرکت کرتے ہیں۔

یہ مجلس اصلاً آدھے گھنٹے کی ہوتی ہے مگر باہر سے زیارت و ملاقات کے لئے آنے والے علماء کرام یا مجاہدین کی وجہ سے بسا اوقات گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک طویل ہو جاتی ہے۔

(۶) روزانہ دن میں دو مرتبہ ٹیلیفون پر پابند ہو کر بیٹھتے ہیں۔

صبح : ۹½ سے ۱۰½ تک

رات : ۹¾ سے ۱۰¼ تک، جمعہ چھٹی

اس میں کوئی بھی شخص حضرت والا سے فون پر بالمشافہ بلا واسطہ بات کر سکتا ہے۔ حضرت والا ان اوقات کے لئے خود کو نہایت اہتمام سے فارغ رکھتے ہیں۔

شاذ و نادر ہی ناغہ ہوتے دیتے ہیں، اور عموماً اس ناغہ کا سبب بھی وہ ضرورت مند عوام یا علماء کبار مجاہدین ہوتے ہیں جن سے عام معمول سے ہٹ کر ملنا ضروری ہوتا ہے جو معمولات میں تقدم و تاخر کا باعث بن جاتا ہے۔

(۷) عصر سے ایک گھنٹہ قبل عوام و خواص دارالافتاء والارشاد میں پہنچ کر مسائل دریافت کر سکتے ہیں، اس کے لئے حضرت والا دوسرے مشاغل کی وجہ سے بذات خود نہیں بیٹھ سکتے اس لئے یہ کام دارالافتاء والارشاد کے مفتیان کرام کے ذمے لگا دیا ہے۔

(۸) اگر مسئلہ کی پیچیدگی، اہمیت، نوعیت یا کسی اور وجہ سے دارالافتاء والارشاد کے مفتیان کرام سائل کو حضرت والا سے ملانا مناسب یا ضروری سمجھیں تو سائل کو صبح پونے گیارہ بجے کی مجلس میں بلایا جاتا ہے، جس میں حضرت والا سے روبرو بات ہوتی ہے۔

(۹) ہر شخص بذریعہ تحریر مسئلہ شرعیہ معلوم کر سکتا ہے۔ البتہ ملک و بیرون ملک سے آنے والے بے شمار استفتاءات کے ہجوم کی وجہ سے فوری جواب ممکن نہیں ہوتا، دس یا پندرہ دن اور کبھی اس سے بھی زیادہ دیر لگ جاتی ہے، جواب نمبر سے دیا جاتا ہے ہاں ضرورت شدیدہ اور مجبوری الگ چیز ہے۔

(۱۰) اصلاحی تعلق رکھنے والے احباب کو بتائے گئے معمولات میں سے ایک نہایت اہم معمول "مکاتبت" ہے جس میں وہ اپنے دینی حالات و امراض و عیوب کی اطلاع دے کر نسخے لیتے ہیں، یہ ڈاک بھی اتنی کثیر مقدار میں ہوتی ہے کہ ایک خط کے جواب کا نمبر کم از کم دس دن بعد آتا ہے یہاں بھی ضرورت شدیدہ اور مجبوری مستثنیٰ ہے۔

(۱۱) اصلاحی تعلق رکھنے والے حضرات کے علاوہ بھی کوئی بھی شخص دینی دنیوی حاجت کی دعاء کیلئے، تعویذ کے لئے یا نجی حالات میں استشارہ کے لئے خط لکھ سکتا ہے، اس کا جواب بھی ترتیب سے دیا جاتا ہے نمبر "۹" اور نمبر "۱۰" کا استثناء یہاں بھی ہے۔

(۱۲) جو لوگ خلوت میں بات کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اگر انکے کام کی نوعیت سے خلوت کی ضرورت ثابت ہو جائے تو حضرت والا خلوت میں بھی وقت عنایت فرماتے ہیں، لیکن اس کی نوبت کم ہی آتی ہے۔

(۱۳) عصر کے بیان کے بعد ایک مولوی صاحب اہل حاجات کو حضرت والا

کا تعویذ دیتے ہیں، یہ تعویذ عصر و مغرب کے درمیان ہی دیا جاتا ہے دوسرے اوقات میں نہیں تاکہ دین اور حاجات المسلمین کی دوسری اہم خدمات میں خلل واقع نہ ہو، جمعرات جمعہ کو تعویذ دینے کی چھٹی ہوتی ہے۔ ہر حاجت اور ہر مرض کے لئے ایک ہی تعویذ دیا جاتا ہے اس لئے حالات و حاجات بتانے اور سننے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

(۱۴) اگر کسی کو اچانک شدید ضرورت پیش آگئی تو ایسی ہنگامی حالت (ایمرجنسی) میں دوسرے معمولات کا حرج کرکے بھی اسے وقت دیا جاتا ہے۔

(۱۵) مذکورہ بالا معمولات و اوقات سے دو قسم کے حضرات مستثنیٰ ہیں
(۱) علماء کرام و مشائخ عظام (۲) مختلف جہادی تنظیموں کے قائدین۔

حضرت والا ارشاد فرماتے ہیں:

"ایک بہت بڑے عالم تشریف لائے، مجھ سے فرمانے لگے:
سنا ہے کہ آپ نے فون کے اوقات متعین کر رکھے ہیں، دوسرے اوقات میں آپ فون پر بات نہیں کرتے۔

میں نے کہا:

"وہ تو عوام کے لئے ہے، علماء کے لئے تو کوئی پابندی نہیں، آپ نے کبھی تجربہ کیا کہ آپ نے فون کیا اور اس طرف سے انکار ہوا ہو، علماء کے لئے نہ فون پر پابندی نہ بالمشافہہ بات پر پابندی، ان کے لئے دروازے کھلے ہیں، دار الافتاء کے دروازے بھی کھلے ہیں اور دل کے دروازے بھی کھلے ہیں، جب چاہیں تشریف لائیں، کوئی تجربہ تو کرے، یہاں جو علماء تشریف لاتے ہیں وہ اور دوسرے حضرات اس بات کو خوب یاد رکھیں، لوگوں نے یہاں یہ پابندی کی بہت تشہیر کر رکھی ہے، لوگ جو بات اڑا دیتے ہیں پھر کچھ نہ پوچھئے بلا تحقیق ہی اس پر اعتماد کر لیا جاتا ہے۔"
(وقت کی قیمت صفحہ ۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت ضرورت دربان متعین فرمانا

حدیث و تاریخ سے یہ بات آفتاب نیمروز کی طرح عیاں ہے اور قرین قیاس

بھی ہے کہ شروع زمانہ میں افراد کی قلت، حاجات کی قلت، اور معاملات کی قلت کے ساتھ آپس کے اختلافات و نزاعات، فتنہ و فساد نہیں تھے، نیز عام لوگوں میں سلامت طبع و سلامت فہم، سادگی و سچائی تھی، دین سے محبت اور قلوب میں اہل دین کا نہایت ادب و احترام تھا جس کی وجہ سے عامۃ المسلمین بلکہ عوام الناس بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی عبادات دینی خدمات، عبادات اور امور سلطنت میں دخیل نہیں ہوا کرتے تھے، کوئی بہت ہی ضروری بات یا کام ہوا تو مختصر ملاقات کرلی۔

(فتح الباری صفحہ ۱۱۸ جلد ۱۳)

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۹ جلد ۲)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں:

"ہم یہ تمنا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرے تو ہمیں علم حاصل ہو کیونکہ ہم زیادہ سوالات کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے تھے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر لوگ نہیں دیکھے، انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے وصال تک کل تیرہ مسئلے پوچھے جو قرآن میں منقول ہیں۔ یہ لوگ کام کی بات ہی پوچھا کرتے تھے۔" (ادب الفتیا للسیوطی صفحہ ۵۵)

حضرت شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اگر آج کے لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتے تو سارا قرآن "یسألونك" (یعنی سوالات) سے بھرا ہوتا۔"

(ادب الفتیا صفحہ ۵۴)

مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی زیارت و ملاقات روزانہ مسجد میں پانچ بار ہر مسلمان کو ہوجاتی تھی اس دوران بلا واسطہ کوئی بھی شخص بات کرسکتا تھا، اس کے علاوہ بھی دوسرے عام اوقات

جن میں یہ حضرات عوام الناس کے لئے مسجد میں نشست فرماتے بالعموم سامنے کوئی دربان نہ ہوتا اہل حاجات و مقدمات سیدھے آتے اور اپنی حاجت و مقدمہ پیش کرتے۔

لیکن یہ بھی بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ بوقت ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محافظین کے علاوہ دربان بھی رکھے۔

محدثین کہتے ہیں کہ جن روایات میں دربان رکھنے کی نفی ہے اس سے وظیفہ دار تنخواہ دار دربان مراد ہے، یا یہ کہ دربان رکھنے کا دائمی معمول نہ تھا (فتح الباری صفحہ ۳۰ جلد ۸، صفحہ ۱۱۷ جلد ۱۳) جیسا کہ بعد میں خلفاء راشدین و عادلین حضرت عثمان، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ و دیگر خلفاء مسلمین کا معمول رہا مطلقاً دربان کی نفی نہیں کیونکہ:

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور محافظین کے بارے میں مفصل نصوص گزر چکی ہیں اس لفظ دربان ہی تو ہوتا ہے بلکہ اعلیٰ درجہ کا دربان محافظ ہی ہے، ان تمام روایات سے دربانی کا ثبوت قولاً یا عملاً واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔

(۲) علاوہ ازیں متعدد روایات صحاح میں دربان رکھنا منصوص بھی ہے:

ففی صحیح البخاری من حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (قال)

فجئت المشربة التي فيها النبي صلى الله عليه وسلم فقلت لغلام له اسود استأذن لعمر فدخل الغلام فكلم النبي صلى الله عليه وسلم ثم رجع فقال كلمت النبي صلى الله عليه وسلم وذكرتك له فصمت فانصرفت حتى جلست مع الرهط الذين عند المنبر ثم غلبني ما اجد فجئت فقلت للغلام استأذن لعمر فدخل ثم رجع فقال قد ذكرتك له فصمت فرجعت الخ

(صحیح بخاری ص ۷۸۱ ج ۲)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس زمانہ میں کہ آپ امہات المؤمنین سے کچھ ناراض ہو کر الگ جگہ رہائش پذیر تھے جائے قیام کے دروازہ پر ایک حبشی غلام حضرت رباح رضی اللہ عنہ کو دربان متعین فرمایا ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دربان کے ذریعہ دو مرتبہ حاضری کی اجازت چاہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے تیسری مرتبہ اجازت مرحمت فرمادی۔"

وفی صحیح البخاری ایضاً من حدیث ابی موسی الاشعری رضی اللہ عنہ قال فاذا هو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالس علی بئر اریس وتوسط قفها وکشف عن ساقیہ ودلاهما فی البئر فسلمت علیہ ثم انصرفت فجلست عند الباب فقلت لأکونن بواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیوم فجاء ابوبکر فدفع الباب فقلت من هذا فقال ابوبکر فقلت علی رسلک ثم ذهبت فقلت یا رسول اللہ هذا ابوبکر یستأذن فقال ائذن له وبشره بالجنة (الی) فاذا انسان یحرک الباب فقلت من هذا فقال عمر بن الخطاب فقلت علی رسلک ثم جئت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فسلمت علیہ فقلت هذا عمر بن الخطاب یستأذن فقال ائذن له وبشره بالجنة (الی) فجاء انسان یحرک الباب فقلت من هذا فقال عثمان بن عفان فقلت علی رسلک فجئت الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرته فقال ائذن له وبشره بالجنة علی بلوی تصیبه الخ

(صحیح بخاری ص ۵۱۹ ج ۱)

وفی روایة اخری للبخاری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل حائطا و امرنی بحفظ باب الحائط الخ (صحیح بخاری ص ۵۲۲ ج ۱)

وفی صحیح ابی عوانة وفی مسند الرویانی فقال یا ابا موسی املک علی الباب

(فتح الباری ص ۳۰ ج ۲)

وعند الترمذی فقال لی یا ابا موسی املک علی الباب فلا یدخلن علی احد

(جامع الترمذی ص ۵۳۲)

* حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے ایک باغ میں تشریف لے گئے، میں بھی حاضر ہوا سلام کیا میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ آج تو دربانی کا شرف ضرور میں ہی حاصل کروں گا، اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی دروازہ کی حفاظت پر مجھے مامور فرما دیا اور تاکیداً فرمایا:

"دروازہ کے مالک آج آپ ہی ہیں دیکھنا بلا اجازت کوئی بھی اندر آنے نہ پائے"

میں دروازے پر (خوش و خرم) بیٹھ گیا، ایک صاحب نے
دروازے پر دستک دی، میں نے پوچھا کون؟ کہا: ابوبکر، میں نے
کہا: ٹھہرو، میں پوچھ کر بتاتا ہوں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکر
دروازے پر حاضری کی اجازت چاہتے ہیں، فرمایا انہیں اجازت
دے دو اور ساتھ میں جنت کی بشارت بھی، پھر حضرت عمر و
حضرت عثمان رضی اللہ عنہما وقفہ وقفہ سے آئے ان کو بھی اسی طرح
روک کر اجازت اور جنت کی بشارت دی گئی۔

اخرج الامام ابوداود عن نافع بن عبد الحارث الخزاعی قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حائطا من حوائط المدینة فقال لبلال امسك علی الباب فجاء ابوبکر الخ (فتح الباری ص ۳۴ ج ۷)

"حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں تشریف لے
گئے اور حضرت بلال سے فرمایا:
"بھئی دروازہ بند رکھو (یعنی کسی کو آنے نہ دو)"

اخرج الترمذی وابن ماجة واحمد عن علی رضی اللہ عنہ قال جاء عمار بن یاسر یستأذن علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ائذنوا له مرحبا بالطیب المطیب، قال الترمذی حدیث حسن صحیح (جامع الترمذی ص ۲۲۱ ج ۲، سنن ابن ماجة ص ۱۳، مسند احمد ص ۱۰۰ ج ۱)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمار بن یاسر نے
حاضری کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دربانوں سے فرمایا
عمار کو آنے دو، آپ نے عمار کو طیب و مطیب یعنی طاہر و مطہر قرار
دیا اور خوش آمدید فرمایا"

اخرجه الامام البخاری عن مالك بن اوس (الی) فبینما انا جالس عنده (عمر) اتاه حاجبه یرفأ فقال هل لك فی عثمان وعبد الرحمن بن عوف والزبیر وسعد بن ابی وقاص یستأذنون قال نعم الخ

(صحیح بخاری ص ۴۳۵ ج ۱، ص ۵۷۵ ج ۲)

”حضرت مالک بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا آپ کے دربان یرفأ نے آکر عرض کیا کہ حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اندر آنا چاہتے ہیں انھیں آنے دوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں آنے دو۔“

قال الحافظ ابن حجر: ”حاجبه اتى عثمان حمران“

(تہذیب التہذیب ص ۱۱ ج ۴)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دربان حمران بن ابان تھے تابعین میں یہ بڑے درجہ کے محدث اور زبردست عالم تھے۔“

وحاجبه على قنبر واحيانا بشر (تہذیب)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دربان قنبر ہوتے تھے اور کبھی کبھی بشر بھی۔“

فلما دفن عمر جمع المقداد اهل الشورى في بيت (الى) امروا ابا طلحة ان يحجبهم وجاء عمرو بن العاص والمغيرة بن شعبة فجلسا بالباب فحصبهما سعد واقامهما. (الكامل لابن الاثير ص ۳۰ ج ۳)

”حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہادت کے وقت نئے خلیفہ کے چناؤ کا اختیار چھ حضرات کو دیا تھا جب ان چھ کی مجلس شوریٰ شروع ہوئی تو انھوں نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو دروازہ پر دربان متعین فرمادیا۔ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما بھی دروازہ پر آکر بیٹھ گئے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو وہاں سے واپس فرمادیا۔“

ولما قدم عمر بن الخطاب رضي الله عنه الشام وجد معاوية رضي الله عنه قد تلقاه بمواكب وملابس النفيسة فسأله عن ذلك فقال انا في ارض نحن فيها محتاجون لهذا فقال عمر لا آمرك ولا انهاك.

(التراتيب الادارية للكتاني ص ۳۶ ، والطبري ص ۲۳۱ ج ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ ربیع ـــــ ۹۹

مرکزی ناظم عالی تحریک الانصار ... کے جواب میں احسن آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے:

"اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور اسلام کی حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو۔"

آیت کریمہ میں "صابروا" سے مراد یہ ہے کہ دشمن کے مقابلے میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھاؤ اور "رابطوا" کے معنی اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو جہاں سے بھی دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔

آیت سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو جب کافروں سے خطرہ ہو تو وہ میدان چھوڑ کر نہ بھاگیں اور نہ ہی بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی طرح اپنے رسول سے یہ کہیں:

"تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم تو یہاں بیٹھے رہتے ہیں۔"

بلکہ اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ کافروں کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں اور اپنے تحفظ کے لئے سینہ سپر ہو جائیں اور اپنی سرحدوں کو مضبوط رکھیں تاکہ کوئی کافر ان کی طرف میلی نگاہ سے بھی نہ دیکھ سکے، اسی میں اسلام کی شوکت ہے اور اسی میں مسلمانوں کا تحفظ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لائے تو مشرکین مکہ

نے مدینہ منورہ کے منافقین عبداللہ بن ابی وغیرہ کے ساتھ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جانی نقصان پہنچانے کی سازش کی اور عبداللہ ابن ابی کو اس سلسلے میں خطوط بھی لکھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کی سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حفاظتی انتظامات فرمائے۔

(۱) حضور صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات راتوں کو جاگتے رہتے اور پہرہ دیتے [illegible]
تھے۔ رواہ [illegible] (مشکوٰۃ [illegible])

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود مستعد رہتے تھے اور حالات پر کڑی نظر رکھتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ نے ایک مرتبہ رات کے وقت ایسی آواز سنی جس سے ان پر خوف طاری ہو گیا، وہ سب اس آواز کی طرف نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے آگے تھے اور آپ ہی نے اس واقعہ کی تحقیق فرما کر لوگوں کو تسلی دی۔ اس وقت آپ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تھے اور آپ کی گردن مبارک میں تلوار لٹک رہی تھی۔
(صحیح بخاری صفحہ ۴۰۷ جلد ۱)

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رات دن مسلح رہتے تھے اور اسلحے کو اپنے پاس سے جدا نہیں کرتے تھے جیسا کہ مستدرک کی روایت میں ہے:

> "حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مدینہ تشریف لائے اور انصار نے ان کو ٹھکانا دیا تو عرب کے تمام قبائل مسلمانوں کے خلاف جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اس حالت میں صحابہ کرام رات دن اسلحہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔"

(۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک پر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہرہ دیا کرتے تھے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تمنا فرماتے تھے کہ کوئی صالح مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر پہرہ دے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود جاگتے رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی پہرہ دے

کے لئے آجاتا تو آپ آرام فرماتے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۴۰۶ جلد ۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس طرح سے جاگنا اور چوکس رہنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہر وقت مسلح رہنا حضور صلی اللہ علیہ کے گھر مبارک پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پہرہ دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے پاس اسلحہ رکھنا یہ سب کچھ اس لئے نہیں تھا کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ) کافروں سے ڈرتے تھے یا بزدل تھے۔

بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔

(صحیح بخاری ص ۳۹۹ ج ۱ ، نور الیقین ص ۲۷۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو بزدلی سے اس طرح پناہ مانگتے تھے جس طرح کفر اور شرک سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری صفحہ ۳۹۷ جلد ۱)

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بزدلی کو بہت بڑا عیب اور بیماری سمجھتے تھے، اسی لئے ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میں بزدل ہوں اور زیادہ سونے کا عادی ہوں آپ میرے لئے دعا فرمادیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی اور ان سے بزدلی کا مرض جاتا رہا۔

(خصائص نبوی صفحہ ۱۳۲)

سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بزدلی اور بخل کو مرد کے لئے بدترین عیب قرار دیا۔

اس لئے یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ عمل (اسلحہ ساتھ رکھنا پہرہ دینا) بزدلی کی وجہ سے تھا۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے یہ اعمال اس وجہ سے بھی (نعوذ باللہ) نہیں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد نہیں تھا

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کس کا ایمان ہو سکتا ہے اور آپ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟

مسلح پہرہ ——— ... ——— ...

اسی طرح حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کی گواہی تو خود قرآن مجید دیتا ہے اور قیامت تک کے آنے والے انسانوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایمان کی طرح ہونا چاہیئے۔ پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان تو اتنا اعلیٰ اور ارفع ہے کہ آپ کے ایمان تک نہ کوئی نبی اور رسول پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مقرب فرشتہ تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ کیوں اٹھایا؟ اپنے گھر مبارک پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مسلح پہرے کیوں بٹھائے؟ میدان جنگ میں جسم مبارک پر دو دو زرہیں کیوں پہنیں؟ سر مبارک پر جنگی ٹوپی (خود) استعمال کیوں فرمائی؟

ایسے وقت میں کیا کوئی دریدہ دہن یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلحہ تو شان نبوت کے خلاف تھا جس طرح آج علماء کی شان کے خلاف ہے (نعوذ باللہ) پہرہ تو توکل اور بھروسے کے خلاف تھا (نعوذ باللہ) جسم پر دو زرہیں باندھنا اللہ تعالیٰ پر ایمان میں کمزوری کی وجہ سے تھا (نعوذ باللہ):

بلکہ ایسے موقع پر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے اور اس کے حکم کو پورا کرنے کے لئے آپ نے یہ حفاظتی تدابیر فرمائیں۔

حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جسم مبارک پر دو زرہیں اس لئے باندھیں تاکہ امت کو اپنی حفاظت کی اہمیت اور طریقہ سکھائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک پر لوہے کی ٹوپی اس لئے رکھی تاکہ امت اپنے سر کی حفاظت سے غافل نہ ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحہ اس لئے اٹھایا تاکہ کافر مسلمانوں کو لقمۂ تر نہ سمجھیں بلکہ ہر وقت مسلمانوں سے مرعوب رہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی تیاری اس لئے فرمائی کہ آپ اور آپ کا دین دنیا میں مٹنے کے لئے نہیں آئے بلکہ دنیا سے کفر اور شرک کو مٹانے کے لئے آئے ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اور میرا نام ماحی (مٹانے والا) ہے، اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے

کفر کو مٹایا ہے۔

ویسے بھی دنیا کا عام معمول ہے کہ قیمتی اشیاء کی حفاظت کے لئے مختلف تدابیر اختیار کی جاتی ہیں جنہیں کوئی بھی معیوب نہیں سمجھتا، لوگ سونے چاندی کی حفاظت کے لئے کیا کیا جتن کرتے ہیں بلکہ لوٹا اور اپنی جوتی کی حفاظت کے لئے مختلف تدابیر استعمال کرتے ہیں، عام طور پر مالیاتی اداروں کے باہر مسلح چوکیدار کھڑے نظر آتے ہیں جنہیں کسی نے بھی برا نہیں سمجھا، گھروں اور مویشیوں کی حفاظت کے لئے کتے رکھے جاتے ہیں، خود شریعت مطہرہ نے بھی اس کی اجازت دی کہ مال مویشی کی حفاظت کے لئے کتے رکھے جائیں، گھر کی حفاظت کے لئے دیوار اور دروازے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ زنجیریں اور تالے اور چوکیدار بھی رکھے جاتے ہیں۔

جب دنیا کی گھٹیا چیزوں (سونے چاندی مال مویشی) کی حفاظت ایک مستحسن بلکہ ضروری امر سمجھا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا دین اور اس دین پر چلنے والے مسلمان اور اس دین کے رہبر علماء تو ان تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان اور مال اور آبرو کو حرمت عطا فرمائی ہے اور ان چیزوں کی حفاظت کے لئے محکم قوانین جاری فرمائے ہیں۔

تو کیا دین جیسی قیمتی چیز اور مسلمان جیسے قیمتی فرد کو بغیر حفاظت کے چھوڑ دیا جائے گا ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے لئے بھی ایسے محکم قوانین نازل فرمائے ہیں کہ اگر مسلمان ان قوانین اور احکام پر عمل کریں تو کسی کافر کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کا تذکرہ فرمایا ہے تاکہ مسلمان خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ ان کا دشمن کون ہے اور ان کا دوست کون؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان دشمنوں کی دشمنیوں کی ترتیب تک بیان فرمائی کہ بڑا دشمن کون ہے اور چھوٹا دشمن کون، اور ان دشمنوں کے عزائم بھی بتائے اور ان کا طریقۂ واردات بھی ذکر فرمایا، اس سلسلے میں آیات تو بہت زیادہ ہیں چند آیات بطور نمونے اور مثال کے ملاحظہ فرمائیے:

"آپ یہودیوں کو سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن پائیں گے اور مشرکوں کو۔"

[مائدہ آیت: ۸۲]

"اور لڑائی تو ہمیشہ تم سے کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تمہارے دین سے تم کو پھیر دیں اگر اس کی طاقت رکھیں۔"

(البقرہ آیت: ۲۱۷)

"اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں (مسلمانوں) کے سوا، وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں، ان کی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو، تمہاری دشمنی ظاہر ہو رہی ہے ان کی زبان سے اور جو کچھ چھپا ہوا ہے ان کے دلوں میں وہ اس سے بھی زیادہ ہے۔"

(آل عمران آیت: ۱۱۸)

اس موضوع پر قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں مقصد ان سب کا مسلمانوں کو کافروں کی دشمنی اور ان کی سازشوں سے آگاہ کرنا ہے اور یہ بیان کرنا ہے کہ کافروں کو اسلام اور مسلمان کسی حالت میں گوارا نہیں، ان کی کوششوں کا مقصد اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی جو کوششیں کی گئیں ان کے ذکر کے لئے بھی ایک دفتر چاہئے۔ اجتماعی اور انفرادی حملوں کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کئی کوششیں ہوئیں۔ زہر دے کر شہید کرنے کی ناپاک سازش بھی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شبخون مارنے کے لئے جنگی کیمپ بھی وجود میں آئے، گھوڑوں کو بھی پال کر موٹا کیا گیا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سازش پر کڑی نظر رکھی اور ہر فتنے کو پنپنے سے پہلے دبا دیا۔

کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صرف کافروں کی دشمنی اور ان کی سازشوں اور چالوں ہی کو بیان نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کو ایسی ہدایات بھی عطا فرمائیں جن پر عمل کر کے وہ کافروں کے مکر و فریب سے بچ سکتے ہیں بلکہ ایسی ہدایات عطا فرمائیں جن پر مسلمان عمل پیرا ہو کر کفر اور شرک کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے لئے تر نوالہ بنا کر نہیں چھوڑا بلکہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کے تمام راستے بند کر دیئے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو دنیا میں تمام ادیان پر غالب کرنے کیلئے بھیجا ہے اور یہ غلبہ اس وقت ہو سکتا ہے جب اس دین پر عمل کرنے والے اور اس دین کے تمام پیرو

محفوظ ہوں اور مضبوط ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لئے صرف غلبے اور سربلندی کا اعلان نہیں فرمایا بلکہ اس اعلان کے ساتھ ساتھ انھیں غلبے اور سربلندی کے راستوں سے بھی آگاہ فرمایا ہے اور کفار سے نمٹنے کے طریقے بھی بتائے ہیں۔ مسلمانوں کو اس کا حکم دیا ہے کہ وہ کافروں سے اپنی حفاظت اور اپنے دین، اپنی جان، اپنی آبرو کو ہمیشہ مقدم رکھیں۔ اس پر بے شمار دلائل موجود ہیں بات سمجھنے کے لئے صرف "صلوٰۃ الخوف" ہی کو لے لیجئے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا حکم نہیں دیا کہ تم نماز میں کافروں سے بے خبر ہوکر میرے سامنے کھڑے رہو میں تمہاری حفاظت کروں گا بلکہ حکم دیا کہ جب نماز میں کافروں کے حملے کا خطرہ ہو تو نماز کے دوران اسلحہ اٹھائے رکھو اور زرہیں باندھے رکھو، جہاں کافروں سے لڑائی ہو رہی ہو وہاں ایک جماعت نماز کے پیچھے رہے وہ بھی مسلح رہے، پہلی جماعت آدھی نماز پڑھ کر میدان میں کافروں کا مقابلہ کرے اور دوسری جماعت آکر نماز پڑھے پھر ان کے بعد پہلی جماعت آکر اپنی نماز مکمل کرے۔

ذرا غور فرمائیے نماز جیسی اہم عبادت جو دین کا ستون ہے اس میں بھی حفاظت کا یہ بہترین بندوبست فرما دیا۔ حالانکہ نماز سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے قرب اور کوئی ہو سکتا ہے؟ مگر اس قرب اور مناجات کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے اسلحے سے غافل نہ ہوں اور اپنے تحفظ کا بندوبست کرکے رکھیں، اور کافروں کو کسی قسم کی کارروائی کا موقع نہ دیں، اسکے لئے انھیں اجازت دی کہ وہ نماز میں چلیں پھریں کافروں کو قتل کریں مگر ان کی نماز نہیں ٹوٹتی کیونکہ یہ سارے افعال (چلنا پھرنا جنگ کرنا کافروں کو قتل کرنا) بھی عبادت ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم۔

اس لئے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

"صلوٰۃ الخوف" کی آیت میں اللہ رب العزت نے کافروں کی ایک خواہش اور ارادے کے ایک مکر کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور (نماز میں) ساتھ رکھیں اپنا بچاؤ اور ہتھیار، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم بے خبر ہو اپنے ہتھیاروں سے اور اسباب سے تاکہ تم پر یکبارگی حملہ کردیں۔"

(نساء آیت: ۱۰۲)

یہ قرآن کا فیصلہ ہے کہ کافر مسلمانوں کی تاک میں لگے رہتے ہیں کہ کب یہ اسلحہ سے

غافل ہوں اور کافران پر ٹوٹ پڑیں۔ یہ تو کافروں کی تمنا تھی لیکن اللہ تعالیٰ کیا چاہتے تھے؟ ملاحظہ فرمائیے ارشاد باری تعالیٰ:

"اور اللہ چاہتا ہے کہ سچا کردے حق کو اپنے کلاموں سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی"   (انفال آیت: ۷)

یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلمان کافروں سے ٹکرائیں اور وہ ان کی نصرت کرکے حق کے سچا ہونے کو ایسا ثابت کردے کہ ہر کسی کو اقرار کرنا پڑے۔ اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر ٹکراؤ کے بھی حق کو غالب اور باطل کو مغلوب فرما دے مگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ وہ اس کے حکم پر اسلحہ تھام کر میدان میں نکل کر دشمن سے ٹکراتے ہیں کہ نہیں، پھر جب مسلمان اس امتحان میں پورے اترتے ہیں اور کافروں سے ٹکراتے ہیں تو اللہ تعالیٰ صریح نصرت فرماتا ہے اور اس ٹکراؤ کے عوض دنیا سے فساد کا خاتمہ ہوتا ہے اور مسلمانوں کو بڑے بڑے مقامات ملتے ہیں لیکن اگر مسلمان کافروں کے مقابلے میں آنے سے گریز کریں تو ان پر ذلت آتی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کافر مسلمانوں کے دشمن ہیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کے مٹانے کے درپے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے شر سے بچنے کے لئے مختلف احکام دیئے جن میں سے ایک حکم یہ ہے کہ مسلمان ان کافروں پر اپنا رعب اور دہشت بٹھانے کے لئے خوب سامان جہاد جمع کریں۔ اچھے سے اچھا اسلحہ رکھیں اعلیٰ قسم کے تربیت یافتہ گھوڑے پالیں تاکہ کافر مرعوب رہیں اور کسی مسلمان کی جان مال اور آبرو کو تباہ نہ کرسکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور تیار کرو ان کافروں سے لڑائی کے لئے جو کچھ تم جمع کرسکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک بیٹھے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر"   (انفال آیت نمبر ۶۰)

آیت کریمہ سے واضح طور معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر وقت اسلحہ اور سامان حرب تیار رکھنا چاہئے بالخصوص جب کافروں کے حملے کا خطرہ ہو تو اس تیاری کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے تحفظ کے لئے کتنی زبردست تیاری فرمائی اور مسلمانوں کا لشکر جرار تیار فرمایا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال تبع فرمائے۔ آلات حرب خریدے اور تیت گرمی میں یہ سفر فرمایا اور اس خطرے کے آثار کو ختم کر دیا جو بعد میں بڑا خطرہ بن سکتا تھا۔ اس غزوے میں لڑائی نہیں ہوئی مگر اس کے باوجود جو لوگ اس میں شامل نہیں ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے قطع تعلق کر لیا اور مسلمانوں کو بھی ان سے قطع تعلق کا حکم دیا۔ بالآخر پچاس دن کے بعد ان حضرات کی توبہ قبول ہوئی۔

مکہ مکرمہ کا ایک کافر خالد بن سفیان ہذلی منی کے علاقے میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک لشکر تیار کر رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم سنہ ۴ھ میں اپنے صحابی حضرت عبداللہ بن انیس انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کے قتل کرنے کے لئے بھیجا اور جب وہ کامیاب ہو کر آگئے تو انہیں ایک عصا بطور انعام و اکرام عطا فرمایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود باقاعدہ اسلحہ خرید کرتے تھے جیسا کہ صحیح البخاری کی روایت میں ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی نضیر سے حاصل شدہ اموال میں سے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کا نفقہ جدا کر کے باقی مال جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اسلحہ اور گھوڑے خریدنے پر خرچ فرماتے تھے۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد کے ساتھ محبت اور دلچسپی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عرب کی مشہور معروف تلواریں تھیں جن میں سے بعض کے دستے پر چاندی کا تار چڑھایا گیا تھا۔ آپ ہمیشہ آلات حرب کو بڑھانے کی فکر فرماتے تھے۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور چند تلواریں تھیں مگر آپ کے جذبۂ جہاد نے اسلحہ کے انبار لگا دیئے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیارہ تلواریں، آٹھ نیزے، چھ کمانیں، دو ترکش، دو جنگی ٹوپیاں، سات زرہیں، چار ڈھالیں، جہاد کے لئے گھوڑے، خچر، اونٹ، اونٹنیاں تھیں۔

اسلحہ سے گھن کھانے والے اور نفرت کرنے والے اس روایت پر غور فرمائیں اور اپنے مزاج پر ماتم کریں۔

حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے ورثہ میں سوائے اپنے سفید خچر، اپنے اسلحہ اور اس زمین کے جو
صدقہ کر دی تھی کچھ نہیں چھوڑا۔ (صحیح البخاری ص ۲۲۴ ج ۱)

دوسری روایت میں تصریح ہے کہ یہ خچر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے
جہاد کے کام آتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تلوار رکھنا، زرہ باندھنا وغیرہ وغیرہ تو
تواتر کے ساتھ احادیث میں آیا ہے۔ اس یہودی کا واقعہ سب جانتے ہیں کہ جس نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام کرتے دیکھا اور آپ کی تلوار درخت پر لٹک رہی
تھی تو اس نے یہ تلوار اٹھائی۔ (الحدیث)

بہرحال حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر وقت بھی تلوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ
تعالیٰ عنہم کے زمانے میں بھی دفاعی اخراجات کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ مسلمان تلوار
کے دھنی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
منجنیق بھی استعمال کی تھی اور غزوۂ طائف میں استعمال بھی فرمائی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دبابہ نامی ایک دفاعی اسلحہ ایجاد فرمایا۔ حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ مجاہدین تلواریں اور تیر لیکر روم اور فارس
کی آہنی فوجوں سے ٹکرا گئے۔ اس وقت تک کسی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں تھا کہ
تلوار اور اخلاق آپس میں متضاد چیزیں ہیں۔ کسی نے یہ نکتہ نہیں سوچا تھا کہ اسلحہ
دہشت گردوں اور غنڈوں کا شعار ہے۔ کسی نے اس کو یہ مسئلہ نہیں سمجھایا تھا کہ
اہل علم کے لئے اسلحہ سخت معیوب ہے۔ اس زمانے میں تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
جیسے محدث، سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے مفسر، سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ جیسے قاری، سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مفتی، سیدنا ابوعبیدۃ
ابن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے امین الامۃ، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ
عنہ جیسے فقیہ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ،
سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے
عالم کے کتنے ہی خاندان اور رستم بن خود اسلحہ رکھتے تھے، تیر و اسلحہ چلاتے تھے، اسلحہ
سے محبت فرماتے تھے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نماز کے دوران مسلح پہریدار محراب
میں پہرہ دیتے تھے اس زمانے میں مساجد کے اندر مقصورے حفاظتی مورچے پہلی
صدی میں بنائے گئے اور حضرات صحابہ کرام اور اجل تابعین اور ائمہ نے ان مقصوروں
(مورچوں) میں نمازیں ادا کیں۔ اس زمانے کے مسلمان ایک لمحے کے لئے بھی اپنے اسلحے
سے غافل اور اپنے دفاع سے بے پرواہ نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام
کی عزت، مسلمانوں کی عزت اور تحفظ اسی میں ہے، اگر مسلمانوں کا تحفظ کمزور پڑ گیا
اور سرحدیں کمزور ہو گئیں تو اسلامی شعائر بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔ حضرات صحابہ کرام
رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرح حضرات تابعین میں بھی یہی ذوق رہا۔ حضرت امام حسن بصری
جیسے بلند پایہ امام نے خود اسلحہ اٹھایا اور میدانوں میں معرکے لڑے، اور کابل کی
لڑائی میں حصہ لیا، اس سے نہ تو حسن بصری کے علم پر کوئی آنچ آئی نہ ان کے تفضل
میں کوئی کمی آئی اور نہ تصوف کے اس بے تاج بادشاہ کو کسی نے طعنہ دیا کہ بزرگی
اور اسلحہ تو الگ الگ چیزیں ہیں آپ نے یہ اسلحہ کیوں اٹھا رکھا ہے۔

حضرت حسن بصری کے سوانح نگار لکھتے ہیں کہ بڑھاپے میں بھی آپ نے جہاد کو
ترک نہ فرمایا اور اسلحہ سے دل نہ ہٹایا حالانکہ طبیب روکتے رہے مگر حسن بصری
رحمہ اللہ تعالیٰ لذت جہاد سے سرشار رہے۔

تابعین کے بعد امت کے اہل علم اور اہل فضل محدثین اور فقہاء نے جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر جہاد کو جاری رکھا اور اسلحہ سے محبت کی حضرت
عبد اللہ بن مبارک جیسے محدث اور امام اوزاعی جیسے فقیہ میدانوں میں لڑتے رہے اور
علم کی خدمت بھی کرتے رہے۔ ان علماء اور مشایخ کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں
نے علم و معرفت کے ساتھ جہاد کے دیپ بھی جلائے اور ان میں سے ہزاروں علماء و
مشایخ نے جام شہادت بھی نوش فرمایا، سلف میں سے کسی نے اسلحے کو علم کے منافی
اور جہاد کو بزرگی کی ضد قرار نہیں دیا بلکہ جس سے جس قدر ہو سکا اس نے اللہ تعالیٰ کی
طرف سے نازل کردہ اس محکم اور قطعی فریضے کی خدمت کی، کوئی خود میدان میں نکلا،
کسی نے کتابیں لکھیں، کسی نے جہاد کے مسائل کی گتھیاں سلجھائیں۔

آج کسی اسلامی کتب خانے کی تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول فقہ کی کوئی کتاب

ایسی نہیں جس میں جہاد کے فضائل ومناقب اور اسلحے سے محبت کا درس نہ ملتا ہو، جبکہ ہمارے اسلاف کا تو ہمیشہ سے یہ نظریہ رہا ہے کہ جہاد افضل ترین عبادت ہے، اور جہاد کے ذریعہ علوم میں برکت ہوتی ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علوم میں برکت اسی جہاد کے مبارک عمل کی بدولت تھی، وہ جو کچھ قرآن میں سنتے تھے وہی کچھ میدان جہاد میں دیکھتے تھے، انکے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نصرت اور رفاقت ایک محسوس چیز تھی، اس لئے ان کے علوم بہت اونچے تھے۔ آخر میں ہمارے اکابر علماء دیوبند بھی اسی طرز عمل پر قائم رہے، چشم فلک نے برصغیر کے تصوف کے امام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ، حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ، فقیہ النفس ابو حنیفۂ ثانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ، برکۃ العصر حضرت مولانا حافظ ضامن شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، امام زمانہ حضرت مولانا سید احمد شہید رحمہ اللہ تعالیٰ، عالم ربانی حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کو ہاتھوں میں اسلحہ تھامے میدانوں میں لڑتے دیکھا، ان اہل علم اور اہل فضل اکابر نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی اور انہوں نے میدانوں میں نکل کر انگریز کا مردانہ وار مقابلہ کیا، مگر کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ ان اکابر پر طعن وتشنیع کرتا کہ دین کے محافظ عین اللہ رب العالمین کے ہوتے ہوئے ان حضرات نے اسلحہ اٹھا کر علم کو بٹہ لگایا اور دین کی توہین کی (نعوذ باللہ)

مگر افسوس صد افسوس انگریز کی مکاری کا آرہ چل گیا، مرزا قادیانی ملعون کا ناپاک جادو کچھ اثر کر گیا، انگریز علماء کو ذلیل ورسوا اور نہتا کرنا چاہتا تھا، وہ علماء کو کمزور اور دوسروں کا دست نگر بنا کر دین کو ذلیل کرنا چاہتا تھا، وہ علماء کی قوت اور عظمت سے خائف تھا، وہ اس نکتے کو سمجھ گیا تھا کہ دینداروں کی قوت میں دین کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے اس لئے دینداروں کو نہتا کیا جائے۔

انگریز نے محنت کی، مرزا قادیانی نے کتابیں لکھ ڈالیں، ذرائع ابلاغ حرکت میں آگئے اور سب نے مل کر یہ راگ الاپا کہ اسلحہ دہشت گردی کا نشان ہے، اسلحہ اہل علم کی شان کے خلاف ہے، اسلحہ غنڈوں کے ناپاک عزائم کی تکمیل کا راستہ ہے، اسلحہ مشائخ کی دستار کو عیب دار بنانے والی چیز ہے، یہ پروپیگنڈہ اتنا زوردار ہوا کہ زرد

بخار کی طرح مسلمانوں کے قلب و جگر پر چھا گیا۔

نبی السیف (تلوار والے نبی) کی امت تلوار سے نفرت کرنے لگی، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نظر انداز کر کے علماء کو نہتا کر دیا گیا اہل علم کمزور ہو گئے، اسلحہ چوروں اور ڈاکوؤں کو دیدیا گیا، اسلحہ جاگیرداروں اور وڈیروں کے ظلم کا محافظ بنا دیا گیا، اسلحہ دین کے محافظوں سے چھین کر دین کے دشمنوں کو دیدیا گیا، ایمان اور جہاد جو کل تک لازم و ملزوم تھے آج ایک دوسرے سے جدا دکھائے گئے۔ فاسق طاقتور اور مؤمن کمزور ہو گیا، قاتل طاقتور اور دیندار مظلوم ہو گیا، اسلحے کے زور پر ساہوکاروں نے حکومتیں حاصل کیں، علماء کو مسجد و مدرسے میں محدود کر دیا گیا، اگر اہل علم نے آواز اٹھائی تو انہیں گولیوں سے چھلنی کر کے دوسروں کے لئے عبرت کا نشانہ بنا دیا گیا، کتے چھوڑ دیئے گئے اور پتھر باندھ دیئے گئے، بے راہ روی اور زندقے کے پیچھے آتشیں اسلحہ کی طاقت کو رکھا گیا اور دیندار لوگوں کو منہ کے نوالے بنا کر مذاق اور مسخرے پن کی چیز بنا دیا گیا، پھر زبانیں اسلام کے خلاف چلنے لگیں مگر ان زبانوں کو لگام دینے والے بے بس اور بےکس منہ دیکھتے رہ گئے، پھر قلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس پر ڈاکے ڈالنے لگے مگر اس ناموس کے محافظ بنے تھے وہ کچھ نہ کر سکے، علماء کی ڈاڑھیاں نوچی گئیں، مسئلہ ختم نبوت جیسے اجماعی مسئلے کا خون کرنے کی کوشش کی گئی، اسلام کے نظام کو سرِ بازار گالیاں دی گئیں، اہل حق علماء کے جسموں کو سنگینوں اور گولیوں سے چھلنی کیا گیا، مگر اہل دل تڑپتے رہتے، اسلحے سے غفلت کا خمیازہ بھگتتے رہے۔

جس منبر پر سے صحابہؓ یہودیہ کے قتل کا حکم ملا تھا اس منبر سے دین کی تباہی پر صبر کا پیغام نشر ہونے لگا، جس منبر سے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا حکم ملا تھا اس منبر سے سلمان رشدی کے قتل کا فیصلہ صادر نہ ہو سکا، کفر سر بازار ناچ رہا تھا اور اہل ایمان سر چھپانے کے لئے پناہ گاہیں تلاش کر رہے تھے۔

ایسے وقت میں ہمارے پاکستان میں جہاں اسلام کے سوا ہر چیز کی آزادی ہے جہاں جمہوریت کا عفریت اسلام کے مقدس نظام کو منہ چڑا رہا ہے، جہاں کی زمین نے مولانا جھنگوی اور مولانا ایثار القاسمی کے خون کو پی لیا، جہاں صرف ختم نبوت

جیسا مختصر مسئلہ حل کرنے کے لئے ہزاروں نوجوانوں کی تڑپتی لاشیں دینی پڑیں۔ اور اب تو حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ غنڈہ گرد عناصر کھلے عام مساجد میں نمازیوں پر فائرنگ کر رہے ہیں اور مساجد کا تقدس اسلامی ممالک میں پامال کیا جا رہا ہے۔

اس قدرے تفصیلی تمہید کے بعد اب آتے ہیں اپنے اصل موضوع کی طرف۔

فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ کے علمی و روحانی فیوض سے پوری دنیا سیراب ہو رہی ہے۔

افریقہ میں ایک مرتبہ بندہ کو ایک بہت بڑے شیخ الحدیث اور عارف باللہ بزرگ کی مجلس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ یہ بزرگ عالم دین اعلیٰ درجے کے محقق بھی ہیں اور افریقہ میں ان کے مریدین اور متوسلین کی ایک بڑی تعداد موجود ہے سننے میں آیا ہے کہ یورپ میں بھی ان کا بہت بڑا حلقہ ہے، بندہ نے ان کی مجلس میں حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ العالی کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا:

"ارے آپ لوگ خوش قسمت ہیں، حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی تو اس وقت علوم میں فرد ہیں۔"

بہر حال عرب و عجم میں حضرت مفتی صاحب کے علوم و معارف کی کرنیں پھیلی ہوئی ہیں، آپ کے محققانہ ذوق اور علمی تحقیقات اور روحانی مقامات پر تو اس وقت امت مسلمہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے، بے شک آپ جیسے متقی فقیہ امت کے لئے عظیم سرمایہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی میں خوب برکت عطا فرمائے اور علم و معرفت کا یہ چشمہ جاریہ امت کو سیراب کرتا رہے، آمین ثم آمین۔

حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہ سے اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بہت سارے کام لئے وہاں آپ سے ایک اہم کام ان باطل فرقوں کے خلاف لیا جو امت کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے تھے۔ آپ نے تقریباً ہر فتنے کے خلاف لکھا اور لکھنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ کا حق پرست قلم تلوار کی طرح ان فتنوں کی شہ رگ پر پڑا تو علمی طور پر ان کی موت ثابت ہوا، آپ نے تحریر اور تقریر کے ذریعے اپنے خاص ایمانی جذبات کو بروئے کار لاتے ہوئے ہر باطل کو للکارا مگر آج امت کے بہت سارے ہوش

ان جذبات سے محروم ہیں۔

حضرت اقدس مفتی صاحب جب افغانستان تشریف لے گئے اور ہم نے آپ کو کمیونسٹ فوج کے ٹرین دکھائے، دو جرنل جو مسلمانوں کے خلاف میدانوں میں اترے تھے، اور انھیں روسی طاقت پر بڑا ناز اور گھمنڈ تھا مگر اللہ کے شیروں نے ان گیدڑوں کو زندہ پکڑ لیا تو وہ دوسروں کے لئے تماشۂ عبرت بن گئے، اب ان ظالم درندوں نے اپنے چہروں پر مظلومیت اور بے کسی کے ایسے پردے ڈال لئے کہ جو انھیں دیکھتا اسے ترس آتا، مگر اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہم العالی کو کہ ان قاتلوں کو للکار کر فرمایا:

"میرے نزدیک تمہاری سزا موت ہے اگر میرا اختیار ہوتا تو میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے قتل کرتا۔"

میں نے مذکورہ بالا واقعہ قصداً لکھا ہے تاکہ ہمارے ان بزدل مسلمانوں کو کچھ عقل آئے جو ظالم و جابر کافروں کی موت سے بھی لرزتے ہیں، جو اپنے اسلاف کی تاریخ کو بھول چکے ہیں، جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جہادی نعروں اور زمزموں کو فراموش کرکے بے حسی کی زندگی گزار رہے ہیں، جو بزدلی کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ اپنے ہاتھوں میں اسلحہ تک نہیں اٹھا سکتے۔ اگر کوئی ان کے ہاتھوں میں بندوق پکڑا دے تو تھر تھر کانپنے لگتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی گولی نہ چل جائے اور ان کی قیمتی جان وقت سے پہلے نہ نکل جائے۔

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم جن کا ایک ایک عمل شریعت مطہرہ کے احکام سے عبارت ہے، رافضیت کے فتنے کے خلاف شمشیر برہنہ بن کر میدان میں اترے اور اس فتنے کے صرف کفر ہی کا نہیں بلکہ ان کے بارے میں اسلامی حکم کا بھی آپ نے ببانگ دہل اعلان فرمایا، یہ اعلان کسی بند کمرے میں نہیں بلکہ کئی شہروں میں ہزاروں مسلمانوں کے بہت بڑے جلسوں میں آپ نے دشمنانِ صحابہ کو للکارا۔

"فارس (ایران) کے محلات کانپ اٹھے، تنسیخ کرا دی گئی"

مسلح کا جہاد حرکت میں آگئے اور اس علم و عمل کے مرقع بطل جلیل کو ختم کرنے کے لئے عملی کوششیں ہونے لگیں، ان حالات کے پیش نظر حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم

کے خدام اور مجاہدین نے آپ سے حفاظتی تدابیر اور مسلح پہرے کی اجازت چاہی، جب مجاہدین کا اصرار بہت بڑھ گیا تو آپ نے دارالافتاء کے علماء و تلامذہ و متعلقین میں سے دوسرے اہل فتاء و علماء کو قرآن و سنت اور فقہ کی روشنی میں حدود شریعت کے اندر اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کا حکم فرمایا، اہل علم اور مجاہدین سے مشورے ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اوراق کی ورق گردانی کی گئی، جس کے نتیجے میں یہ فیصلہ ہوا کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم اور آپ کے ادارے اور طلبہ کی حفاظت کے لئے شرعی اصولوں پر مسلح پہرہ داری کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اس کار خیر کے لئے نوجوانوں نے اپنی جوانیاں پیش کر دیں، مجاہدین نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے علمی مرکز میں پہرے کی ترتیب بنائی، فوج کے بڑے افسر اس ترتیب پر عش عش کر اٹھے، دارالافتاء والارشاد جو کہ دارالجہاد بھی تھا اب باقاعدہ دارالجہاد بن گیا، اسلحہ ہر طرف نظر آنے لگا۔

> کیا فرنگی کی ماں مر گئی، مسلمانوں کی کمزوری پر خندہ کرنے والے
> سگ جو بھونکنے والے کھسیانی بلی کی طرح دارالافتاء کی طرف
> دیکھنے لگے، کتوں کے دانت ٹوٹ گئے، بھیڑیئے کی دم کٹ
> گئی، ایک دو مرتبہ کسی نے بھاری دکھائی تو منہ کی کھائی۔

مفتی صاحب کا یہ عظیم دارالافتاء مسجد نبوی کے اعمال کی آماجگاہ بن گیا کتنے مسلمانوں کو اسلحہ دیکھنے کی سعادت ملی، کتنوں کو پہرہ دینے کی فضیلت ملی، ہزاروں انسانوں کو اس عمل تدم نے جہاد کا گرویدہ بنا دیا، مرزا قادیانی کی قبر کی آگ اور بھڑک اٹھی، حضرت مفتی صاحب کا دارالافتاء اس کے عزائم کا قبرستان ثابت ہوا۔ اندرون ملک اور بیرون ملک سے آنے والے علماء ابتداء میں اس نئے طرز عمل سے پریشان ہوتے پھر آہستہ آہستہ مانوس ہوتے اور پھر چند روز میں اپنی پہلی زندگی پر لاحول پڑھ کر توبہ کرتے اور اسلحہ کو سینے سے لگا لیتے۔

دنیا داروں کو اہل علم کی عظمت کا احساس ہوا، ہزاروں مردہ احکام زندہ ہو گئے، پہرہ داری اور تیر اندازی اور تلوار بازی کی حدیثیں کتابوں میں تلاش کی جانے لگیں، خوش قسمت ایک دوسرے سے نمبر لے جانے لگے، اسلحہ دارالافتاء میں کیا آیا کہ مولانا جلال الدین حقانی جیسے اس دور کے عظیم فاتح کو کھینچ لایا، علم و عمل کے دو بادشاہ

اس دارالافتاء میں جب جمع ہو گئے تو:

لیلن کا مجسمہ روسی نوّے سال اپنی جگہ سے ہل گیا

پھر تو دارالافتاء کیا نذر دین اور غازیوں کا ایسا مرکز بنا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے اور افغانستان کے فاتح دارالافتاء والارشاد سے علم و روحانیت کے خزانے لوٹنے لگے اور دارالافتاء کے طلبہ و علماء جہاد کے خالی خانوں میں رنگ بھرنے لگے۔

ایسے وقت میں ہونا یہ چاہیے تھا کہ حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کو اہل علم کی طرف سے اس عظیم تجدیدی کارنامے پر اور اس مردہ سنت کے احیاء پر مبارک باد کے پیغام ملتے (اور کچھ خوش قسمت علماء اور صلحاء نے یہ پیغام بھیجنے میں پہل بھی کی) اہل حق حضرت مفتی صاحب کی پیروی کرتے ہوئے اپنے مدارس اور مساجد کی حفاظت کے لئے یہ انتظام کرتے، منبر و محراب پر خوشی کا اظہار ہوتا کہ علم اور جہاد کا ٹوٹا ہوا رشتہ پھر جڑ گیا۔

مگر بعض حضرات کو اہل دین کی یہ حفاظت پسند نہ آئی، انھیں ایک بڑے دینی مرکز کا تحفظ اچھا نہ لگا، جہاد سے ان کی طبعی نفرت اعتراضات اور اشکالات کی شکل میں وارد ہوئی، نبوی التبیعت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض وارثوں نے سیف (تلوار) کو دہشت گردی کا نشان اور کلاشنکوف کو غنڈوں کا شعار قرار دیا، معلوم نہیں ان حضرات کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا گمان ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خود کو "نبی الملاحم" کہہ کر ان کی جنگوں والا نبی فرمایا کرتے تھے، حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کا عمل تو قرآن، سنت، فقہ اور اجماع سے ثابت ہے مگر معترضین کے پاس خوابوں اور خیالوں کے سوا کوئی دلیل نہیں، وہ لوگ جو جہاد کو صرف فوج کا کام سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو دفاع تک کے لئے اسلحہ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتے واقعی انھیں اسلحے کی ضرورت نہیں، کوئی کافر انھیں اپنے لئے خطرہ نہیں سمجھتا اور ان کے لئے اپنی تلوار کو تیز نہیں کرتا، یہ لوگ بزدلی کو امن اور کمزوری کو مصلحت کا نام دیتے ہیں، مسلمانوں کی ذلت اور رسوائی کو تواضع سمجھ کر عبادت جانتے ہیں، ہائے کاش! یہ ذلت اور تواضع کے فرق کو سمجھتے، یہ لوگ جس قرآن کی بات کرتے ہیں وہی قرآن اپنے دفاع کے لئے اسلحہ اٹھانے کو ضروری قرار دیتا ہے، وہ جس نبی کو مانتے ہیں اس نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے

اسلحہ اٹھایا، وہ جس گھر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں یہ گھر جہاد کی قوت سے فتح ہوا۔

جہاد کو فساد سمجھنے والے اپنے ایمان کی خیر منائیں، دوسروں پر انگلیاں اٹھانے سے پہلے اپنے ایمان کی تجدید کا سامان کریں اور امت مسلمہ کو مزید ذلت اور غلامی کا سبق نہ سکھائیں، اگر وہ بزدل ہیں، اسلحہ اٹھانے کی تاب نہیں رکھتے تو اپنی بزدلی کو اپنی حد تک رکھیں قرآن و سنت کو توڑ مروڑ کر اپنی بزدلی کے لئے دلائل جمع کر کے اپنے مرض کو متعدی نہ بنائیں۔

یہ موضوع بہت تفصیل طلب ہے اس وقت بے شمار دلائل اور نکات بحمد اللہ تعالیٰ ذہن میں ہیں مگر "صدائے مجاہد" کے حجم اور اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر آخر میں مختصر طور پر چند باتیں عرض کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اسلام کی سمجھ عطا فرمائے۔

اسلحہ رکھنا توکل کے قطعاً خلاف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اسی لئے کوئی شخص یہ سوچ کر کہ رازق تو اللہ تعالیٰ ہے روزی کمانا نہیں چھوڑتا، اپنے ادارے کو چلانے کے لئے اسباب جمع کرنا نہیں چھوڑتا، کیونکہ توکل اسباب اختیار کرنے کے منافی نہیں، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پہرہ دیتے تھے حالانکہ آپ سے بڑھ کر کون متوکل ہے، بعض محدثین اور فقہاء کے نزدیک تو یہ پہرہ آخر عمر تک رہا۔ تفصیل کے لئے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری ملاحظہ فرمائیں۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے ہاں پہرے کی وجہ سے کچھ لوگ متنفر ہوئے ہیں، یہ ایک من گھڑت مفروضہ ہے کیونکہ حضرت مفتی صاحب کے اس عمل سے تو عوام و خواص کو جہاد کی اہمیت کا احساس ہوا ہے اور ہزاروں لوگوں کو جہاد میں شرکت کا موقع ملا ہے، دو سو سے زائد علماء نے جہاد کی تربیت حاصل کی اور اس میں کھلا حصہ لیا، بہت سارے اہل علم کو جہاد پر تحقیقی کام کرنے کی ہمت ہوئی ہے۔

برطانیہ کے ایک بڑے عالم نے جب حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے ہاں یہ نظام دیکھا تو اس قدر متأثر ہوئے کہ آج ان کی کوئی مجلس جہاد کے تذکرے سے خالی نہیں ہوتی۔

اگر بفرض محال کچھ لوگوں کو یہ عمل اچھا نہیں لگا تو اس میں حضرت مفتی صاحب مدظلہ کا کیا قصور ہے؟ اس میں قصور تو ان لوگوں کا ہے جنہوں نے امت کو اسلحہ سے دور رکھا اور جہاد کا سبق نہیں سکھایا یہاں تک کہ امت اس حال تک جا پہنچی کہ آج جہاد کا نام سن کر بہت سارے لوگوں کے رنگ فق ہو جاتے ہیں اور چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ قرآن مجید میں یہ علامت منافقین کی بیان فرمائی ہے کہ جہاد کا نام سُن کر ان کے چہرے سیاہ ہو جاتے ہیں اور ان پر موت چھا جاتی ہے۔

اہل علم اور اہل کمال حضرات غیر علماء کو عموماً اور فاسق فاجر لوگوں کو خصوصاً کتابیں لکھنے اور تفسیر وغیرہ کرنے سے روکتے ہیں کیونکہ اس سے گمراہی پھیلتی ہے ان کا یہ عمل درست ہے۔

اسی طرح اہل علم اور اہل دین کو چاہئے کہ وہ فاسق فاجر لوگوں کے ہاتھوں میں اسلحہ نہ دیں کیونکہ اس سے فسق کو قوت ملے گی اور دین کا نقصان ہوگا اسلحہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے اس لئے یہ دین دار لوگوں اور اہل علم کے پاس ہونا چاہئے تاکہ دین کو قوت ملے اور اسلام کو شوکت ملے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

محمد مسعود اظہر

(ماہنامہ صدائے مجاہد اسلام آباد ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ)

حفاظتی تدابیر کے دلائل میں احادیث کے بیان میں مندرجہ ذیل حدیث کتابت سے رہ گئی تھی جو یہاں بلصوتہ الملحاق لکھی جاتی ہے۔

پہلے بیشتر روایات تھیں اب اس حدیث کے اضافہ سے چھیاسٹھ ہو گئیں۔

حدیث نمبر: ________________

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الراکب شیطان والراکبان شیطانان والثلاثۃ رکب۔ رواہ مالک والترمذی وابوداؤد والنسائی (مشکوٰۃ ص۳۳۹)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک سوار شیطان ہے اور دو سوار دو شیطان ہیں اور تین سوار صحیح سواروں کی جماعت ہے۔"

یہ حدیث ابتداء اسلام کے زمانہ کی ہے جس میں دشمن کی جانب سے حفاظتی تدابیر کی اس قدر تاکید کی جا رہی تھی کہ تین سواروں سے کم ایک یا دو پیادہ تو درکنار سواروں کو بھی باہر نکلنے کی اجازت نہیں، اس پر ایسی سخت وعید فرمائی کہ تین سواروں سے کم نکلنے والے سواروں کو شیطان قرار دیا، جب تین سے کم سوار بھی شیطان ہیں تو پیادہ تو اور بھی بڑے شیطان ہوں گے۔

عبدالرحیم
نائب مفتی دارالافتاء والارشاد
ناظم آباد کراچی

باب المرتد والبغاۃ

مرتد کے مال کا حکم :

سوال : ایک مسلمان عورت مرتد ہوگئی اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوگیا اس کی جائیداد اس کے مسلمان بھائی کے ساتھ مشترک تھی، اس جائیداد کے شرعی وارث کون بنیں گے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارتداد کی صورت میں مرد اور عورت کے اموال کے احکام مختلف ہیں اس لئے ہر ایک کا حکم الگ تحریر کیا جاتا ہے :

مرد مرتد ہو جائے تو اس کا مال اس کی ملک سے نکل جاتا ہے، البتہ دوبارہ قبول اسلام کے بعد اس کی ملک لوٹ آتی ہے۔

اور حالت ارتداد میں قتل کر دیا گیا یا مر گیا یا دار الحرب چلا گیا تو حالت اسلام کا کمایا ہوا مال مسلمان وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے اور حالت ارتداد کی کمائی بیت المال میں داخل کی جاتی ہے، بیت المال نہ ہونے کی صورت میں مساکین پر صدقہ کیا جاتا ہے۔

عورت مرتد ہو جائے اور اسی حالت میں مر جائے یا دار الحرب چلی جائے تو اس کا سب مال مسلمان ورثہ پر تقسیم ہوگا خواہ حالت اسلام میں کمایا ہو یا حالت ارتداد میں۔

لہٰذا اس مرنے والی عورت کے ترکہ میں کافر رشتہ داروں کا کوئی حق نہیں۔

قال فی التنویر وشرحہ : (ویزول ملک المرتد عن مالہ زوالا موقوفا فان اسلم عاد ملکہ وان مات او قتل علی ردتہ) او حکم بلحاقہ (ورث کسب اسلامہ وارثہ المسلم) ولو زوجتہ بشرط العدۃ زیلعی (بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فیء بعد قضاء دین ردتہ) وقالا میراث ایضا کالکسب الاول (رد المحتار ص [illegible] ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۷ صفر [illegible] ھ

مرتد کے ہبہ، وصیت اور وراثت کا حکم:

سوال: زید کا باپ مرتد ہو گیا تو زید کو اس کے مکان میں رہائش رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کی آمدن سے کھانا پینا اور دوسری ضرورت کی اشیاء لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ترکہ میں زید کا حصہ ہوگا یا نہیں؟ زندگی میں اگر وہ زید کو کچھ دیدے یا مرنے سے پہلے زید کے لئے کچھ وصیت کر جائے تو زید کے لئے لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مرتد کے مال سے اس کے مسلمان ورثہ اور بیت المال کا حق متعلق ہو جاتا ہے، اگر اسے قتل کیا گیا یا بحالت ارتداد میں مر گیا یا دار الحرب چلا گیا تو حالت اسلام میں کمایا ہوا مال اس کے مسلمان ورثہ پر تقسیم ہوگا اور حالت ارتداد کی کمائی بیت المال میں جمع کی جائے گی۔ اس لئے مرتد اپنے مال میں کسی غیر وارث کے لئے ہبہ، وصیت وغیرہ تصرفات نہیں کر سکتا۔

اگر زید اس مرتد باپ کے مسلمان ورثہ میں اکیلا وارث ہے تو اس سے وہ مال قبول کر سکتا ہے جو اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا، اسی طرح حالت اسلام میں تعمیر کردہ مکان میں رہائش بھی رکھ سکتا ہے، اس مال سے زید کے لئے ہبہ، وصیت وغیرہ تبرع کرنا بھی درست ہے، بصورت وصیت یہ مال اس کے مرنے پر زید کو بطور وراثت ملے گا نہ کہ وصیت، اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔

اور اگر زید کے علاوہ اس کے دوسرے مسلمان ورثہ بھی ہیں اور سب عاقل و بالغ ہیں تو زید ان کی رضا سے اس مکان میں رہ سکتا ہے اور حالت اسلام کی آمدن سے کھا پی بھی سکتا ہے۔

بطور ہبہ و وصیت دوسرے ورثہ کی رضا سے ایسی چیز قبول کر سکتا ہے جو ناقابل تقسیم ہو یعنی اگر تقسیم کی جائے تو کارآمد نہ رہے جیسے بہت چھوٹا مکان اور گاڑی وغیرہ۔

جو چیز قابل تقسیم ہو وہ قبول نہیں کر سکتا کیونکہ یہ مال تمام ورثہ کا مشترک ہے اور یہ ہبہ درحقیقت ورثہ کی طرف سے ہے اور اس قسم کی مشترک چیز کا ہبہ صحیح نہیں۔

مشترک چیز کی وصیت بھی درحقیقت ورثہ کی طرف سے ہبہ ہے، مگر مرتد کے قتل یا موت یا دار الحرب سے لحاق کے بعد زید کے قبضہ میں آئے گی اس لئے اس میں یہ شرط ہے کہ

اس وقت مسلمان وارث سب راضی ہوں اور سب عاقل بالغ ہوں۔ مرتد کے قتل یا موت یا دار الحرب سے لحاق سے پہلے ان کی رضا کا اعتبار نہیں۔ رضا وہی معتبر ہوگی جو وارث بننے کے وقت متحقق ہو۔

زید اگر مسکین ہے تو مصارف بیت المال میں داخل ہونے کی وجہ سے مرتد کے اس مال سے بھی نفع اٹھا سکتا ہے جو اس نے حالت ارتداد میں کمایا۔

قال فی التنویر وشرحہ: (ویزول ملک المرتد عن مالہ زوالاً موقوفاً فان اسلم عاد ملکہ وان مات او قتل علی ردتہ) او حکم بلحاقہ (ورث کسب اسلامہ وارثہ المسلم) ولو زوجتہ بشرط العدۃ زیلعی (بعد قضاء دین اسلامہ وکسب ردتہ فیء بعد قضاء دین ردتہ) وقالا یعلمونہ (ویتوقف منہ المفاوضۃ والتصرف علی ولدہ الصغیر والمبایعۃ والعتق والتدبیر والکتابۃ والہبۃ والاجارۃ والوصیۃ ان اسلم نفذ وان هلک او لحق بدار الحرب وحکم بلحاقہ بطل (رد المحتار ص ۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ محرم ۹۳ھ

قادیانیوں کے ساتھ تعلقات:

سوال: قادیانیوں کو ملک میں غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے اب یہ ذمی کافر ہیں۔ سوال یہ ہے:

(۱) اگر کوئی قادیانی مہمان آئے تو اس کا اکرام اور مہمانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی قادیانی کسی مقصد سے درود شریف یا قرآن مجید کا ختم کرائے تو کیا مسلمانوں کو اس میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قادیانی کسی مسلمان کی دعوت کریں جس میں ذبیحہ بھی قادیانیوں کا ہو تو ایسی دعوت قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دیے جانے کے باوجود ذمی نہیں اس لئے کہ یہ زندیق ہیں اور زندیق کسی صورت بھی ذمی نہیں قرار پاتا، بہر صورت واجب القتل ہے، اس لئے قادیانیوں کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔ مذکورۃ الصدر تینوں

سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ شعبان ۹۵ھ

شیعہ اور قادیانیوں وغیرہ کا کفر اور زندقہ کے حکم کی تفصیل کتاب "الحظـــر والاباحۃ" میں ہے۔

سوال مثل بالا:

سوال: قادیانیوں کے بارے میں چند سوالات ہیں:
(۱) قادیانی مسلمان کے جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے یا نہیں؟
(۲) قادیانی کے ساتھ بیٹھ کر مسلمان کھانا کھا سکتا ہے یا نہیں؟
(۳) شادی یا کسی دیگر تقریب میں قادیانی مسلمانوں کو مدعو کر سکتا ہے یا نہیں؟
(۴) قادیانی مسلمان کو سلام کرے تو جواب میں کیا کہا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قادیانیوں کے ساتھ اسلامی معاشرہ کے تعلقات قطعاً ناجائز ہیں، یہ لوگ کفار سے بدتر زندیق اور واجب القتل ہیں، ان کی شادی غمی میں شرکت کرنا یا اپنی شادی غمی میں انھیں شریک کرنا، ان سے سلام و کلام، غرض کسی قسم کا تعلق رکھنا جائز نہیں، مسلمان کے جنازہ کے ساتھ ایسے مغضوب لوگوں کو چلنے کی ہرگز اجازت نہ دی جائے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الآخرہ ۹۵ھ

قادیانیوں سے تعلقات رکھنے کے چند احکام جلد اول "کتاب الایمان والعقائد" میں بھی ہیں اور زیادہ تفصیل کتاب "الحظر والاباحۃ" میں

ارتداد زوج سے نکاح فوراً ٹوٹ گیا:

سوال: کچہری میں ایک ذمہ دار افسر نے یہ الفاظ کہے:
"اگر اللہ تعالیٰ کچہری کے کام کو خراب کرے تو اس کو بھی پھانسی دے دیا جائے گا، اگر اللہ تعالیٰ کا نبی بھی آئے تو اس سے بھی کام لیں گے"
اس کے دین و ایمان اور نکاح کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شخص مرتد ہوگیا اس کا نکاح بھی فوراً ٹوٹ گیا، اس کی بیوی پر فرض ہے کہ بلا تاخیر اس سے علیحدگی اختیار کرلے، اسے دوبارہ مسلمان کرکے از سرِ نو اس کا نکاح کیا جائے، اگر مسلمان نہ ہو تو حکومت پر فرض ہے کہ اسے عبرتناک طریقہ سے قتل کرکے تمام لوگوں کے لئے نمونۂ عبرت بنائے۔

مرتد ہوتے ہی باجماعِ جمہورِ امت نکاح ٹوٹ جاتا ہے، اس میں قضاء قاضی کی ضرورت نہیں۔

قال فی التنویر: وارتداد احدھما فسخ عاجل۔

وفی الشرح: بلا قضاء۔

وفی الحاشیۃ: ای بلا توقف علی قضاء القاضی وکذا بلا توقف علی مضی عدۃ فی المدخول بھا کما فی البحر (رد المحتار ص ۴۲۳ ج ۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹ صفر سنہ ۹۰ھ

ارتداد زوجہ کا حکم:

سوال: معاذ اللہ کسی کی بیوی مرتد ہوجائے تو اسکا نکاح ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ اگر ٹوٹ گیا تو اس پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ یعنی اگر وہ پھر اسلام قبول کرلے تو دوسرے شخص سے فوراً نکاح کرسکتی ہے یا عدت گزارنے کے بعد؟ نیز اس عورت کو شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جس نے یہ ہلاکت کا راستہ دکھایا اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس بارہ میں تین روایات ہیں:

① عورت کا نکاح ٹوٹ گیا اور وہ باندی بن جائے گی، اس کا شوہر اسے امامِ وقت سے خرید کر اپنے پاس رکھ سکتا ہے، اگر شوہر مصرف ہو تو امام اسے مفت بھی دے سکتا ہے۔

② اس کا نکاح ٹوٹ گیا مگر کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی بلکہ اسے تجدیدِ اسلام اور پہلے ہی شوہر سے تجدیدِ نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔

(۴) اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا، اسی شوہر کے نکاح میں بدستور رہے گی۔

اس زمانہ میں پہلی دو صورتیں ممکن نہیں، صورت اولیٰ کا عدم امکان تو ظاہر ہے، حکومت سے صورت ثانیہ پر عمل کرنے کی بھی کوئی توقع نہیں، لہٰذا فتویٰ کے لئے صورت ثالثہ ہی متعین ہے یعنی عورت کے ارتداد سے اس کا نکاح نہیں ٹوٹتا، مگر تجدید اسلام سے قبل اس سے استمتاع جائز نہیں، کالموطوءۃ بالشبهة والحامل من الزنا، بلکہ تجدید اسلام کے بعد تجدید نکاح بھی ضروری ہے، اس لئے کہ روایت ثانیہ ظاہر الروایۃ ہے، اس خاص جزء میں اس سے عدول کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا تجدید اسلام کے بعد بھی تجدید نکاح سے قبل استمتاع حرام ہے۔

قال الإمام الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: وعزروا بضربها خمسة وسبعين وتجبر على الإسلام وعلى تجديد النكاح زجرا لها بمهر يسير كدينار وعليه الفتوى والولوالجية، وأفتى مشايخ بلخ بعدم الفرقة بردتها زجرا وتيسيرا لا سيما التي تقع في المكفر ثم تنكر، قال في النهر والإفتاء بهذا أولى من الإفتاء بما في النوادر (إلى قوله) وحاصلها أنها بالردة تسترق وتكون فيئا للمسلمين عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، ويشتريها الزوج من الإمام أو يصرفها إليه لو مصرفا۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله زجرا لها) عبارة البحر حسما لباب المعصية والحيلة للخلاص منه اهـ. ولا يلزم من هذا أن يكون الجبر على تجديد النكاح مقصورا على ما إذا ارتدت لأجل الخلاص منه بل قالوا ذلك سدا لهذا الباب من أصله، سواء تعمدت الحيلة أم لا كي لا تجعل ذلك حيلة. (رد المحتار ص [illegible] ج ۳)

وفي تعزير العلائية: ارتدت لتفارق زوجها تجبر على الإسلام وتعزر خمسة وسبعين سوطا ولا تتزوج بغيره به يفتى ملتقط۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله ولا تتزوج بغيره) بل تقدم أنها تجبر على تجديد النكاح بمهر يسير وهذه إحدى روايات ثلاث تقدمت في الطلاق، الثانية أنها لا تبين ردا لقصدها السيء، الثالثة ما في النوادر من أنه يتملكها رقيقة إن كان مصرفا اهـ (رد المحتار ص [illegible] ج ۳)

وفی باب المرتد من العلائیۃ: ولیس للمرتدۃ التزوج بغیر زوجہا بہ یفتی، وعن الامام تسترق ولو فی دار الاسلام ولو افتی بہ حسماً لقصدہا السیٔ لا بأس بہ، وتکون قنۃ للزوج بالاستیلاء مجتبی۔ وفی الفتح انہا فیٔ للمسلمین فیشتریہا من الامام او یصرفہا الیہ لو مصرفاً۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت قولہ ولیس للمرتدۃ التزوج بغیر زوجہا: قال فی الفتح وقد افتی الدبوسی والصفار وبعض اہل سمرقند بعدم وقوع الفرقۃ بالردۃ رداً علیہا وغیرہم مشوا علی الظاہر ولکن حکموا بجبرہا علی تجدید النکاح مع الزوج وتضرب خمسۃ وسبعین سوطاً واختارہ قاضیخان للفتوی الخ (قولہ وعن الامام) ای فی روایۃ النوادر کما فی الفتح (قولہ ولو افتی بہ الخ) فی الفتح قال ولو افتی بہذہ لا بأس بہ فیمن کانت ذات زوج حسماً لقصدہا السیٔ بالردۃ من اثبات الفرقۃ۔ (قولہ وتکون قنۃ للزوج بالاستیلاء) قال فی الفتح قال وفی البلاد التی استولی علیہا التتر واجروا احکامہم فیہا ونفوا المسلمین کما وقع فی خوارزم وغیرہا اذا استولی علیہا الزوج بعد الردۃ ملکہا لانہا صارت دار حرب فی الظاہر فلا حاجۃ الی ان یشتریہا من الامام اہ

(قولہ وفی الفتح الخ) ہذا ذکرہ فی الفتح قبل الذی نقلناہ عنہ آنفاً وحاصلہ انہا اذا ارتدت فی دار الاسلام صارت فیئاً للمسلمین فتسترق علی روایۃ النوادر فان یشتریہا من الامام او یصرفہا الیہ لما انہ لو ارتدت فی البلاد التی استولی علیہا الکفار وصارت دار حرب فلہ ان یستولی علیہا بنفسہ بلا شراء ولا ہبۃ لکن دخل دار الحرب متلصصاً ویکون ملکہ وہذا لیس مبنیاً علی روایۃ النوادر لان الاسترقاق وقع فی دار الحرب لا فی دار الاسلام (رد المحتار ص۳۱۳ ج ۳)

خلاصہ یہ کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کفر کی لعنت کا طوق گلے میں ڈال لینے کے باوجود اس عورت کے لئے شوہر سے خلاصی ممکن نہیں، بہرکیف اسی کے تحت رہے گی، بیوی کی حیثیت سے یا لونڈی بن کر علی اختلاف الاقوال۔ اگر واقعۃً کوئی شرعی عذر ہے جس کی وجہ سے عورت خلاصی چاہتی ہے مثلاً شوہر عنین ہے یا متعنت ہے جو نہ تو نفقہ مہیا کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، یا معسر ہے تو اس قسم کی تمام صورتوں میں

خلاصی کے لئے یہ شرعی حل موجود ہے:

(۱) شوہر سے طلاق لی جائے، اگر یوں طلاق نہ دے تو خلع کی صورت اختیار کی جائے کہ اسے کچھ دے دلا کر آمادۂ طلاق کیا جائے، اگر اس پر بھی راضی نہ ہو تو عدالتی چارہ جوئی کی جائے، حاکم مسلم اسے عدالت میں طلب کرکے طلاق دینے پر مجبور کرے، اگر حاکم کے کہنے پر بھی طلاق نہ دے تو حاکم خود دونوں میں تفریق کر دے۔

اس کے بعد عورت عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ بحالت مجبوری جماعت مسلمین بھی یہ فرض انجام دے سکتی ہے۔

ان مسائل کی تفصیل رسالہ "الانفصال عن حبائل فسخ النکاح" مندرجہ احسن الفتاوی ص ۲ ج ۵ میں ہے۔

باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے عورت کو کفر وارتداد کی راہ دکھائی یا کسی درجہ میں وہ اس کارروائی میں شریک یا دل سے راضی رہے تو یہ سب دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں، ان کی گردنوں پر دہرے کفر کا وبال ہے، ان مرتدین کے نکاح بھی فسخ ہو گئے، مگر ان کی بیویوں پر کسی قسم کا جبر نہیں بلکہ انہیں اختیار ہے کہ یہ عدت کے بعد جہاں چاہیں نکاح کر لیں، اور خود یہ مرتدین واجب القتل ہیں، حاکم انہیں تین دن کی مہلت دے، اگر نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر اور علانیہ توبہ کرکے داخل اسلام ہوں تو بہتر ورنہ ان کی گردنیں اڑا دے۔

داخل اسلام ہونے کے باوجود ان کی سابقہ بیویاں جو ان کے ارتداد کے سبب نکاح سے نکل گئی تھیں ان کو ان سے دوبارہ نکاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، انکو اختیار ہے کہ انہی سے نکاح کریں یا دوسرے مردوں سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷ صفر سنہ ۱۴۰۸ھ

قتل بغاۃ:

سوال: کیا بغاۃ و مفسدین کا قتل جائز ہے؟ جیسا کہ ایران میں خمینی نے یہ عمل شروع کیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو مفسد فی الارض قرار دے کر تختہ دار پر چڑھا دیا، اگر اس قسم کے لوگوں کا قتل جائز ہے تو کس صورت میں اور کن شرائط سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو شخص یا جماعت حکومت مسلمہ کے خلاف بغاوت کرے، اس کی بغاوت کچلنے کے لئے حکومت کا اسے قتل کرنا جائز ہے، بشرطیکہ بدون قتل اس کی قوت توڑنا ممکن نہ ہو، اگر قتل کے بغیر کسی ذریعہ سے اس کے شر کا دفعیہ ممکن ہو تو قتل کرنا جائز نہیں۔

بصورت قتال حاکم اگر عامۃ المسلمین سے باغیوں کے خلاف مدد طلب کرے تو مقدور بھر اس کی مدد کرنا ضروری ہے۔

جو باغی اور مفسد حکومت کے ہاتھوں گرفتار ہو اگر ان کی قوت و شوکت ٹوٹ چکی ہو تو انہیں قتل کرنا جائز نہیں اور اگر ان کے پیچھے طاقت کارفرما ہے تو اس کا فیصلہ حکومت کی صوابدید پر ہے، چاہے تو انہیں قتل کر دے اور چاہے تو قید میں ڈال دے تاآنکہ توبہ کرکے ان خیالات سے رجوع کریں، توبہ کے بعد بھی جب تک حکومت کو اطمینان نہ ہو انہیں قید رکھنا جائز ہے۔

لیکن غلبہ پانے کی صورت میں ان کے بچوں کو غلام اور عورتوں کو لونڈی بنانا جائز نہیں، اسی طرح ان سے چھینے ہوئے اموال و اسلحہ کو غنیمت کے طور پر تقسیم کرنا جائز نہیں، وقتی طور پر اموال کو روک کر بغاوت ختم ہو جانے کے بعد واپس کر دینا ضروری ہے۔

قال فی التنویر: خرج قوم مسلمون عن طاعتہ وغلبوا علی بلد دعاہم الیہ وکشف شبہتہم فان تحیزوا مجتمعین حل لنا قتالہم بدأ حتی نفرق جمعہم ومن دعاہ الامام الی ذلک افترض علیہ اجابتہ لو قادرا (الی قولہ) والامام بالخیار فی اسیرہم ان شاء قتلہ وان شاء حبسہ (الی قولہ) ولم تسب لہم ذریۃ وتحبس اموالہم الی ظہور توبتہم۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ حل لنا قتالہم بدأ) ولو لم نعلم عزمہم یأخذون من القتال وجب بقدر ما یندفع بہ شرہم زیلعی۔ (رد المحتار ص ۳۱۰ ج ۳)

باقی رہا خمینی کا مسئلہ تو وہ خود رئیس المفسدین اور راس البغاۃ ہے، اگر اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کچھ مفسدین اور باغیوں کو ٹھکانے لگا دیا تو یہ اس کے ارشاد: "وکذلک نولی بعض الظالمین بعضا بما کانوا یکسبون" اور "ویذیق بعضکم بأس بعض" کا مصداق ہے، واللہ اعلم

۲ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ

من بدل دینه فاقتلوه

القتل المستند لقتل المرتد

مرتد کے وجوب قتل کا ثبوت

احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے

از قلم

حضرت فقیہ العصر دامت برکاتہم

تحریر

حضرت مفتی محمد ابراہیم صاحب صادق آبادی مدظلہ

القول المسدد
لقتل المرتد

○ مرتد واجب القتل ہے

○ ارشاداتِ نبویہ

○ اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

○ اجماعِ اُمت

○ عقلِ سلیم

○ مرتدین کی ایک حُجتی

○ مرتد کے دوسرے احکام

مرتد واجب القتل ہے!

سوال: مرتد کی تعریف کیا ہے؟ اس کی سزا کیا ہے؟ دیگر احکام کیا ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ارتداد کے معنی ہیں کسی مسلمان کا دین اسلام سے پھر جانا، امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وھو الرجوع من الاسلام الی الکفر (المفردات ص۱۹۵)

ارتداد عام ہے خواہ صاف صاف اسلام سے پھر جائے مثلاً کوئی شخص اپنے ہندو، عیسائی، قادیانی یا شیعہ ہونے کا اقرار کرے۔

یا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کر دے۔ ضروریات دین وہ تمام قطعی احکام ہیں جو نص قرآنی سے ثابت ہوں یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہوں، ان میں سے کسی ایک حکم کا انکار بھی کفر وارتداد ہے، مثلاً کوئی شخص زبان سے ختم نبوت کا اقرار کرتا ہے مگر ختم نبوت کا مفہوم ومطلب ایسا بیان کرتا ہے جو امت کے متفق علیہ اجماعی مفہوم سے مختلف ہے، اور کسی بھی مفہوم میں اجرائے نبوت کا قائل ہے۔

یا کوئی شخص دعوائے ایمان کے باوجود تحریف قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے یا ختم نبوت پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی کسی امتی میں نبی کی سی صفات تسلیم کرتا ہے، مثلاً اسے معصوم عن الخطاء اور افضل الانبیاء قرار دیتا ہے تو یہ شخص مرتد اور زندیق ہے جو عام کفار کی بنسبت کہیں زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے۔

خلاصہ یہ کہ جیسے پورے دین اسلام کو ترک کر دینا کفر وارتداد ہے ایسے ہی دین کی قطعی اور بدیہی باتوں میں سے کسی ایک بات کا انکار بھی کفر وارتداد ہے، گو کہ ایسا شخص دین کی بقیہ تمام باتوں کو دل وجان سے تسلیم کرتا ہو، اپنے آپ کو پابند عمل اور دیندار سمجھے۔ قرآن مجید کا واضح اعلان ہے:

فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ (۴: ۶۵)

"پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ (جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں)

ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ سے (اور آپ نہ ہوں تو آپ کی شریعت سے) تصفیہ کرائیں پھر جب آپ تصفیہ کرا دیں تو اس آپ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پائیں اور (اس فیصلہ) کو پورا پورا (ظاہر سے باطن سے) تسلیم کرلیں۔"

جلیل القدر تابعی حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لو ان قوما عبدوا اللہ وحدہ لا شریک لہ واقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ وصاموا رمضان وحجوا البیت ثم قالوا لشیء صنعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا صنع خلاف ما صنع او وجدوا فی انفسھم حرجا لکانوا بذلک مشرکین ثم تلا ھذہ الآیۃ (روح المعانی ص ۷۳ ج ۵)

"کوئی قوم اگر اللہ تعالیٰ کی بندگی کرے، نماز قائم کرے، زکوٰۃ دے، رمضان المبارک کے روزے رکھے اور حج بیت اللہ کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل کے متعلق یوں کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟ یا اس حکم کے تسلیم کرنے میں دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرک و کافر ٹھہرے گی۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔"

مرتد کی سزا:

مرتد کی سزا باجماع امت قتل ہے، البتہ اس حد تک اختلاف ہے کہ یہ حکم صرف مرتد مرد کے لئے ہے یا مرتدہ عورت کو بھی شامل ہے؟

جمہور کے نزدیک مرتد و مرتدہ دونوں واجب القتل ہیں، مگر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مرتد واجب القتل ہے اور مرتدہ واجب الحبس، حتیٰ تعود الی الاسلام او تموت۔ قتل مرتد کا مسئلہ نصوص حدیث، اجماع امت اور عقل سلیم سے ثابت ہے، دلائل بالترتیب ملاحظہ ہوں:

ارشادات نبویہ:

① عن عکرمۃ رحمہ اللہ تعالیٰ قال: اتی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزنادقۃ فاحرقھم فبلغ ذلک ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما فقال لو کنت انا لم احرقھم لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تعذبوا بعذاب اللہ ولقتلتھم لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بدل دینہ فاقتلوہ (صحیح بخاری ص [illegible] ج ۲، سنن نسائی ص [illegible] ج ۲، سنن ابی داؤد ص [illegible] ج ۲، ترمذی ص [illegible] ج ۱)

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے جن کو آپ نے آگ میں

جلا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ بات پہنچی تو فرمایا: اگر میں ہوتا تو انہیں آگ میں نہ جلاتا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرح عذاب دینے سے منع فرمایا ہے، ہاں! میں انہیں قتل ضرور کرتا اسلئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔

(۲) عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اقبلت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومعی رجلان من الاشعریین احدھما عن یمینی والآخر عن یساری ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستاک فکلاھما سأل فقال یا ابا موسیٰ او قال یا عبد اللہ بن قیس قال قلت والذی بعثک بالحق ما اطلعانی علی ما فی انفسہما وما شعرت انہما یطلبان العمل فکأنی انظر الی سواکہ تحت شفتہ قلصت فقال لن او لا نستعمل علی عملنا من ارادہ ولکن اذھب انت یا ابا موسیٰ او یا عبد اللہ بن قیس الی الیمن ثم اتبعہ معاذ بن جبل فلما قدم علیہ القی لہ وسادۃ قال انزل واذا رجل عندہ موثق قال ما ھذا؟ قال کان یہودیا فاسلم ثم تہود قال اجلس قال لا اجلس حتی یقتل قضاء اللہ ورسولہ ثلاث مرات فامر بہ فقتل الحدیث (صحیح بخاری ص۱۰۲۳ ج۲، سنن نسائی ص۱۴۷ ج۲، سنن ابی داؤد ص۲۴۲ ج۲)

”حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں اور دو اشعری آدمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے ایک آدمی میرے دائیں جانب تھا، دوسرا بائیں جانب۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسواک فرما رہے تھے۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہمیں حاکم مقرر کیجئے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو موسیٰ!

میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مجھے ان دونوں نے اپنی دل کی بات سے مطلع نہ کیا اور نہ از خود مجھے اس کا احساس ہوا کہ یہ منصب کا مطالبہ کریں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو طالب حکومت ہو ہم اسے ہرگز منصب نہیں دیتے، لیکن اے ابو موسیٰ! تمہیں بلا طلب منصب دیتا ہوں کہ یمن چلے جاؤ، پھر ان کے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بھیج دیا۔ جب وہ پہنچے تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف تکیہ بڑھایا اور فرمایا

تشریف رکھئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ ایک آدمی جکڑا ہوا ہے
پوچھا: یہ کیا ماجرا ہے؟ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: یہ شخص یہودیت سے
مسلمان ہوا پھر اسلام سے پھر کر یہودی بن گیا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
تشریف رکھئے۔ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس وقت تک میں نہیں بیٹھوں گا
جب تک اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ نافذ کرتے ہوئے اس
مرتد کو قتل نہ کر دیا جائے۔ یہ ارشاد تین بار دہرایا۔ چنانچہ اسے قتل کیا گیا تب بیٹھے۔"

(۳) ان ابا ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: لما توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستخلف ابوبکر وکفر من کفر من العرب قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابابکر کیف تقاتل الناس وقد قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ فمن قال لا الہ الا اللہ عصم منی مالہ ونفسہ الا بحقہ وحسابہ علی اللہ قال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوۃ والزکوۃ الحدیث۔
(صحیح بخاری ص۱۰۲۳ ج ۲)

"جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ
مقرر ہوئے اور بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
کہا: اے ابوبکر! آپ صرف انکار زکوٰۃ پر مرتد قرار دے کر کیوں لوگوں سے قتال
کر رہے ہیں؟ حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "مجھے اس وقت
تک لوگوں سے قتال کا حکم ہے جب تک وہ کلمہ نہ پڑھ لیں، جس نے کلمہ پڑھ لیا
اس نے اپنا مال اور اپنی جان مجھ سے بچا لی مگر اس کے حق کے ساتھ یعنی
کلمہ پڑھ کر بھی وہ جب قتل کا کام کیا تو قتل کا سزاوار ٹھہریگا، اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ
پر ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: واللہ! میں اس شخص
سے ضرور قتال کروں گا جو نماز و زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے، ایک کو مانے دوسرے
کا انکار کر دے۔"

(۴) عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قصۃ رھط عکل: فقتلوا الراعی واستاقوا الذود وکفروا بعد اسلامھم فاتی الصریخ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبعث الطلب فما ترجل النہار حتی اتی بھم فقطع ایدیھم وارجلھم ثم امر بمسامیر فاحمیت فکحلھم بھا

وطرحهم بالحرة يستسقون فما يسقون حتى ماتوا ـ

(صحیح بخاری ص۱۰۰۲ ج۲، ص۱ ج۲، صحیح مسلم ص۵۷ ج۲، سنن نسائی ص۱۶۶ ج۲)

"قبیلہ عکل کے لوگوں نے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹ لوٹ لے گئے اور اسلام کے بعد کفر اختیار کیا، منادی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح پہنچا، اور ماجرا بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں کچھ لوگ بھیجے، ابھی دن چڑھا نہ تھا کہ وہ مرتد لائے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے، پھر ان کی آنکھوں میں گرم سلائی پھروائی اور انھیں گرم پتھریلی زمین پر ڈلوا دیا۔ انھوں نے پانی طلب کیا مگر انھیں پانی نہ دیا گیا حتی کہ اسی طرح مجرم ارتداد ذلت کی موت مر گئے۔"

(۵) عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ: لا یحل دم امرئ مسلم یشہد ان لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ (صحیح مسلم ص[illegible] ج۲، سنن ابی داؤد ص[illegible] ج۲، سنن ترمذی ص[illegible] ج۱، سنن نسائی ص[illegible] ج۲، سنن ابن ماجۃ ص[illegible])

"جو شخص مسلمان ہو کر گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کا خون حلال نہیں مگر ان تین وجوہ میں سے کسی ایک کے ساتھ، شادی شدہ زانی، جان کے بدلے جان اور اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت مسلمین سے الگ ہونے والا۔"

(۶) قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یحل دم امرئ مسلم الا رجل زنی بعد احصانہ او کفر بعد اسلامہ او النفس بالنفس (صحیح مسلم ص[illegible] ج۲، جامع ترمذی ص[illegible] ج۲، سنن نسائی ص[illegible] ج۲، سنن ابی داؤد ص[illegible] ج۲)

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا اسلام کے بعد کفر اختیار کرے یا ناحق کسی کی جان لے۔"

(۷) ان عثمان رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث رجل زنی بعد احصانہ فعلیہ الرجم او قتل عمدا فعلیہ القود او ارتد بعد

چنانچہ اسی حال میں قتل کر دیا گیا۔

(۱۱) عن حارثۃ بن مضرب انہ اتی عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ فقال ما بینی وبین احد من العرب حنۃ وانی مررت بمسجد لبنی حنیفۃ فاذا ھم یؤمنون بمسیلمۃ فارسل الیھم عبد اللّٰہ فجیئ بھم فاستتابھم غیر ابن النواحۃ قال لہ سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لولا انک رسول لضربت عنقک فانت الیوم لست برسول فامر قرظۃ بن کعب فضرب عنقہ فی السوق ثم قال من اراد ان ینظر الی ابن النواحۃ قتیلا بالسوق (سنن ابی داؤد ص ۲۴۲ ج ۲)

"حضرت حارثہ بن مضرب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوفہ کے گورنر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اہل عرب سے کوئی کینہ نہیں، البتہ اتنا عرض کرتا ہوں کہ میں قبیلہ بنی حنیفہ کی مسجد کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ بنو حنیفہ مسیلمہ کذاب پر ایمان لانے کی وجہ سے مرتد ہو گئے ہیں۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو بلوا بھیجا، جب وہ لائے گئے تو آپ نے ابن النواحہ کے سوا باقی مرتدین کو توبہ کی مہلت دی اور ابن النواحہ سے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے متعلق یہ ارشاد فرماتے سنا تھا کہ "اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا" لیکن آج تو قاصد نہیں، پھر آپ نے حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ سر عام اس کی گردن اڑا کر اسے لوگوں کے لئے نمونۂ عبرت بنائیں، انھوں نے بھرے بازار میں اس کی گردن اڑا دی، پھر آپ نے فرمایا: جو شخص ابن النواحہ مرتد کو دیکھنا چاہے تو وہ بازار میں مقتول پڑا ہے۔"

(۱۲) اذا ابق العبد الی الشرک فقد حل دمہ (سنن ابی داؤد ص ۲۳۹ ج ۲)

"جب غلام اسلام سے مرتد ہو کر شرک کی طرف چلا جائے تو اس کا خون حلال ہے۔"

یہ وہ روایات ہیں جو معمولی جستجو سے ہمیں صحاح ستہ میں دستیاب ہوئیں، کتب حدیث کی چھان بین کی جائے تو اس سے زیادہ روایات مل سکتی ہیں، لیکن جویائے حق کیلئے اتنی احادیث کافی ہیں۔

اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم :

کسی مسئلہ پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع پوری امت کے نزدیک حجت قطعیہ ہے، افضل الخلائق بعد الانبیاء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت

منعقد ہوتی تھی، سب سے پہلے جس مسئلہ پر بلا استثناء فرد واحد پوری جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کا قولاً وعملاً، سکوتاً ہر پہلو سے اجماع منعقد ہوا وہ قتل مرتد کا مسئلہ ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد نومسلم قبائل میں ہر طرف کفر وارتداد کی لہر دوڑ گئی، خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سرکوبی کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لشکر روانہ فرمائے ان معرکوں میں جہاں ہزاروں مرتدین کو واصل جہنم کیا گیا وہاں بہت بڑے جلیل القدر صحابہ کرام نے بھی جام شہادت نوش فرمایا، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مشہور مؤرخ امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ قتل مسیلمہ کذاب کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فكان جملة من قتلوا في الحديقة وفي المعركة قريبا من عشرة آلاف مقاتل وقيل أحد وعشرون ألفا وقتل من المسلمين ستمائة وقيل خمسمائة فالله أعلم وفيهم من سادات الصحابة وأعيان الناس (البداية والنهاية ص۳۲۶ ج ۶)

"مارے جانے والے کفار فوجیوں کی تعداد دس ہزار اور ایک قول کے مطابق اکیس ہزار تھی، مسلمانوں میں سے چھ سو اور ایک قول کے مطابق پانچ سو شہید ہوئے۔ ان شہداء میں کئی اکابر صحابہ اور دیگر معروف ہستیاں بھی شامل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔"

ایک دوسرے معرکہ "مرتدین اہل عمان" کا حال لکھتے ہیں:

وركب المسلمون ظهورهم فقتلوا منهم عشرة آلاف مقاتل۔

(البداية والنهاية ص۳۲۸ ج ۶)

"مسلمانوں نے ان پر یلغار کی اور دس ہزار فوجی تہ تیغ کئے۔"

اس پوری مہم میں حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی خلیفہ اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوش بدوش رہے، علاوہ ازیں قتل مرتد کے متعلق ان حضرات سے الگ تصریحات بھی منقول ہیں۔

ایک مرتد کو مہلت دیئے بغیر فوری طور پر مسلمانوں نے قتل کردیا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر فرمایا:

ألا أدخلتموه بيتا وأغلقتم عليه بابا وأطعمتموه كل يوم رغيفا ثم استتبتموه ثلاثا فإن تاب وإلا قتلتموه (مصنف ابن أبي شيبة ص۱۳۲ ج ۱۰ وغيره)

"تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ اسے ایک کوٹھری میں بند کردیتے اور ہر روز ایک چپاتی

نقل المسند ۔۔۔۔ ۱۰

ورنہ قتل کردیا جائے۔"

شافعیہ:

(وقال الشافعی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ) فلم یجز فی قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث، کفر بعد الایمان الا ان تکون کلمۃ الکفر تحل الدم کما یحلہ الزنا بعد الاحصان او تکون کلمۃ الکفر تحل الدم الا ان یتوب صاحبہ (الی قولہ) فلم یختلف المسلمون انہ لا یحل ان یفادی بمرتد بعد ایمانہ ولا یمن علیہ ولا تؤخذ منہ فدیۃ ولا یترک بحال حتی یسلم او یقتل (کتاب الام ص [illegible] ج ۱)

"امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی:

"مسلمان کا خون تین باتوں کے سوا حلال نہیں" کے دو ہی مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ زانی محصن کی طرح مرتد توبہ کے بعد بھی واجب القتل ہے، دوسرا یہ کہ توبہ سے قتل کی سزا معاف ہو جاتی ہے یہی راجح ہے، اُمتِ مسلمہ کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مرتد سے فدیہ لینا یا احسان کرکے چھوڑ دینا کسی حال میں بھی چھوڑنا جائز نہیں، بس ایک ہی صورت متعین ہے کہ وہ اسلام قبول کرے ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔"

شارحِ موطا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفی الفتح قال النووی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ اجمعوا علی قتلہ واختلفوا فی استتابتہ فقال الائمۃ الاربعۃ والجمہور رحمہم اللّٰہ تعالیٰ انہ یستتاب ونقل ابن القصار رحمہ اللّٰہ تعالیٰ اجماع الصحابۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم علیہ۔ وقال طاؤس والحسن والماجشون وابو یوسف رحمہم اللّٰہ تعالیٰ لا یستتاب ولو تاب نفعتہ توبتہ عند اللّٰہ ولا یسقط قتلہ اھ (اوجز المسالک ص۳۲ ج ۵)

"امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قتلِ مرتد کے مسئلہ پر پوری اُمت کا اجماع منعقد ہے اور اسے توبہ کی مہلت دینے میں اختلاف ہے۔

ائمہ اربعہ اور جمہور رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے کہ مہلت دی جائے، ابن قصار رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے۔

اور امام طاؤس، حسن، ماجشون اور ابو یوسف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے

بالقول بلا خلاف ولو صح الا تقتلوه من قال حتى يرتد مرة فيقال لهم ان من اسلم ثم
ارتد قد تقدمت دعوته الى الاسلام حين اسلم بلا شك ان كان دخيلا في
الاسلام، وحين بلغ وعلم شرائع الدين هذه مما لا شك فيه، وقد قلنا ان التكرار لا
يلزم فالواجب اقامة الحد عليه اذ قد اتفقنا نحن وهم على وجوب قتله ان لم
يراجع الاسلام (المحلى ص۱۹۲ ج ۱۱)

”جو حضرات کہتے ہیں کہ مرتد کو قتل سے پہلے دو بار مہلت دی جائے ان کا یہ قول ان حضرات کے قول سے کچھ زیادہ اولیٰ و راجح نہیں جو مرتد کو تین یا چار یا پانچ بار یا اس سے زائد بار مہلت دینے کے قائل ہیں، یہ تمام اقوال بلا دلیل ہیں، سو دو بار مہلت دیے جانے کا قول بھی یقیناً گر گیا۔ اب صرف ان حضرات کا قول رہ گیا جو کہتے ہیں کہ اسے قتل سے پہلے ایک بار مہلت دی جائے لیکن اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ جو شخص اسلام لا کر مرتد ہو گیا اگر وہ نومسلم تھا تو اس سے پہلے جب اس نے اسلام قبول کیا تھا بلا شک و شبہہ اسے دعوت اسلام پہنچ چکی تھی، اور اگر پیدائشی مسلمان تھا تو جونہی بالغ ہوا اور احکام دین کی اسے سمجھ حاصل ہوئی تو دعوت اسلام مل گئی، یہ بات شک و شبہہ سے بالا ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ بار بار دعوت پیش کرنا ضروری نہیں، لہٰذا اس پر حد قائم کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ اس پر تو ہم اور تم متفق ہیں کہ اگر مرتد اسلام میں لوٹ کر نہ آئے تو اسے قتل کرنا واجب ہے۔“

قاضی شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی قتل مرتد کا مسئلہ حسب عادت بہت مدلل بیان کیا ہے۔
(نیل الاوطار ص۱۹۰ تا ص۲۰۲ ج ۷)

اختصار کے پیش نظر ہم صرف انہی حوالہ جات پر اکتفاء کرتے ہیں ورنہ ائمہ حدیث و فقہاء کبار اور دوسرے اہل علم کی تصریحات اس کثرت سے ہیں کہ ان کو جمع کرنا ایک ضخیم کتاب کا موضوع ہے، شاید ہی حدیث یا فقہ کی کوئی مستند کتاب ہو جس میں قتل مرتد کی تفصیل نہ ہو۔

عقل سلیم:

عقل سلیم کی رو سے بھی مرتد گردن زدنی ہے، اس لئے کہ وہ دین فطرت سے بغاوت کا علم بلند کر کے دین کا مذاق اڑاتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے، پوری امت مسلمہ کے جذبات سے کھیلتا ہے، دنیا میں اس سے بڑا فتنہ و فساد اور کیا ہوگا؟

روئے زمین پر کوئی ایسی حکومت نہیں جو اپنے نظامِ مملکت کو یوں تتر بتر ہوتا دیکھ کر بھی خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہے، اسی لئے دنیا کے ہر قانون میں باغی کی سزا قتل سے کم نہیں۔
مرتد صرف ایک ملک کا نہیں بلکہ پوری انسانیت کا دشمن ہے، اس کے وجود نامسعود سے انسانی معاشرہ کو پاک کرنا ضروری ہے، ناسور زدہ عضو کا کاٹ پھینکنا بے رحمی نہیں بلکہ جسم و جان کی حفاظت و بقاء کا ذریعہ ہے، اور اس سے غفلت برتنا موت کو دعوت دینا ہے۔
مرتدین اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لئے کچھ دلائل بھی پیش کرتے ہیں انکی حقیقت ملاحظہ ہو۔

مرتدین کی کٹ حجتی :

پہلی دلیل : لا اکراہ فی الدین قرآن مجید کا واضح اعلان ہے، لہذا کوئی مسلمان سوچ سمجھ کے بعد اپنا نظریہ تبدیل کرنا چاہتا ہے تو بجبر و اکراہ اسے اسلام میں داخل رکھنا تنگ نظری ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قرآنی اصول اپنی جگہ مسلّم، مگر سزائے مرتد سے اس کا کیا تعلق؟ اس آیت کا شانِ نزول جو سنن ابی داؤد، نسائی، ابن حبان وغیرہ کے حوالہ سے تمام معتبر تفاسیر میں منقول ہے یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں انصار کی کسی بانجھ عورت کو اولاد نہ ہوتی تو وہ نذر مان لیتی کہ "اگر اللہ تعالیٰ مجھے بیٹا دیدیا تو اسے مذہب یہود میں داخل کردوں گی" بیٹے کی پیدائش پر وہ نذر پوری کر دیتی، اس طرح بہت سی انصار عورتوں نے اپنے بیٹے یہود کے حوالہ کئے ہوئے تھے۔ جب یہود کے قبیلہ بنی نضیر کو انکے کرتوتوں کی پاداش میں جلاوطن کیا گیا تو یہ انصاری نسل کے یہودی بھی انکے ساتھ جانے لگے، اس پر بعض انصار بولے: "ہم اپنے بیٹے انکے حوالہ نہ کریں گے بلکہ انہیں جبراً داخل اسلام کریں گے" اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
ایک روایت میں انصار کے الفاظ یہ ہیں:

انما فعلنا ما فعلنا ونحن نری ان دینهم افضل مما نحن علیه واما اذ جاء الله بالاسلام فلنکرهنهم علیه فنزلت لا اکراه فی الدین (تفسیر قرطبی ص ۲۸۰ ج ۳ وغیرہ)

"ہم نے یہ سوچ کر اپنے بیٹے ان کے حوالہ کئے تھے کہ ان کا دین ہمارے دین سے افضل ہے، لیکن اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دولتِ اسلام سے نوازا تو اب ہم اپنے بیٹوں کو اسلام پر مجبور کریں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی"

الفضل داشتہ ــــــــــ ۱۶

شانِ نزول میں مفسرین نے اور بھی کئی واقعات نقل فرمائے ہیں جو سب کے سب اصلی کفار سے متعلق ہیں، ان واقعات میں کسی مرتد کا دُور دُور تک کوئی ذکر نہیں۔

پھر یہ آیت بھی اپنے اطلاق پر نہیں، جزیرۃ العرب میں بسنے والے غیر اہل کتاب کفار اس سے مستثنیٰ ہیں۔

بلکہ بعض حضرات نے اسے منسوخ قرار دیا ہے، امام ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وقد ذهب طائفة كثيرة من العلماء ان هذه محمولة على اهل الكتاب ومن دخل في دينهم قبل النسخ والتبديل اذا بذلوا الجزية وقال آخرون بل هي منسوخة بآية القتال وانه يجب ان يدعى جميع الامم الى الدخول في الدين الحنيف دين الاسلام فان ابى احد منهم الدخول فيه ولم ينقد له او يبذل الجزية قوتل حتى يقتل وهذا معنى الاكراه۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۳۱۰ ج ۱)

"علماء کا ایک بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ یہ آیت اہل کتاب اور ان لوگوں پر محمول ہے جو نسخ و تحریف سے پہلے ان کے دین میں داخل ہو گئے، بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ دینا قبول کر لیں۔

اور دوسرے حضرات کہتے ہیں یہ آیت قتال سے منسوخ ہو گئی، اب تمام لوگوں کو دین حنیف میں داخل ہونے کی دعوت دی جائے گی، اگر کوئی دین میں داخل ہونے سے انکار کر دے، نہ دین میں مطیع ہو کر آنا چاہے نہ جزیہ دے تو اس سے قتال کیا جائے گا حتیٰ کہ قتل کر دیا جائے، اکراہ کے یہی معنی ہیں۔"

غرض لا اکراہ فی الدین کا اصول عام کفار سے متعلق ہے، قتل مرتد کا مسئلہ اس سے بالکل الگ تھلگ ہے، اس سلسلہ میں ہم اُمت کا اجماعی موقف بالتفصیل تحریر کر چکے ہیں۔

دوسری دلیل: سزائے قتل ہر مرتد کے لئے نہیں بلکہ خاص اس مرتد کے لئے ہے جو محارب و باغی ہو جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تصریح گزر چکی ہے:

التارک لدینہ المفارق للجماعۃ،

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث "المفارق للجماعۃ" کی قید احترازی نہیں واقعی ہے، ہر مرتد باغی و مفسد اور جماعت مسلمین سے الگ تھلگ ہے، ورنہ دوسری احادیث جو پیچھے تفصیل نقل کی گئی ہیں ان میں کہیں اس کا اشارہ تک نہیں کہ مستوجب قتل ہونے کے لئے جرم

ارتداد کے ساتھ بغاوت بھی شرط ہے۔

اگر مرتدین کی یہ پیچ تسلیم کر لی جائے تو اس کا صاف مطلب یہ نکلتا ہے کہ ارتداد کوئی جرم نہیں، اس لئے کہ ہر باغی خواہ وہ مسلمان ہی ہو حالت بغاوت میں واجب القتل ہوتا ہے، جب جرم بغاوت کی مستقل سزا قتل ہے تو جرم ارتداد کو اس کے ساتھ ملحق کرنے کی کیا ضرورت؟

حقیقت یہ ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے خواہ وہ باغی ہو خواہ مطیع، جیسا کہ باغی کی سزا قتل ہے خواہ وہ مرتد ہو خواہ مسلمان، خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور پوری امت کا متوارث عمل اس پر شاہد ہے، کتب حدیث میں بھی بغاۃ ومحاربین اور مرتدین کی سزاؤں کے لئے الگ الگ ابواب قائم کئے گئے ہیں، دونوں کو خلط ملط کرنا پوری امت کی تجہیل اور احادیث کے ایک پورے باب کا انکار ہے۔

تیسری دلیل: دنیا میں مرتد کی کوئی سزا نہیں ہے، اس لئے کہ یہ جرم قانون کی زد میں نہیں آتا، یہ خالص اخروی معاملات میں سے ہے، خود قرآن مجید اس کی شہادت دے رہا ہے:

ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون (۲ - ۲۱۷)

اس دلیل کا کھوکھلا پن بھی ظاہر ہے، اخروی جرم ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ دنیا میں اس جرم سے متعلق کوئی بازپرس نہ ہو، ورنہ تو زنا، ڈکیتی، قتل سب ہی جرائم اخروی ہیں، آخر ان پر شریعت نے دنیا میں ایسی شدید سزائیں کیوں رکھی ہیں؟ اگر ہر جرم کا فیصلہ آخرت پر ہی چھوڑ دیا جائے تو دنیا میں ہر طرف کھلی چھوٹ مل جائے گی، نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کے متعلق جو قتل کا فیصلہ صادر فرمایا، خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں مرتدین کو جہنم رسید کیا، کیا یہ سب حضرات قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت سے ناآشنا اور ظالم تھے؟ العیاذ باللہ!

چوتھی دلیل: ایک جذباتی ہوئی دلیل یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ اسلام میں آزادی فکر پر کوئی قدغن نہیں، اسلامی ریاست میں ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے، اور قتل مرتد کا قانون اس حق کو سلب کرتا ہے لہٰذا اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

آزادیٔ فکر کی دہائی دینے والے ان اسیرانِ فکرِ فرنگ سے کوئی پوچھے کہ آزادیٔ فکر کی کوئی حد بھی ہے؟ اگر ہر فرد کو بے لگام چھوڑ دینے کا نام آزادیٔ فکر ہے تو قتل و غارتگری، لوٹ مار، فساد اور بغاوت کے الفاظ مہمل اور بے معنی رہ جاتے ہیں، ان پر کسی باز پرس یا سزا کا جواز باقی نہیں رہتا، اس لئے کہ ان جرائم کے مرتکب اپنی اپنی "آزادی" کا مظاہرہ کر رہے ہیں، ہنگامہ آرائی اور وہ انہیں انکے جمہوری حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے، اسلام میں ایسی آزادی کا کوئی تصور نہیں۔

بچپن میں ایک سیاسی لیڈر اور عالمِ دین کے مابین اس موضوع پر ایک دلچسپ مکالمہ نظر سے گزرا تھا جسے موضوع کی مناسبت سے یہاں دہرایا جاتا ہے:

مسٹر: مولانا! آپ یوں تو خوب اس کے آگے یہ مثال دیتے نہیں تھکتے: "ہمارے دین میں فرد کی آزادی پر کوئی روک نہیں، نہ ہی ہم دین کے معاملہ میں کسی کو مجبور کرتے ہیں"

مگر دوسری جانب کوئی شخص آزاد فکری سے سوچ بچار کر کے اسلام سے نکل جانے کا فیصلہ کرتا ہے تو آپ اسکے قتل کا فیصلہ صادر کر دیتے ہیں، یہ کیسی آزادی ہوئی؟

مولانا: ذرا یہ فرمائیے کہ کوئی غیر ملکی باشندہ اپنے ملک میں بیٹھ کر پاکستان کی مخالفت کرے اور بانیانِ پاکستان پر کیچڑ اچھالے تو آپ اس سے کیا سلوک روا رکھیں گے؟

مسٹر: وہ تو ہماری دسترس سے باہر ہے ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟

مولانا: اچھا اگر وہ پاکستان آجائے اور یہاں کی شہریت قبول کر کے ایسا کرے تب؟

مسٹر: تب تو وہ ملک کا غدار کہلائے گا جسے ہم گولی سے اڑا دیں گے۔

مولانا: بس: بس! یہی کچھ ہم دین کے معاملہ میں کہتے ہیں۔

"اگر کوئی کافر حلقۂ کفر میں رہتے ہوئے اسلام پر کیچڑ اچھالے اس کی مقدس ہستیوں پر دست درازی کرے تو اس سے کسی حد تک چشم پوشی ممکن ہے مگر یاد رکھئے اسلام کے حظیرۃ القدس میں قدم رکھنے کے بعد اگر ایسی جسارت کرے تو یہ غدار کسی رُو رعایت کا مستحق نہیں، اگر آپ ملک کے غدار کو توپ سے اڑا سکتے ہیں تو کیوں نہ ہم مسلمان اپنے دین کے غدار کو توپ سے اڑا دیں؟

خلاصہ:

یہ کہ قتلِ مرتد کا مسئلہ امتِ مسلمہ میں کبھی مختلف فیہ نہیں تھا نہ اب ہے، ایسے بدیہی مسئلہ

کا انکار بجائے خود بدترین کفر و ارتداد اور لائق گردن زدنی جرم ہے۔

مرتد کے دوسرے احکام: 1

(١) حبطِ اعمال: مرتد کے تمام نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، البتہ مسلمان ہونے پر ان کی قضاء واجب نہیں سوائے حج کے، اگر مرتد ہونے سے پہلے حج کیا تھا تو دوبارہ مسلمان ہونے پر بشرطِ استطاعت حج کا اعادہ ضروری ہے۔

بہت سے محقق علماء کے نزدیک ارتداد سے قبل کی فوت شدہ نماز روزوں کی قضا بھی واجب ہے اور اس زمانہ کے حقوق العباد بھی واجب الاداء ہیں۔

(٢) بیوی نکاح سے نکل جائے گی، قبولِ اسلام کے بعد نئے سرے سے نکاح کرنا ضروری ہوگا۔

(٣) مرتد ہوتے ہی اپنے اموال سے اس کی ملکیت زائل ہو جائے گی، لیکن یہ زوال موقوف رہے گا۔

اگر مسلمان ہو گیا تو ملکیت حسبِ سابق لوٹ آئے گی۔

اور حالتِ ارتداد میں ہی مر گیا یا دار الحرب بھاگ گیا تو حالتِ اسلام کی کمائی ہوئی ملکیت سے زمانۂ اسلام کے مالی حقوق ادا کرنے کے بعد باقی مسلمان ورثاء کو ملے گی اور زمانۂ ارتداد کی کمائی سے زمانۂ ارتداد کے حقوق ادا کرنے کے بعد باقی فیئ قرار پائے گی۔

(٤) دیگر مالی تصرفات بیع، ہبہ، رہن، اجارہ وغیرہ بھی موقوف رہیں گے، اگر مسلمان ہو گیا تو نافذ ہو جائیں گے ورنہ کالعدم قرار پائیں گے۔

(٥) مرتد کا وقف باطل ہو جائے گا۔

(٦) بوقتِ ارتداد کیا گیا نکاح، ذبیحہ، شکار (جو بسم اللہ پڑھ کر مثلاً شکاری کتے، باز یا تیر کے ذریعہ مارا ہو) گواہی اور میراث (جو اسے ملنی تھی) باطل و کالعدم ہیں۔

نیز اس کے مالی حقوق حلال ہو جائیں گے، ان کی ادائیگی ضروری نہیں۔

(٧) حاکمِ وقت کے لئے بہتر ہے کہ مرتد پر اسلام پیش کرے اور تین دن قید رکھ کر اس کے شبہات دور کرے، اس دوران اگر مسلمان ہو جائے تو بہتر، ورنہ اسے قتل کر دے۔

مرتد کا اسلام اس صورت میں معتبر ہوگا کہ کلمۂ شہادت پڑھ کر اسلام کے سوا تمام ادیان سے براءت کا اعلان کرے یا کم از کم اس دین سے بیزاری کا اظہار کرے جسے اختیار کر کے مرتد بنا تھا، یوں رسمی طور پر صرف کلمہ پڑھ لینے سے مسلمان نہ سمجھا جائے گا۔

الفتن الشنعاء — ٣٠ ـ

(۸) عورت کو جب تک مسلمان نہ ہو قید میں رکھی جائے گی، اس دوران اسکی پٹائی بھی کی جاتی رہے گی اور اس سے ہر قسم کا مطالبہ رکھا جائیگا تا وقتیکہ مسلمان ہوجائے یا اسے موت آجائے۔

اس دوران اگر اسے کسی نے قتل کردیا تو قاتل پر کوئی ضمان نہیں۔

یہ حکم عام مرتدہ کا ہے، ساحرہ (جادوگر) کے لئے سزائے قتل ہی متعین ہے۔

خنثیٰ مشکل کے بھی یہی احکام ہیں۔

(۹) نابالغ مگر عاقل و ممیز بچے کا اسلام و ارتداد بھی معتبر ہے۔

اگر کسی کافر کا بچہ مسلمان ہوگیا یا والدین کے ساتھ تبعاً مسلمان تھا اور بلوغ سے قبل مرتد ہوگیا تو واجب القتل نہیں، نہ بلوغ سے قبل نہ بعد، البتہ قید کرکے اور مار پیٹ کرکے اسلام پر مجبور کیا جائے گا، اگر اس حال میں کسی نے قتل کردیا تو اس پر ضمان نہیں۔

اگر بالغ ہونے کے بعد اس نے اسلام کا اقرار کیا پھر مرتد ہوگیا تو واجب القتل ہے۔

کسی شخص کو جبراً مسلمان بنایا گیا وہ مرتد ہوگیا تو واجب القتل نہیں۔

(۱۰) مرنے پر مرتد کو کسی قبرستان میں (خواہ مسلمانوں کا ہو یا کفار کا) دفنانا جائز نہیں بلکہ الگ سے ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش ڈالدی جائے۔

محمد ابراہیم
نائب مفتی دار الافتاء والارشاد
۱۶ ربیع الآخر ۱۴۱۲ ہجری

من العبد الفقیر الی رحمۃ ربہ الغنی الحمید رشید احمد وفقہ اللہ لما فیہ رضاہ

زنادقہ اور ان کے احکام

عوام بلکہ اکثر خواص بھی شیعہ اور قادیانی وغیرہ زنادقہ کو بھی مرتد ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کے احکام مرتدین سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

زندیق کی تعریف:

جو اسلام کا مدعی ہو اور اپنے کفریہ عقائد کا برملا اعلان کرتا ہو اور انہی کفریہ عقائد

کو عین اسلام قرار دیتا ہو۔

دورِ حاضر کے زنادقہ:

(۱) شیعہ : یہ زنادقہ کا قدیم ترین فرقہ ہے اور سب سے بڑا دشمن اسلام اور سب سے زیادہ بدترین خبیث زنادقہ ہے۔ اس خبیث الخبائث فرقہ نے اسلام اور مسلمانوں کو جتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے اور پہنچا رہا ہے اتنا نقصان زنادقہ کے دوسرے سب فرقوں کا مجموعہ بھی نہیں پہنچا سکا بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں کر سکا۔

(۲) مرزائی : قادیانی و لاہوری۔

(۳) آغاخانی، اسماعیلی (۴) بوہری (۵) بہائی

(۶) مہدوی، اور اس کی شاخیں ذکری وغیرہ

(۷) منکرین حدیث : چکڑالوی، پرویزی وغیرہ۔

(۸) انجمن دینداران : صدیق دیندار "چن بسویشور" کے بندے۔

زنادقہ کے احکام:

(۱) حکومت پر فرض ہے کہ ان کے قتل کا حکم دے، خواہ کوئی خود زندیق بنا ہو یا باپ دادا سے اس مذہب میں چلا آتا ہو، جبکہ مرتد کی اولاد واجب القتل نہیں۔ اسی طرح عورت مرتدہ ہو جائے تو واجب القتل نہیں مگر زندیقہ عورت بھی واجب القتل ہے۔

(۲) گرفتار ہونے کے بعد ان کی توبہ قبول نہیں، جبکہ مرتد کی توبہ گرفتاری کے بعد بھی قبول ہے۔

(۳) ان کے کسی مرد یا عورت سے کسی مسلمان کا نکاح جائز نہیں۔

(۴) ان کا ذبیحہ حرام قطعی ہے۔

(۵) ان سے کسی قسم کا کوئی معاملہ بھی جائز نہیں۔ تجارتی لین دین میں سخت مجبوری کا حکم "کتاب الحظر والاباحۃ" میں ہے۔

(۶) ان کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں۔

(۷) مسلمانوں بلکہ کافروں کے قبرستان میں بھی دفن کرنا جائز نہیں، کہیں گڑھا کھود کر اس میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

رشید احمد

۱۱ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۳ھ

نقش الشعر ـــــ ـــــ ۲۲

کتاب اللقطۃ

کافر کا لقطہ :

سوال : زید کسی کافر کا مقروض تھا وہ قرضخواہ ہندوستان میں جا کر کہیں لاپتہ ہو گیا، اس تک رسائی کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، زید اس رقم کا کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اولاً خط و کتابت یا دیگر ممکنہ ذرائع سے قرضخواہ یا اس کے ورثہ کا پتہ لگانے کی کوشش کرے، انتہائی کوشش کے بعد جب مایوسی ہو تو اس رقم کا صدقہ کر دے۔

اس صورت میں اصل حکم تو بیت المال میں جمع کرانے کا ہے مگر چونکہ حکومت اسلامیہ نہ ہونے کی وجہ سے بیت المال مفقود ہے، اس لئے فقراء پر تصدق کر دے۔

قال فی الھندیۃ کل لقطۃ یعلم انھا لذمی لا ینبغی ان یتصدق ولٰکن یصرف الی بیت المال لنوائب المسلمین، کذا فی السراجیۃ (عالمگیریۃ ص ۳۰۱ ج ۲) ومثلہ فی الشامیۃ ص ۳۴۳ ج ۳ ، واللہ تعالیٰ اعلم

۲ر جمادی الاولیٰ سنہ ۸۸ھ

گھڑی ساز کو گھڑی دیکر واپس نہیں آیا :

سوال : زید گھڑیوں کی مرمت کا کام کرتا ہے لوگ مرمت کے لئے گھڑیاں اسے دے جاتے ہیں ان میں سے کچھ گھڑیاں کئی سال سے اس کے پاس پڑی ہیں جن کا کوئی مالک اب تک نہیں آیا۔ اور نہ آئندہ آنے کی امید ہے، گھڑی ساز کو ان مالکان کے متعلق کچھ معلوم نہیں کہ کون لوگ ہیں؟ کہاں رہتے ہیں؟ مزید رکھے رہنے سے گھڑیاں زنگ آلود ہو کر بے کار ہو جائیں گی ان کا کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

گھڑی ساز اگر مالکان کی آمد سے مایوس ہو چکا ہے تو ان گھڑیوں کو صدقہ کر دے، صدقہ کرنے کے بعد اگر کسی گھڑی کا مالک آجائے تو اسے اختیار ہوگا کہ اس تصدق

سو نوٹ کو نافذ کر دے یا لقطہ اٹھانے والے سے اس کا ضمان وصول کرے یا فقیر سے گھڑی لے لے اگر گھڑی اس سے ضائع ہو چکی ہو تو اس سے ضمان وصول کرے۔

اگر لقطہ اٹھانے والے نے ضمان ادا کیا تو صدقہ کا ثواب اس کو ملے گا۔

گھڑی ساز کے لئے اس گھڑی کا فروخت کرنا جائز نہیں۔

قال الامام المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ: قال فان جاء صاحبها والا تصدق بها ایصالا للحق الی المستحق وهو واجب بقدر الامکان وذلك بایصال عینها عند الظفر بصاحبها وایصال العوض وهو الثواب علی اعتبار اجازته التصدق بها وان شاء امسکها رجاء الظفر بصاحبها۔

قال فان جاء صاحبها یعنی بعد ما تصدق بها فهو بالخیار ان شاء امضی الصدقة وله ثوابها لان التصدق وان حصل باذن الشرع لم یحصل باذنه فیتوقف علی اجازته والملك یثبت للفقیر قبل الاجازة فلا یتوقف علی قیام المحل بخلاف بیع الفضولی لثبوته بعد الاجازة فیه وان شاء ضمن الملتقط لانه سلم ماله الی غیره بغیر اذنه الا انه باباحة من جهة الشرع وهذا لا ینافی الضمان حقا للعبد کما فی تناول مال الغیر حالة المخمصة وان شاء ضمن المسکین اذا هلك فی یده لانه قبض ماله بغیر اذنه وان کان قائما اخذه لانه وجد عین ماله (هدایة ص ج ۲)

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶ صفر سنہ ۱۳۸۸ھ

مالک مکان لاپتہ ہوگیا تو کرایہ کس کو دے؟

سوال: زید کریم کے مکان میں رہتا ہے، جب تک مالک مکان کرایہ وصول کرتا رہا زید کرایہ ادا کرتا رہا۔ مگر اب کچھ عرصہ سے وہ غائب ہے، مارکیٹ میں اس کی دکان ہے، وہاں جا کر معلوم کیا تو وہ بھی بند پڑی ہے، نہ معلوم زندہ ہے یا فوت ہوگیا؟ اس کا کرایہ کس کو ادا کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اسے تلاش کرنا ضروری ہے، ہر ممکن حد تک تلاش وجستجو سے سراغ نہ لگے تو مزید

انتظار کیا جائے، اگر اس کی آمد سے بالکل مایوسی ہو جائے اور اس کا کوئی وارث بھی موجود نہ ہو تو یہ رقم اس کی طرف سے مساکین پر صدقہ کی جائے، اگر کسی وقت وہ آ گیا اور یہ صدقہ اس نے منظور کر لیا تو فبہا، ورنہ وہ پوری رقم اسے دوبارہ ادا کی جائے گی اس صورت میں صدقہ کا ثواب کرایہ دار کو ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۶ جمادی الآخرۃ سنہ ۸۹ھ

قلم پڑا ملا:

سوال: زید کو ایک قلم راستہ میں پڑا ہوا ملا، کیا یہ قلم زید خود رکھ سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زید پر اس کا اعلان واجب ہے جب اسے یقین ہو جائے کہ اب اس کا کوئی مالک نہ آئے گا تو صدقہ کر دے، زید مسکین ہے تو خود بھی رکھ سکتا ہے۔

قال فی التنویر: فینتفع الرافع بها لو فقیرا والا تصدق بها علی فقیر ولو علی اصله وفرعه وعرسه (رد المحتار ص۳۲۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الثانی سنہ ۹۰ھ

ماہانہ رسالہ کا خریداروں تک پہنچانا مشکل ہو گیا:

(۱) مشرقی پاکستان کے کچھ لوگ البلاغ منگاتے تھے، بعد میں بنگلہ دیش بن گیا، ان میں سے کسی کے نو، کسی کے دس رسالے باقی ہیں، ڈاک کا خرچ اب کافی بڑھ گیا ہے، وہاں سے ان لوگوں کے خطوط بھی آئے اپنے رسالے وصول کرنے کے لئے۔ ان کو میں نے لکھ دیا کہ دعا کریں منی آرڈر کھل جائے تو جن حضرات کے رسالے رکے ہوئے ہیں ان کی جتنی رقم میرے پاس بچی ہے ان سب کو کل نقد روپیہ روانہ کر دوں گا لیکن منی آرڈر اب تک نہ کھلا۔

اتفاق سے مولانا محمد اشرف صاحب کے صاحبزادہ تشریف لائے، میں نے ان سے کہا کہ تمام حضرات کی رقوم مع پتہ اور خرچ منی آرڈر کے آپ کو دے دیتا ہوں آپ وہاں جا کر روانہ کر دیں، انھوں نے منظور کر لیا، کیا اس صورت میں قرض سے

سبکدوش ہوجاؤں گا؟

(۲) پھر میں نے جن کو ادا کرنی ہیں بہت سے ہندو ہیں جو کہ ہجرت کرگئے ہونگے یا بہت سے فوت ہوگئے ہونگے ان کے متعلق آرزو واپس آئیں گے، لہٰذا ان کی رقم اپنے مدرسہ کے مستحق طلبہ کو دیدیں ایک مدرسہ کے مستحق لوگوں کے دینے سے میں سبکدوش ہوجاؤں گا؟

(۳) کچھ لوگ اپنے مدرسہ کو دستی مدد لے جاتے ہیں جو اب عرصہ سے نہیں آرہے ہیں، میری نیت ہے کہ تمام رسالے کسی دینی مدرسہ میں مستحق طلبہ میں تقسیم کرادوں، پھر اگر وہ آگئے تو ان کو دوبارہ دیدوں گا، جیسے کہ بہت سے دوکانداروں سے لوگ رسالہ منگاتے تھے اب نہیں منگا رہے ہیں ان کے بارے میں بھی یہی خیال ہے یعنی تقسیم کرنے کا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) اگر تمام رقم آپ نے کسی بھی معتبر آدمی کے ہاتھ روانہ کردیں اور آمد ورفت کا خرچ بھی آپ نے دیدیا تو آپ اس قرض سے سبکدوش ہوجائیں گے، بشرطیکہ مالکان کو رقم مل جائے، اگر ان کو نہیں ملی تو آپ سبکدوش نہ ہونگے۔

(۲) جن لوگوں کا انتقال ہوگیا ہے ان کے ورثہ کو تلاش کیا جائے اگر ورثہ نہ ملیں تو یہ رقوم مستحق طلبہ کو دینے سے سبکدوش ہوجائیں گے۔

جو ہندو ہجرت کرگئے اگر کوشش کے باوجود ان تک یا ان کے ورثہ تک رسائی نہ ہوسکے تو یہ رقوم بھی مدرسہ کے مستحق طلبہ کو دیدیں، پھر اگر کوئی اتفاق سے آجائے اور وہ صدقہ پر رضامند نہ ہو تو اس کو دوبارہ رقم دینا ہوگی۔

(۳) جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[illegible] رمضان [illegible]ھ

کتاب الشرکۃ

باپ اور بیٹوں کی مشترک کمائی باپ کی ملک ہے:

سوال: زید نے اپنے دو بیٹوں کے ساتھ مل کر کاروبار کیا اور ایک معقول رقم جمع کرلی، زید کا ایک نابالغ بیٹا بھی تھا جو اب بالغ ہوگیا ہے لیکن اس نے کچھ کمایا نہیں، اب اگر زید جمع کردہ رقم تینوں بیٹوں میں برابر سرابر تقسیم کرنا چاہے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ یعنی تیسرے بیٹے کا اس رقم میں کچھ حق بنتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

باپ اور بیٹوں کے مشترک کاروبار کی صورت میں تمام ملک باپ کی شمار ہوتی ہے، لہٰذا باپ اپنی زندگی میں جو تصرف چاہے کرسکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے تیسرے بیٹے کو بھی ترکہ میں برابر کا حصہ ملے گا۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا الی القنیۃ: الاب وابنہ یکتسبان فی صنعۃ واحدۃ ولم یکن لہما شیء فالکسب کلہ للاب ان کان الابن فی عیالہ لکونہ معینا لہ الا تری لو غرس شجرۃ تکون للاب (الی ان قال) وفی الخانیۃ زوج بنیہ الخمسۃ فی دارہ وکلہم فی عیالہ واختلفوا فی المتاع فہو للاب وللبنین الثیاب التی علیہم لا غیر الخ (رد المحتار ص ۳۲۶ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العاشوراء ۷۶ھ

مشترک کمائی میں سب کا برابر حصہ ہے:

سوال: ایک شخص کے چھ لڑکے ہیں، اور سب کے سب کمائی میں شریک ہیں، لیکن ان میں سے بعض ہوشیار اور تجربہ کار ہیں جن کی کمائی نسبۃً زیادہ ہے اور بعض بے محنت اور سست ہیں جن کی کمائی کم ہے، ان سب نے مل کر ایک زمین خرید لی اور پھر فروخت کر دی۔

اب زیادہ کمانے والے بھائی کہتے ہیں کہ اس میں زیادہ حصہ ہمارا ہے اور دوسرے بھائی کہتے ہیں سب کا حصہ برابر ہے۔ فریقین میں سے کس کی بات درست ہے اور کیا رقم کی شرعی تقسیم کس طرح ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

یہ رقم مشترک ہے، اور اس میں تمام بھائی برابر کے حصہ دار ہیں۔

قال فی التنویر وشرحہ: وما حصلہ احدھما فلہ وما حصلاہ معا فلھما نصفین ان لم یعلم ما لکل وما حصلہ احدھما باعانۃ صاحبہ فلہ ولصاحبہ اجر مثلہ بالغا ما بلغ الخ

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: یؤخذ من ھذا ما افتی بہ فی الخیریۃ فی زوج امرأۃ وابنھا اجتمعا فی دار واحدۃ واخذ کل منھما یکتسب علی حدۃ ویجمعان کسبھما ولا یعلم التفاوت ولا التساوی ولا التمییز فاجاب بانہ بینھما سویۃ وکذا لو اجتمع اخوۃ یعملون فی ترکۃ ابیھم ونما المال فھو بینھم سویۃ ولو اختلفوا فی العمل والرأی اھ (ردالمحتار [illegible])

لیکن اگر مشترک کاروبار میں تفاوت معلوم ہو اور معین زیادتی قرار پا جانے سے ثابت ہو تو اس صورت میں اس کا اعتبار ہوگا کما ھو مفھوم من العبارۃ المذکورۃ ومصرح قبیلھا فی الشامیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یوم العاشوراء ۷۶ھ

ایک شریک کے لئے زائد منافع کی شرط:

سوال: زید ایک کرایہ کی دکان کا مالک ہے جس میں وہ کاروبار کرتا ہے اب زید اور بکر نے اس میں مشترک کاروبار شروع کیا، کاروبار میں زید نے دو ہزار اور بکر نے چھ ہزار روپے شامل کئے اور یہ طے پایا کہ نفع میں سے چالیس فیصد زید لیگا اور ساٹھ فیصد بکر لے گا اور اسی تناسب سے دونوں نقصان بھی برداشت کریں گے، لیکن یہ بھی طے پایا کہ زید نہ تو کوئی کام کریگا اور نہ ہی انتظامی امور میں کسی قسم کی مداخلت کرے گا، ہر ماہ کے اختتام پر حساب کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد نفع تقسیم کرتے رہیں گے، مگر ہوا یوں کہ بکر ابتداء میں تو چند ماہ تک باقاعدہ حساب کرکے زید کو نفع دیتا رہا، بعد

میں باقاعدگی سے حساب کرنا چھوڑ دیا، یونہی اندازہ سے زید کو نفع کی کچھ رقم دیتا رہا، زید نے اس پر اعتراض بھی کیا مگر بکر نہ مانا، البتہ کبھی کبھار اسے مطمئن کرنے کے لئے رقم کی مقدار میں معمولی سا رد و بدل کر دیتا، اور اب اس کا یہی معمول چلا آرہا ہے، سوال یہ ہے کہ اس انداز سے نفع کی تقسیم جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر عقد شرکت میں شریکین میں سے کسی ایک کے لئے کاروبار میں کوئی کام نہ کرنا طے ہو تو اس کے لئے اس کے راس المال کی مقدار سے زائد منافع کی شرط جائز نہیں، ہر شریک کا نفع و نقصان دونوں میں اس کے سرمایہ کے مطابق حصہ ہوگا، زید کا پچیس فیصد اور بکر کا پچھتر فیصد، البتہ زید دکان کا کرایہ لے سکتا ہے۔

منافع کی تقسیم میں حساب کی پوری جانچ پڑتال ضروری ہے، تخمینہ سے کچھ لینا دینا جائز نہیں، اس سے پہلے تخمینہ سے جس قدر نفع کی تقسیم ہوتی رہی اس پر فریقین توبہ و استغفار کریں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ:

(قوله ومع التفاضل في المال دون الربح) اى بان يكون لاحدهما الف وللآخر الفان مثلا واشترطا التساوي في الربح (وقوله وعكسه) اى بان يتساوى المالان ويتفاضلا في الربح لكن هذا مقيد بان يشترط الاكثر للعامل منهما او لاكثرهما عملا اما لو شرطاه للقاعد او لاقلهما عملا فلا يجوز كما في البحر عن الزيلعي والكمال قلت والظاهر ان هذا محمول على ما اذا كان العمل مشروطا على احدهما وفي النهر اعلم انهما اذا شرطا العمل عليهما ان تساويا مالا وتفاوتا ربحا جاز عند علمائنا الثلاثة خلافا لزفر والربح بينهما على ما شرطا وان عمل احدهما فقط وان شرطاه على احدهما فان شرطا الربح بينهما بقدر رأس مالهما جاز ويكون مال الذي لا عمل له بضاعة عند العامل له ربحه وعليه وضيعته وان شرطا الربح للعامل اكثر من رأس ماله جاز ايضا على الشرط ويكون مال الدافع عند العامل مضاربة ولو شرطا الربح للدافع اكثر من رأس ماله لا يصح

الشرط ویکون مال الدافع عند العامل بضاعة لکل واحد منهما ربح ماله والوضیعة بینهما علی قدر رأس مالیهما ابدا، هذا حاصل ما فی العنایة اھ ما فی النهر، قلت وحاصل ذلک کله انه اذا تفاضلا فی الربح فان شرطا العمل علیهما سویة جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وکذا لو شرطا العمل علی احدهما وکان الربح للعامل بقدر رأس ماله او اکثر ولو کان الاکثر لغیر العامل او لاقلهما عملا لا یصح وله ربح ماله فقط وهذا اذا کان العمل مشروطا اھ

(ردالمحتار ص۳۱۳ ج ۳)

غرۂ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

مشترک مال میں بلا اجازت تصرف کرنا :

سوال : چار بھائیوں کی مشترک جائداد تھی، ان کے والد کا انتقال ہوگیا بعد ازاں دو بڑے بھائی جائداد میں تصرف کرتے رہے اور دو چھوٹے بھائی جو عاقل وبالغ تھے ان کے تابع ہوکر رہے، ان چاروں بھائیوں کی ایک مشترک زمین کسی شخص نے بلا اجازت فروخت کردی، بائع کا انتقال ہوگیا، بڑے بھائیوں نے مشتری کے خلاف دعوی دائر کردیا، بالآخر عرصہ آٹھ سال بعد یہ زمین ان کو واپس مل گئی، لیکن دونوں بڑے بھائیوں نے آٹھ سال کی پیداوار مشتری کو معاف کردی اور پھر زمین دوبارہ اسی کے ہاتھ فروخت کردی، یہ پورا تصرف چھوٹے بھائیوں کے اذن کے بغیر کیا، سوال یہ ہے کہ یہ تصرف صرف بڑے بھائیوں کے حق میں نافذ ہوگا یا چھوٹے بھائیوں کے حق میں بھی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

مالکان کو زمین کے خریدار سے زمین کا اجر مثل یعنی ٹھیکے کی معروف رقم لینے کا حق تھا، بڑے بھائیوں کا معاف کرنا صرف ان ہی کے حق میں نافذ ہوگا، چھوٹے بھائیوں کا حصہ معاف نہیں ہوگا لہٰذا مشتری کے ذمہ زمین کے اجر مثل سے ان کا حصہ ادا کرنا دیانۃً واجب ہے۔

یونہی بعد میں جو دو بڑے بھائیوں نے زمین مشتری کے ہاتھ فروخت کی تو یہ تصرف بھی صرف ان کے اپنے حصے میں صحیح ہے، چھوٹے بھائیوں کے حصہ میں صحیح نہیں۔

واللہ تعالی اعلم

۲۹ رمضان ۸۸ ہجری

سامان میں شرکت عنان صحیح نہیں :

سوال : زید، بکر اور عمرو مشترک کاروبار کرنا چاہتے ہیں، زید کی ایک دکان ہے جو کرایہ پہ چلائی ہوئی ہے جس کی قیمت تیرہ ہزار اور کرایہ پینتیس روپے ماہوار ہے، بکر اور عمرو چار چار ہزار روپے شامل کرتے ہیں، دکان سمیت یہ پوری مالیت اکیس ہزار روپے بن جاتی ہے، اب فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ اصل نفع کا نصف تو کام کرنے والے شرکاء کی محنت کا معاوضہ ہوگا اور باقی نصف شرکاء کے سرمایہ کے مطابق شرکاء میں تقسیم ہوگا، شرعاً یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ شرکت عنان ہے جس میں نقد روپے کا وجود مشروط ہے۔

صورت سؤال میں ایک طرف سامان اور دوسری طرف نقد ہے، لہذا یہ شرکت صحیح نہیں، اس کو صحیح کرنے کی صورت یہ ہے کہ پہلے زید بکر اور عمرو کو مکان میں شریک کرے، پھر باہم بکم وبیش سرمایہ ملاکر عقد شرکت کریں۔

قال فی التنویر وشرحہ: ولا تصح مفاوضۃ وعنان ذکر فیھما المال ولا تصحان بغیر النقدین والفلوس النافقۃ والتبر والنقرۃ ای ذھب وفضۃ لم یضربا ان جری مجری النقود التعامل بھما۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت قولہ (بغیر النقدین) فلا تصح بالعروض ولا بالمکیل والموزون والعدد المتقارب قبل الخلط بجنسہ وما بعدہ فکذلک فی ظاھر الروایۃ فیکون المخلوط شرکۃ ملک وھو قول الثانی رحمہ اللہ تعالیٰ وقال محمد رحمہ اللہ تعالیٰ شرکۃ عقد۔

(رد المحتار ص۳۴۴ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ذی قعدہ [illegible]

مشترک کاروبار میں نقصان ہوگیا :

سوال : دو ہزار روپے بکر کے اور ایک ہزار روپیہ زید کا ہو اور کاروبار میں نقصان ہوجائے تو زید پر کتنا نقصان آئے گا اور بکر پر کتنا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس نقصان کو پہلے نفع سے پورا کیا جائے گا، اگر نفع سے پورا نہیں ہوتا تو دونوں پر بقدر حصہ نقصان آئے گا، یعنی ایک ہزار والے پر ایک تہائی اور دو ہزار والے پر دو تہائی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۷ ذی قعدہ ۸۶ھ

ہر شریک کو شرکت ختم کرنے کا اختیار ہے:

سوال: زید نے چند دوسرے شرکاء کے ساتھ مل کر مشترک کاروبار کے لئے ایک دکان خریدی، ان کے ساتھ عمرو نے بھی شرکت کی خواہش ظاہر کی تو اسے اس شرط پر شریک کر لیا گیا کہ وہ حسب معمول تعلیم قرآن کی خدمت میں مشغول رہے گا اور کاروبار میں کسی قسم کا عمل دخل نہ رکھے گا، نیز یہ بھی طے پایا کہ زید کام زیادہ کرے گا، اس لئے منافع میں اس کا حصہ بھی زیادہ ہوگا یعنی چالیس فی صد نفع زید کے لئے اور ساٹھ فی صد بقیہ شرکاء کے لئے۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد شرکاء زید کی خیانت پر مطلع ہوئے، اس لئے وہ اسے شرکت سے الگ کرنا چاہتے ہیں، کیا شرعاً وہ اس کے مجاز ہیں، نیز زید کا مطالبہ ہے کہ الگ ہونے کی صورت میں دکان کی موجودہ قیمت لگا کر اسے اس کا حصہ دیا جائے، اس لئے کہ دکان کی موجودہ قیمت پہلے سے زیادہ ہے، کیا زید کا یہ مطالبہ درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ہر شریک کو ہر وقت اختیار ہے کہ دوسرے شرکاء کی رضا کے بغیر جب چاہے شرکت کو ختم کر دے، اس صورت میں اشیاء مشترکہ کی قیمت لگا کر اصل بقدر حصص اور منافع حسب شرط تقسیم کر لیا۔

اگر کوئی چیز لینے کا ہر شریک خواہشمند ہو تو بصورت نیلام جو شریک زیادہ قیمت پر خریدنے کو آمادہ ہو اسے دیدی جائے۔

لہٰذا شرکاء کا زید کی شرکت کو ختم کر دینا صحیح ہے خواہ اس کی کوئی معقول وجہ ہو یا نہ ہو، البتہ زید دکان کی موجودہ قیمت سے اپنے حصہ کا مستحق ہے اور اگر تمام شرکاء سے زیادہ قیمت دے کر دکان خود رکھنا چاہے تو زید کو اس کا بھی اختیار ہے جیسا کہ دوسرے ہر شریک کو بھی یہ اختیار ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: وفی البحر عن الخانیۃ اشترکا و اشتریا امتعۃ ثم قال احدھما لا اعمل معک بالشرکۃ وغاب فباع الحاضر الامتعۃ فالحاصل للبائع وعلیہ قیمۃ المتاع لان قولہ لا اعمل معک فسخ للشرکۃ معہ و احدھما یملک فسخھا وان کان المال عروضا بخلاف المضاربۃ ھو المختار اھ (رد المحتار ص ۳۷۴ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ ربیع الاول سنہ ۹۵ھ

بلا اذن شریک تصرف جائز نہیں:

سوال: عنایت اللہ اور علی محمد دونوں نے پینتیس ۳۵ ہزار میں گاڑی خریدی جس میں سے سولہ ۱۶ ہزار روپے نقد ادا کئے اور انیس ۱۹ ہزار ایک مدت معینہ تک ادھار رہے، دو تین مہینے کے بعد علی محمد ایران چلا گیا جب روپیہ دینے کا وقت مقرر آیا تو عنایت اللہ کے پاس پیسے نہیں تھے، قرضخواہ نے عنایت اللہ کو مجبور کیا کہ روپیہ ادا کرو ورنہ میں گاڑی پر قبضہ کرلوں گا، مجبور ہوکر عنایت اللہ نے گاڑی تیس ۳۰ ہزار میں فروخت کردی، چند دن کے بعد علی محمد بھی آگیا اور اعتراض کیا کہ تم نے پانچ ہزار کے نقصان پر گاڑی کیوں دی؟ عنایت اللہ نے اپنا عذر پیش کیا کہ مالک نے بہت تنگ کیا آخر میں کیا کرتا؟ اب یہ بیع ہوئی یا نہیں؟ اور نقصان کس پر آئے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صرف عنایت اللہ کے حصہ کی بیع صحیح ہے، گاڑی علی محمد اور خریدار کے درمیان مشترک ہے، اگر خریدار اشتراک پر راضی نہیں تو وہ بیع کو فسخ کرکے گاڑی واپس کرسکتا ہے۔

قال فی شرح التنویر: نحو حمام وطاحون وعبد ودابۃ حیث یصح بیع حصتہ اتفاقا اھ (رد المحتار ص ۳۴۴ ج ۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۴ شعبان سنہ ۹۵ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت شریک پودے لگادیئے:

سوال: دو آدمی ایک زمین میں شریک ہیں، ایک شریک نے کھجور کے پودے مشترک زمین میں لگادیئے۔

شرکت میں تعیین نفع کا اصول :

سوال : دو شخصوں نے مل کر ایک کتاب چھاپی، ان میں سے ایک ہی کتاب کو فروخت کرتا ہے اور جو کچھ نفع ہوتا ہے اس کو بحصۂ مساوی یا کم و بیش جیسا کہ طے ہو جائے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں کیا اس قسم کی شرکت شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، البتہ اگر عقد میں پورا یا اکثر کام ایک شریک کے ذمہ مشروط ہو تو دوسرے شریک کے لئے اس کے حصۂ راس المال سے زیادہ نفع کی شرط جائز نہیں، اگر نفس عقد میں یہ شرط نہ ہو بلکہ تبرعاً کام کر رہا ہو تو کام نہ کرنے والے کے لئے بھی زیادہ نفع کی شرط جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۸ / محرم ۹۶ھ

مشترک مکان کی بلا اجازت مرمت :

سوال : زید کی تحویل میں اس کے مرحوم والد کا متروکہ ایک مکان ہے جو ہنوز ورثہ میں تقسیم نہیں ہوا، مکان کے ایک حصہ سے جو کرایہ حاصل ہوا وہ زید نے تمام ورثہ کا حق سمجھتے ہوئے بطور امانت محفوظ رکھا تا وقتیکہ شرعی تقسیم ہو جائے، اسی اثناء میں مکان کا ایک حصہ بوسیدہ ہونے کی وجہ سے قابل مرمت ہو گیا، مکان کی شرعی تقسیم میں دفتری کارروائی کی وجہ سے تاخیر ہو رہی ہے، زید کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ وہ مکان کے اس حصہ کی مرمت وغیرہ کروا سکے۔

کیا اس صورت میں کرایہ سے حاصل شدہ رقم جو زید کے پاس امانت ہے اس سے مکان کی مرمت کروائی جا سکتی ہے؟ اگر مکان کی مرمت نہیں کروائی جاتی تو بوقت فروخت مکان کی پوری قیمت وصول نہ ہوگی۔

نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ اگر اس رقم میں سے مرمت کروائی جا سکتی ہے تو دوسرے ورثہ سے اس رقم کے خرچ کرنے کی اجازت لینی پڑے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مکان ورثہ میں قابل تقسیم ہے تو کرایہ کی مشترک رقم خرچ کرنے کے لئے دوسرے شرکاء سے اجازت لینا ضروری نہیں۔

۴۹

اور اگر مکان قابل تقسیم نہیں یعنی تقسیم کی صورت میں ناقابلِ انتفاع ہو جاتا ہے تو دوسرے شرکاء سے مرمت پر خرچ کرنے کی اجازت لینا ضروری ہے، اگر وہ اجازت نہ دیں تو حاکم کو درخواست دیکر انہیں مرمت پر مجبور کر سکتے ہیں، اگر حاکم سے اصلاح متوقع نہ ہو تو بدون اجازت شرکاء بھی مرمت پر اپنی رقوم خرچ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

لانہ صار مضطرا الی العمارۃ کالشرکۃ التی لا تقبل القسمۃ۔

قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ: والاصل ان کل من اجبر ان یفعل مع شریکہ اذا فعلہ احدھما بلا اذن فھو متطوع والا لا، ولا یجبر الشریک علی العمارۃ الا فی ثلاث وصی وناظر وضرورۃ تعذر قسمۃ ککری نھر ومرمۃ قناۃ وبئر ودولاب وسفینۃ معیبۃ وحائط لا یقسم اساسہ فان کان لا یحتمل القسمۃ ویبنی کل واحد فی نصیبہ السترۃ لم یجبر والا یجبر وکذا کل ما لا یقسم کحمام وطاحون وحانوت وتمامہ فی متفرقات قضاء البحر والعینی والاشباہ (رد المحتار ص ۳۶۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الثانی ۹۹ھ

نابالغ کے ساتھ مشترک مصارف:

سوال: مرحوم کی بیوہ کے نام کچھ رقم بطور پنشن دس سال کے لئے منظور ہوئی ہے اور پچاس روپے ماہوار ملنے بھی شروع ہو گئے ہیں۔

اسی طرح دوسرے امدادی فنڈ سے کچھ روپے ماہوار بچوں کے بلوغ تک کے لئے منظور ہوئے ہیں جو ملنے شروع ہو گئے ہیں۔

بیوہ اور چار بچے جن میں سے دو بالغ ہیں سب اکٹھے ساتھ رہتے ہیں اور کٹھے کھاتے پیتے ہیں، اس رقم کو مجموعہ خرچ میں صرف کریں یا علیحدہ کر کے اخراجات کا حساب رکھیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جو رقم نابالغوں کے لئے منظور ہوئی ہے اس میں سے بالغوں پر خرچ کرنا جائز نہیں، صرف نابالغوں کے مصارف میں خرچ کی جائے، البتہ کھانے پینے میں سب کا حساب مشترک رکھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رمضان سنہ ھ

شرکت مع مضاربت جائز ہے:

سوال: زید و عمر میں یہ طے پایا کہ دونوں کاروبار میں برابر سرمایہ لگائیں گے مگر چونکہ کام بھی کریگا لہٰذا کام کے عوض نصف ربح عمر کا ہوگا اور باقی نصف اصل سرمایہ کے مطابق دونوں میں برابر تقسیم ہوگا، یہ طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا یہ صفقۃ فی صفقۃ یا عقد بشرط میں داخل نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

شرکت میں عمل من الجانبین شرط ہے جو یہاں مفقود ہے اس لئے یہ شرکت نہیں مضاربت ہے، پھر اگر رب المال کی طرف سے مال رکھنا درجہ شرط میں نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر مشروط ہو تو بھی مضاربت و شرکت میں ملایمت کی وجہ سے جائز ہے، چونکہ اس صورت میں مضاربت اصل ہے اور شرکت بالتبع، اس لئے عمل من الجانبین کی شرط مرتفع ہوگئی۔

اسی طرح اشتراط العمل من الجانبین کے ساتھ تفاضل فی الربح بھی اسی لئے جائز ہے کہ صورت اولیٰ کے برعکس یہاں اصل میں شرکت ہے اور مضاربت بالتبع، اس لئے اشتراط العمل علی الجانبین مضر نہیں۔

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فی الشرکۃ: وفی النهر اعلم انهما اذا شرطا العمل علیهما ان تساویا مالاً وتفاوتا ربحاً جاز عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله تعالیٰ خلافاً لزفر رحمه الله تعالیٰ والربح بینهما علی ما شرطا وان عمل احدهما فقط وان شرطاه علی احدهما فان شرطا الربح بینهما بقدر رأس مالهما جاز ویکون مال الذی لا عمل له بضاعة عند العامل له ربحه وعلیه وضیعته وان شرطا الربح للعامل اکثر من رأس ماله جاز ایضاً علی الشرط ویکون مال الدافع عند العامل مضاربة ولو شرطا الربح للدافع اکثر من رأس ماله لا یصح الشرط ویکون مال الدافع عند العامل بضاعة لکل واحد منهما ربح ماله والوضیعة بینهما علی قدر رأس مالهما ابداً هذا حاصل ما فی العنایة اه ما فی النهر، قلت وحاصل ذلك کله انه اذا تفاضلا فی الربح فان شرطا العمل علیهما سویة جاز ولو تبرع احدهما بالعمل وکذا لو شرطا العمل علی احدهما وکان الربح للعامل بقدر رأس ماله او اکثر ولو کان الاکثر لغیر العامل او لاقلهما عملاً لا یصح وله ربح ماله فقط وهذا اذا کان العمل مشروطاً الخ (رد المحتار ص ۳۵۱ ج ۳)

مشترک مکان میں بلا اذن تعمیر کا حکم:

سوال: زید کا انتقال [illegible]ھ میں ہوا اور مندرجہ ذیل وارث چھوڑے:

(۱) بیوی ایک (۲) نو بیٹے (۳) چھ بیٹیاں۔

والدین کا انتقال مرحوم سے پہلے ہو چکا تھا۔

تمام وارث اپنے اپنے پلاٹ میں رہتے تھے صرف بکر والد کے گھر رہتا تھا، اسی دوران دوسرے ورثہ سے پوچھے بغیر بکر نے والد کے مکان میں ایک باورچی خانہ اور دو کمروں کا مزید اضافہ کر دیا، والد کے انتقال کے سولہ سال بعد ورثہ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ پلاٹ بیچ دیا جائے اور رقم تمام ورثہ پر تقسیم کر دی جائے، سب نے عمر کو مختار نامہ دے کر امیر بنایا۔ بکر نے بھی اپنا مختار نامہ عمر کو دے دیا، مگر دو تین دن کے بعد بکر نے اپنے مختار نامہ سے رجوع کر لیا کہ مجھے اپنے اضافی مکانوں کی قیمت الگ دی جائے جو تقریباً ساٹھ ہزار روپے بنے گی ورنہ میں مختار نامہ نہیں دوں گا، اس کو اخبار میں بھی شائع کیا، عمر نے مجبوراً اس کی یہ شرط قبول کر لی۔ عمر کے دل میں تھا کہ یہ صرف ایک حیلہ ہے تاکہ مکان بیچنے پر بکر آمادہ ہو ورنہ بہت دشواریاں پیش آئیں گی۔

مکان بیچ دیا گیا عمر نے حسب وعدہ رقم سارے وارثوں میں بقدر حصص تقسیم کر دی، اب بکر دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے اضافی مکانوں کی رقم دو جس کا تم نے وعدہ کیا تھا، اب دریافت طلب یہ امور ہیں:

(۱) بکر کا بوقت فروخت یہ شرط لگانا کہ مجھے اضافی مکانوں کی رقم بھی دی جائے جائز تھا یا نہیں؟

(۲) بکر کا مشترک جگہ میں بلا اذن ورثہ اضافی مکان بنانا جائز تھا یا نہیں؟

(۳) عمر نے جو بطور حیلہ رقم دینے کا وعدہ کیا تھا یہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۴) بکر کو اپنے والد کے بعد اضافی مکانوں کی رقم ملنی چاہیے یا نہیں؟

(۵) اگر بکر رقم کا حقدار ہے تو کتنی رقم کا؟ اور اب جبکہ رقم سارے وارثوں میں تقسیم کر دی گئی ہے تو کیا سب سے واپس لی جائے یا کیا صورت اختیار کی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بکر اپنی عمارت کی قیمت لے سکتا ہے جس کے گرانے کا فیصلہ کیا جا چکا ہو، جو ثابت یہ

ملب کی قیمت سے زیادہ نہ ہوگی۔ پھر وارث بقدر حصہ ملبہ کو ادا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ذیقعدہ سنہ ۱۳[illegible]ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا:

کتاب الوقف باب المساجد میں گزرا ہے۔

شریک کو ملازم رکھنا:

کتاب الاجارہ میں ہے۔

مسجد یا مدرسہ سے قرآن یا کتاب دوسری جگہ منتقل کرنا:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ مسجد میں وقف شدہ قرآن کو دوسری جگہ منتقل کرنا، یا ایک مدرسہ کی کتاب کو دوسرے مدرسہ میں منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر واقف نے خاص مسجد یا خاص مدرسہ کے لئے قرآن یا کتاب کو وقف کیا ہے تو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔ والتفصیل فی کتاب الوقف من الشامیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سلخ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ

ایک مدرسہ کی اشیاء دوسرے میں منتقل کرنا:

سوال: مسجد کی منتظمہ نے ایک عالم کو بلا کر مسجد کی خطابت و امامت تفویض کی، عالم نے یہ شرط رکھی کہ مدرسہ بھی ساتھ ہونا چاہئے، منتظمہ نے مسجد سے ملحق مدرسہ بھی قائم کر دیا اور ان عالم صاحب کو اس کا مہتمم مقرر کر دیا، ارکان کمیٹی نے اس سے متعلق ایک تحریر بھی تیار کی جس پر سب کے دستخط ثبت ہیں۔

کچھ عرصہ گزرنے پر اہل محلہ عالم مذکور کے خلاف ہو گئے اور مطالبہ شروع کر دیا کہ ان کو مسجد و مدرسہ سے فارغ کیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ یہ عالم یہاں سے منتقل ہو کر دوسری جگہ نیا مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ جائز ہوگا کہ پہلے مدرسہ کا پورا عملہ اور اس کی جمع شدہ رقم اپنے ساتھ لیجا کر نئے مدرسہ کے قیام پر صرف کردیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر عالم مذکور اپنے فرائض پابندی سے ادا کر رہے ہیں اور کسی قسم کی خیانت ان سے

قرآن کے غلاف کو دوسرے پر منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر قرآن مجید وقف نہیں تو مالک کو اختیار ہے کہ جلد اور غلاف کو تبدیل کرے، اور اگر قرآن مجید وقف کیا گیا ہے تو بالتبع جلد اور غلاف بھی وقف ہے، اس صورت میں ایک قرآن سے استغناء کی حالت میں اس کی جلد اور غلاف سے متعلق کوئی جزئیہ تو نظر میں نہیں آلات مسجد پر قیاس کیا جا سکتا ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ عند الاستغناء مالک کی ملک میں عود کر آتے ہیں، لہٰذا مالک کی اجازت سے دوسری جگہ منتقل کیے جا سکتے ہیں۔ (الشامیۃ کتاب الوقف)

واللہ تعالیٰ اعلم

سلخ ذی الحجہ سنہ ۷۲ھ

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا جائز ہے:

سوال: پرانا قبرستان جس میں قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں اور لوگوں نے اس میں اموات کو دفن کرنا چھوڑ دیا ہو، ایسے قبرستان پر مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس قبرستان میں اگر لوگوں نے اموات کو دفن کرنا ترک کر دیا ہو اور سابقہ قبروں کے نشان مٹ گئے ہوں تو وہاں مسجد بنانا جائز ہے، ایسے ہی اگر قبرستان کسی کا مملوک ہے اور اس میں قبور مٹ چکی ہوں تو مالک کی اجازت سے وہاں مسجد بنانا جائز ہے۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: فان قلت هل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت قال ابن القاسم رحمہ اللہ تعالیٰ لو ان مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم ار بذلک باسا وذلک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لا یجوز تملیکہ لاحد فمعناهما علی هذا واحد (عمدۃ القاری ص ۱۷۹ ج ۴)

وفی الشامیۃ عن الزیلعی ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه اھ ومقتضاہ جواز المشی فوقه (رد المحتار ص ۸۳۵/۱) واللہ تعالیٰ اعلم

غرۂ محرم سنہ ۷۳ھ

ظالم نے مالکانہ دعویٰ کر دیا ہے، تو اس حالت میں اثبات وقف کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

وقف پر شہادت بالتسامع والشہرۃ مقبول ہے، جن مسائل میں شہادت بالتسامع جائز ہے ان میں یہ شرط ہے کہ عند القاضی اس کی تصریح نہ کرے کہ یہ شہادت محض تسامع سے ہے، مگر وقف اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں صراحت عند القاضی کے باوجود شہادۃ بالتسامع جائز ہے اگرچہ واقف کا کچھ علم نہ ہو، البتہ موقوف علیہ کا علم ضروری ہے، بحکم اصل وقف میں ہے، شرائط و مصارف وقف پر شہادۃ بالتسامع جائز نہیں۔

قال فی شرح التنویر وتقبل فیہ الشہادۃ علی الشہادۃ وشہادۃ النساء مع الرجال والشہادۃ بالشہرۃ لاثبات اصلہ وان صرحوا بہ ای بالسماع فی المختار۔

وفی الشامیۃ معزیا الی الخیریۃ وقف قدیم مشہور لا یعرف واقفہ استولی علیہ ظالم فادعی المتولی انہ وقف علی کذا مشہور وشہدوا بذلک فالمختار انہ یجوز (رد المحتار ج ۳ ص ۴۱۵) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۸۵ھ

وقف علی المسجد میں قبر بنانا جائز نہیں:

یہ مسئلہ باب الجنائز میں گزر چکا ہے۔

تفصیل تقسیم الوقف بین المتولیین:

سوال: ایک موقوفہ زمین پر دو شخص متولی ہیں اور دونوں جداگانہ حصہ پر تصرف کرتے ہیں، کیا اس طریقہ سے تقسیم شرعاً جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی الہندیۃ ولو وقف ارضین وجعل لکل متولیا لا یشارک احدہما الاخر (عالمگیریۃ ج ۲ ص ۴۰۲)

وفی شرح التنویر ولا یقسم بل یتہایئون الا عند ہما فیقسمہ المشاع وبہ افتی قارئ الہدایۃ وغیرہ اذا کانت القسمۃ بین الواقف وشریکہ المالک او الواقف الاخر وناظرہ ان اختلفت جہۃ وقفہا۔

وفی الشامیۃ (قولہ ان اختلفت جہۃ وقفہا) ای بان کان کل وقف منہما

على جهة غير الجهة الأخرى لكن هذا التعليل يخالف لما في الإسعاف من حيث قال ولو وقف نصف أرضه على جهة معينة وجعل الولاية عليه لزيد في حياته وبعد وفاته ثم وقف النصف الآخر على تلك الجهة أو غيرها وجعل الولاية عليه لعمرو في حياته وبعد وفاته يجوز لهما أن يقتسماه ويأخذ كل واحد منهما النصف فيكون في يده لأنه لما وقف كل نصف على حدة صارا وقفين وإن اتحدت الجهة كما لو كانت لرجلين فوقفاها كذلك اھ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۸۰)

روایات بالا سے صور ذیل کا حکم مستفاد ہوا۔

(۱) دو زمینیں جدا جدا ہوں۔

(۲) ایک زمین کا نصف ایک جہت پر وقف ہو اور دوسرا نصف دوسری جہت پر۔

(۳) جہت اگرچہ متحد ہو مگر نصف الارض پہلے وقف کی اور نصف ثانی بعد میں۔

(۴) ایک زمین دو شخصوں میں مشترک ہو اور دونوں جدا جدا وقف کریں۔

(۵) ارض واحد بوقت واحد جہت واحدہ پر وقف کی گئی ہو۔

صور اربعہ اولیٰ میں ہر حصہ پر مستقل تولیت جائز ہے اور صورت خامسہ میں جائز نہیں۔ حدیث نزاع علی وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اسی صورت اخیرہ میں داخل ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴ ربیع الاول ۸۲ھ

وقف میں تاحیات آمدنی خود لینے کی شرط:

سوال: ایک شخص اپنی صحرائی جائداد یا مکان یا دوکان یا کتب وغیرہ کسی مدرسہ کے لئے اس طرح وقف کرے کہ اپنی زندگی میں یا ایک مقررہ مدت تک وہ خود یا اس کی اولاد یا کوئی دوسرا شخص اس شیء موقوفہ سے متمتع ہوتا رہے پھر اس کی وفات کے بعد یا اس مقررہ مدت کے بعد وہ شیء اس مدرسہ وغیرہ میں صرف کی جائے، اس سے متعلق چند سوالات ہیں:

(۱) کیا یہ صورت شرعاً جائز ہے؟

(۲) ایسی صورت میں وقف میں کیا الفاظ تحریر کئے جائیں؟

(۳) اگر واقف عنداللہ زبانی یا تحریری طور پر وقف کردے لیکن سرکاری طور پر وقف نامہ کی رجسٹری نہ کرائے یا اس کے رجسٹری کراتے ہوئے وقف کو تسلیم نہ کریں تو شرعاً اس کا

کیا حکم ہوگا؟ اور کیا ایسی صورت میں بھی واقف اجر و ثواب کا مستحق ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) جائز ہے۔

(۲) وقف میں ایسے الفاظ کا استعمال ضروری ہے جو صدقہ علی سبیل التابید پر دلالت کرتے ہوں۔

(۳) وقف نامہ کی رجسٹری کروانا یا تحریری طور پر وقف کرنا ضروری نہیں، صرف زبانی کہدینا کافی ہے، البتہ اگر وارثوں کی طرف سے خطرہ ہو تو رجسٹری کروانا ضروری ہے، اگر ورثہ نے اس وقف کو تسلیم نہ کیا تو وہ سخت گنہگار ہونگے، واقف کو بہرحال اجر و ثواب ملے گا۔

قال فی شرح التنویر وجاز جعل غلۃ الوقف او الولایۃ لنفسہ عند الثانی وعلیہ الفتوی۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی تحت قولہ (وجاز جعل غلۃ الوقف لنفسہ) واما اشتراط الغلۃ لمدبریہ وامہات اولادہ فالاصح صحتہ اتفاقا لان حریتہم بموتہ فہو کالوقف علی الاجانب وثبوتہ لہم حال حیاتہ تبع لما بعدہا وقید بجعل الغلۃ لنفسہ لانہ لو وقف علی نفسہ قیل لا یجوز وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی جوازہ وہو المعتمد (ولبعد سطر) (قولہ وعلیہ الفتوی) کذا قالہ الصدر الشہید وہو مختار اصحاب المتون ورجحہ فی الفتح واختارہ مشایخ بلخ وفی البحر عن الحاوی انہ المختار للفتوی ترغیبا للناس فی الوقف وتکثیرا للخیر (رد المحتار ص ۳۹۵ ج ۳) واللہ تعالی اعلم۔

۳ جمادی الثانیہ سنہ ۷۸ھ۔

وقف قبرستان میں ذاتی تعمیر:

سوال: ایک قبرستان کی موقوفہ زمین شہر کے اندر واقع ہوجانے کے بعد دفن اموات کے لئے استعمال نہیں کی جاتی، شہری لوگ قابض ہو کر تعمیرات کر رہے ہیں اور اس طرح ایک وسیع آبادی اس پر واقع ہوگئی ہے، اوقاف نے کرایہ یا بیع کرکے قابضین کو وہ حصہ دیدیا ہے تاکہ وصول شدہ رقم دیگر مصارف اوقاف میں استعمال کرے، تو آیا یہ

اجارہ اور بیع وشراء شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں نے متولی یا محکمہ اوقاف سے وہ زمین حاصل کی ہے ان سے وہ زمین اور اس پر تیار کردہ تعمیر کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قبرستان کے لئے وقف زمین پر لوگوں کا قبضہ کرنا ناجائز ہے، اور ان کی بیع وشراء باطل ہے، حکومت یا متولی پر ضروری ہے کہ اس جگہ کو فوراً خالی کرائے، اور یہ جگہ دفن کے کام نہ آتی ہو تو اس پر مسجد یا اور کوئی رفاہ عامہ کی چیز تعمیر کرے۔

قال الحافظ العینی رحمہ اللہ تعالیٰ: فان قلت هل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین؟ قلت قال ابن القاسم رحمه الله تعالی لو ان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم ار بذلك باسا وذلك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لا یجوز لاحد ان یملکها فاذا درست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجد ایضا وقف من اوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه لاحد فمعناهما علی هذا واحد (عمدة القاری ص ۱۷۹ ج ۴)

۱۸ ربیع الاولیٰ سنہ ۹۰ھ

وقف میں ذاتی تصرف حرام ہے:

سوال: ایک جگہ مسلمانوں نے کچھ زمین دینی کاموں کے لئے وقف کرکے ایک مقامی بزرگ کو اس کا متولی بنادیا، مگر ان کی وفات کے بعد ان کے دو بیٹوں میں سے ایک نے وقف کا کچھ حصہ اپنے نام کرکے فروخت کردیا، باقی کچھ حصہ پر اب بھی مدرسہ قائم ہے لیکن بقیہ حصہ پر اسکا قبضہ اور تصرف ہے۔

کیا مسلمانوں کا یہ وقف صحیح تھا؟

اگر صحیح تھا تو متولی کے بیٹے کا اسے اپنے نام کرانا اور بیچنا درست تھا؟

نیز ان کے بیٹوں کا اس وقف شدہ عمارت میں رہائش رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جس زمین کو مسلمانوں نے دینی کام کے لئے وقف کیا اور کسی صالح متقی شخص کی بزرگی پر اعتماد کرکے اسے متولی بنادیا اور حکومت کے کاغذات میں اندراج وقف کی ضرورت محسوس نہ کی تو یہ وقف صحیح ہے۔

اگر سرکاری اندراج میں کسی غلطی کے سبب یا کسی اور وجہ سے متولی کی اولاد نے اپنے نام کرالیا تو ان کا یہ فعل غصب ہے اور اس کا فروخت کرنا حرام۔

متولی کے بیٹے اس شرط پر وقف کی عمارت میں رہ سکتے ہیں کہ دینی تعلیم کیلئے اس طرح وقت دیں جس طرح کوئی مدرس پابندی کرتا ہے۔

مقامی اہل صلاح حضرات کسی متقی عالم کو اس وقف کا متولی مقرر کریں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ رشعبان سنہ ۹۸ھ

وقف کتب خانہ سے کتب کا اخراج :

سوال : ایک دار العلوم کے منتظمین کتب خانہ سے ایک مخصوص جماعت کی کتابیں جو کہ مختلف حضرات کی جانب سے وقف ہیں خارج کرنا چاہتے ہیں یعنی اس جماعت سے اظہار نفرت کریں تو جن لوگوں نے وہ کتابیں وقف کی تھیں انھیں یہ اختیار ہے کہ اپنی وقف کردہ کتابیں واپس لے کر کسی دوسرے ادارہ میں دیدیں یا خود استعمال میں لائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

صرف اظہار نفرت کے لئے کتابوں کا نکالنا جائز نہیں، البتہ اس دار العلوم میں ان کتابوں کی ضرورت نہ ہو تو کسی دوسرے قریب ترین مدرسہ میں دیدی جائیں۔

یہ تفصیل ایسی کتب سے متعلق ہے جن کے مندرجات دین کے خلاف نہ ہوں اور اسلاف امت کی آراء سے ہٹ کر کوئی بات ان میں نہ لکھی گئی ہو۔

دین کے نام پر آجکل جو غلط اور گمراہ کن لٹریچر مختلف تنظیموں کی طرف سے پھیلایا جارہا ہے اسے کسی دینی ادارہ کے وقف کتب خانہ میں رکھنا جائز نہیں، اس قسم کی کتابوں کو تلف کردیا جائے یا ایسے ذی استعداد متصلب علماء کے حوالہ کردیا جائے جو پڑھ کر ان کی تردید کرسکیں اور عوام و خواص کو ان کے زہر سے بچا سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ربیع الاول سنہ ۱۴۰۲ھ

اوقاف کی ملازمت جائز ہے :

سوال : اوقاف کی ملازمت مثلاً امامت خطابت وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ اوقاف کی اکثر مدات ناجائز ہیں، اور حکومت نے اس محکمہ کو بالکل الگ رکھا ہے بلکہ سرکاری ملاک میں پہنچنے کے بعد پھر وہاں سے اس محکمہ کے ملازمین کو تنخواہ ملتی ہے؟ ذرا تفصیل فرمادیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اوقاف کی اکثر آمدن ناجائز ہونے کا کوئی ثبوت نہیں، اس لئے ملازمت جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی شرط خلاف شرع نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ ربیع الثانی سنہ ۸۹ھ

دراہم و دنانیر کا وقف :

سوال : دراہم و دنانیر کا وقف شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

دراہم و دنانیر کا وقف صحیح ہے مگر چونکہ وقف میں انتفاع بالمنافع مع بقاء العین ہوتا ہے اس لئے وقف دراہم میں شرط یہ ہے کہ اصل دراہم کو خرچ نہ کریں بلکہ انکے منافع کو خرچ کریں یا ان سے کوئی چیز خرید کر اس کے منافع کو فقراء پر خرچ کریں، وتفصیلہ فی الشامیۃ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۳ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۸۹ھ

مدرسہ میں دی ہوئی رقم واپس لینا :

سوال : ایک مدرسہ میں رقم دی گئی، مگر بعد میں تحقیق ہوئی کہ مدرسہ کا کام صحیح اصولوں پر نہیں ہو رہا، مدرسہ کے منتظمین بھی قابل اعتماد نہیں، کیا رقم ان سے لے کر کسی دوسرے دینی مدرسہ پر صرف کی جا سکتی ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

چندہ کی رقم مدرسہ میں داخل ہونے سے معطین کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے کما حررت فی رسالتی "القول البدیع فی احکام التوزیع" لہٰذا دی ہوئی رقم واپس نہیں لی جا سکتی۔

اہل ناظر پر فرض ہے کہ منتظمین مدرسہ کی اصلاح کی کوشش کریں، اگر وہ اصلاح قبول نہ کریں تو انہیں معزول کرکے نظم کسی صالح شخص یا جماعت مسلمین کے سپرد کریں۔
واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ محرم سنہ ۹۰ھ

مدرسہ کی رقم قرض دینا :

سوال : مدرسہ کی جمع شدہ رقم میں سے کسی کو قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، اگر مہتمم نے ایسی خیانت کی تو وہ فاسق واجب العزل ہوگا اور اس رقم کا ضامن ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الآخر سنہ ۱۹ھ

وقف مشاع جائز نہیں :

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین متین دریں مسئلہ کہ وقف مشاع جائز ہے یا نہیں۔ مفتی بہ قول کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مفتی بہ قول پر وقف مشاع جائز نہیں۔

قال الامام الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : ویفرز فلا یجوز وقف مشاع یقسم خلافا للثانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ ھذا بیان) واختار المصنف تبعا لعامۃ المشایخ وعلیہ الفتوی وکثیر من المشایخ اخذوا بقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ وقالوا ان علیہ الفتوی (رد المحتار ص۳۹۹ ج۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ رجب سنہ ۱۳۹۳ھ

قبرستان کے درختوں کے پھل کا حکم :

سوال : ایک شخص نے اپنی زمین میں سے کچھ حصہ قبرستان کے لئے وقف کر دیا ہے، اس میں کئی درخت ہیں جن میں ایک درخت اخروٹ کا بھی ہے، آیا پھل

یا درختوں کا استعمال کسی کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر واقف نے صرف زمین وقف کی ہے درخت وقف نہیں کئے تو وہ اسی کی ملک ہیں، اس کی اجازت کے بغیر ان کی کوئی چیز استعمال کرنا جائز نہیں، مگر اس کو مجبور کیا جائیگا کہ ان درختوں کو اکھاڑ کر قبرستان کی زمین فارغ کر دے۔

اور اگر زمین کے ساتھ درخت بھی وقف کئے ہیں تو جو وقف کا مصرف ہے وہی ان درختوں کا بھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ

قبرستان کے درخت کاٹنا:

سوال: قبرستان کے درخت کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جن درختوں کے متعلق لوگوں کو شرکیہ عقیدہ ہو کہ یہ فلاں بزرگ یا فلاں پیر صاحب کے درخت ہیں جو انہیں ہاتھ لگائے گا اس پر آفت آجائے گی۔ ان کا کاٹنا عقیدۂ شرکیہ کے ابطال کے لئے ضروری ہے، مگر انہیں فروخت کرکے ان کی قیمت اسی قبرستان پر خرچ کی جائے، اگر اس قبرستان میں کوئی مصرف نہ ہو تو دوسرے کسی قریب تر قبرستان پر لگائی جائے یہ حکم جب ہے کہ درخت خودرو ہوں، اگر کسی شخص نے لگائے ہیں تو وہ اسکی ملک ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ ذی القعدہ ۱۳۹۵ھ

قبرستان کے درخت سے مسواک کاٹنا:

سوال: قبرستان میں جھاؤ کے بہت سے درخت ہیں، ان سے مسواک کے لئے لکڑی کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ منع کرنے والا بھی کوئی نہ ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ قبرستان وقف ہے تو اس کے خودرو درخت بھی وقف ہیں، ان سے مصارف وقف کے سوا کوئی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ

وقف میں تاحیات خود منتفع ہونے کی شرط :

سوال : ایک شخص ضعیف العمر بحالت صحت اپنا مکان کسی دینی مدرسہ پر وقف کرنا چاہتا ہے، تاحیات خود اپنے استعمال میں رکھنا چاہتا ہے، ان کا صرف ایک بھانجا اور ایک بھانجی ہے باقی نہ بہن ہے نہ بھائی نہ بال بچے بیوی سب فوت ہوچکے ہیں۔ لہٰذا ایصال ثواب کے لئے وہ وقف کرنا چاہتے ہیں، اس لئے کہ ان کو دوسرے وارثوں سے کوئی امید نہیں ہے ایصال ثواب کی۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

وقف میں تاحیات خود منتفع ہونے کی شرط لگانا جائز ہے، مگر نفس وقف اس شرط سے جائز ہے کہ وارث غنی ہوں اور ان کو محروم کرنا مقصود نہ ہو بلکہ ثواب کا ارادہ ہو۔

قال فی التنویر وشرحه (وجاز جعل غلة الوقف) او الولایة (لنفسه عند الثانی) وعلیه الفتوی (رد المحتار ص ۴۲۳ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذی القعدہ ۹۵ھ

سوال مثل بالا :

سوال : میرا دو منزلہ مکان ہے جسے للہ وقف کرنا چاہتی ہوں، نچلی منزل کرایہ پر اٹھی ہوئی ہے اوپر کی منزل میں اپنے تینوں بیٹوں سمیت رہتی ہوں، میری دو بیٹیاں بھی ہیں جن کا میری جائداد میں کوئی حق نہیں اس لئے کہ ان کو نقد روپیہ زندگی میں دے چکی ہوں، اپنا یہ پورا مکان مسجد کے لئے وقف کرنا چاہتی ہوں مگر اس شرط سے کہ میرے تیسرے بیٹے شاہد علی کے مصارف بھی بذمہ مسجد ہوں گے نیز اس مکان پر ابھی چالیس ہزار روپے قرض ہے یہ رقم بھی مسجد ادا کریگی، نیز مکان کی ضروری مرمت اور بقیہ حصہ کی تعمیر بھی مسجد کریگی کیا اس صورت میں یہ وقف مسجد کیلئے صحیح ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آپ کی وفات کے بعد لڑکیاں بھی ترکہ سے حصہ پائیں گی، زندگی میں کسی وارث کو روپیہ وغیرہ دیدینے سے وہ وراثت سے محروم نہیں ہوتا۔

وقف اس طرح کریں :

" میرا مکان میری وفات کے بعد فلاں مسجد کے لئے ان شرائط کے ساتھ وقف ہے :

(۱) اس مکان کے سلسلہ میں مجھ پر جو قرض ہے اس کی آمدن سے پہلے وہ قرض ادا کیا جائے۔

(۲) میرے لڑکے شاہد علی کے سعادت مکان کے کرایہ سے ادا کئے جائیں اور زائد رقم مسجد کو دی جائے۔

(۳) شاہد علی کے انتقال کے بعد اس مکان کی پوری آمدن مسجد پر خرچ کی جائے۔"

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ محرم [illegible]

وقف کی زمین کا بدلنا جائز نہیں:

سوال: جنازہ گاہ کی جگہ غیر موزوں یعنی نشیبی زمین میں واقع ہے اور غیر مسقف بھی ہے کیا اس کو متبادل مناسب زمین کی طرف منتقل کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ جگہ نماز جنازہ کے لئے وقف ہے تو اس کا بدلنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ محرم [illegible]

حکم الوقف علی الاقارب:

سوال: زید لاولد ہے اور اس کا ایک ذاتی مکان ہے جس کا وہ کرایہ وصول کرتا ہے اس کے رشتہ داروں میں تین بھائی اور تین بہنیں زندہ ہیں جن میں کچھ تو نگر اور کچھ مفلس ہیں اسی طرح ایک مرحوم بھائی کی اولاد موجود ہے جو مالی لحاظ سے تنگ حال ہے۔ اب زید کا ارادہ ہے کہ وہ تاحین حیات اس مکان سے خود نفع اٹھاتا رہے۔ اس کے بعد یہ مکان ورثہ میں تقسیم نہ ہو بلکہ ورثہ کرایہ وصول کرتے رہیں اور متوفی زید کیلئے صدقہ جاریہ رہے۔ کیا ایسی صورت شرعاً ممکن ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زید اپنی جائداد اس طرح وقف کرے:

۱ جب تک زید زندہ ہے اس وقت تک اس کے منافع وہ خود لیگا۔

۲ زید کے انتقال کے بعد اس جائداد کے منافع زید کے اقارب میں سے مساکین کو ملیں گے۔

اگر زید کے اقارب میں سے کوئی مسکین نہ رہے تو عامۃ المسلمین میں سے مساکین پر صرف کئے جائیں گے واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ

مسجد کے لئے وصیت کو مدرسہ پر صرف کرنا جائز نہیں:

سوال: زید نے وصیت کی کہ میرا مکان میرے مرنے کے بعد مسجد میں دیدینا مطلب یہ ہے کہ اس کی قیمت مسجد میں صرف کر دینا یا اس مکان کو مسجد میں ملا دینا، مسجد کے برابر یہ مکان ہے، اب مرنے کے بعد جس کو وصیت کی تھی اس نے کہا کہ مسجدیں تو محلہ میں دو پہلے سے موجود ہیں، مدرسہ کوئی نہیں ہے، لہٰذا بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لئے مدرسہ بنا دینا بہتر ہوگا۔ سب کے مشورے سے مدرسہ بنا دیا گیا تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس مرنے والے کا کوئی بھی وارث نہیں ہے نہ دور کے رشتہ سے نہ قریب کے رشتہ سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

وصیت کے مطابق مسجد ہی میں صرف کرنا ضروری ہے، مدرسہ بنانا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب ۱۳۹۱ ہجری

واقف خود متولی بن سکتا ہے:

سوال: زید نے زمین وقف کی، لیکن کسی متولی کے سپرد نہیں کی، بلکہ خود ہی متولی و منتظم بن گیا، کیا یہ وقف صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

خواہ واقف نے اپنے تولیت کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو بہرکیف وقف اور اس کی تولیت صحیح ہے۔

قال فی التنویر وشرحہ جعل الواقف الولایۃ لنفسہ جاز بالاجماع وکذا لو لم یشترط لاحد فالولایۃ لہ عند الثانی وھو ظاھر المذھب خلافا لما نقلہ المصنف (رد المحتار ص۴۲۹ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۳ صفر ۱۳۹۸ھ

مدرسہ دینیہ کے لئے وقف زمین میں اسکول بنانا جائز نہیں :

سوال : ایک زمین محض ایک دینی درسگاہ کے لئے وقف کی گئی ہے اس زمین پر حکومت قبضہ کرکے ہائی اسکول بنا رہی ہے اور شہر کے لوگ بھی کوشش کر رہے ہیں کہ اسکول بن جائے، سوالات یہ ہیں :

(۱) مذکورہ زمین پر حکومت قبضہ کرکے ہائی اسکول بنا سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) جو لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ اسکول بن جائے انکے متعلق کیا حکم ہے؟

(۳) اگر متولی اجازت دیدے تو اسکول بنانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

علوم دینیہ کے لئے جو زمین وقف ہے اس کو کسی دوسرے مصرف میں لانا حرام ہے، حکومت، شہر کے لوگوں اور متولی کسی کو بھی اس میں اسکول بنانے کا حق نہیں، جو لوگ ایسی کوشش کر رہے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں۔

اگر متولی نے اجازت دی تو وہ بد دیانت و خائن ہونے کی وجہ سے واجب العزل ہوگا۔

حکومت پر فرض ہے کہ اوقاف اسلامیہ کی حفاظت کرے نہ یہ کہ وہ ایسا غاصبانہ اقدام کرکے دین کو نقصان پہنچائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ

ورثہ محتاج ہوں تو وقف کرنا جائز نہیں :

سوال : بکر نے اپنی زندگی میں ایک مکان مسجد کے نام اشٹامپ پر لکھ دیا اور یہ شرط رکھی کہ جب تک میں اور میری بیوی زندہ رہیں گے اس مکان میں رہیں گے اور جب ہمارا انتقال ہو جائے گا تو مکان مسجد کے حوالہ کر دیا جائے خواہ اس کو مسجد والے فروخت کر دیں یا اس کو کرایہ پر دیں۔ سوال یہ ہے کہ بکر نے مکان مسجد کے نام کرکے ورثہ کو محروم کر دیا کیا شرعاً اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بکر کے وارث محتاج ہیں تو بکر اس وقف سے گنہگار ہوگا ورنہ نہیں۔ وقف بہرحال نافذ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ

بدون قبض وقف صحیح ہے:

سوال: زید نے اپنا مکان مسجد کو دیدیا اور اسٹامپ پر دو گواہوں کے سامنے لکھوا دیا، اب زید کا انتقال ہوگیا تو کیا اب اس کی زوجہ انکار کرسکتی ہے کہ میں مکان مسجد کو نہیں دیتی؟ جبکہ ابھی قبضہ مکان پر زید کی بیوی کا ہے اور زید کی بیوی نے اس مکان میں سے اپنا حصہ بھی مسجد کو دیدیا تھا اور کاغذ لکھوا کر اپنا انگوٹھا ثبت کردیا تھا، تو کیا مسجد کو قبضہ دینے سے پہلے زید کی زوجہ کا انکار کرنا اور مکان مسجد کو نہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

صحت وقف کے لئے شرط قبض متولی میں اختلاف ہے، دونوں قول مرجح و مفتی بہ ہیں، عدم اشتراط احوط و اسہل و انفع و ارجح ہے، مع ہذا حاجت و حالات پر غور کرکے کسی جانب فتویٰ دینا چاہئے۔

قال التمرتاشی: ولا يتم حتى يقبض ويفرز ويجعل آخره لجهة لا تنقطع.

وقال الحصكفي: هذا بيان شرائط الخاصة على قول محمد لانه كالصدقة وجعله ابو يوسف كالاعتاق واختلف الترجيح والاخذ بقول الثاني احوط واسهل بحر، وفي الدرر وصدر الشريعة وبه يفتى واقره المصنف.

وقال ابن عابدين تحت (قوله هذا بيان) واختاره المصنف تبعا لعامة المشايخ وعليه الفتوى وكثير من المشايخ اخذوا بقول ابي يوسف وقالوا ان عليه الفتوى ولم يرجح احد قول الامام (قوله واختلف الترجيح) مع التصريح في كل منهما بان الفتوى عليه لكن في الفتح ان قول ابي يوسف اوجه عند المحققين (رد المحتار ص [illegible] ج ۳)

وقال الطحطاوي: (قوله واختلف الترجيح) اي والافتاء ايضا كما في البحر ومقتضاه ان القاضي والمفتي مخيران في العمل بايهما كان ومقتضى قولهم يفتى بالانفع للوقف ان لا يعدل عن قول الثاني لان فيه ابقاءه بمجرد القول فلا يجوز نقضه۔

(حاشية الطحطاوي ص [illegible] ج ۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ [illegible] ھ

عیدگاہ میں اسکول بنانا:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ عیدگاہ کی جگہ پر اسکول بنایا جائے اور عیدگاہ کے لئے دوسری جگہ متعین کی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر عیدگاہ وقف ہے تو اس میں اسکول بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ جہت وقف کا بدلنا صحیح نہیں، ولان شرط الواقف کنص الشارع۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ صفر سنہ ۸۷ھ

مسجد کے پرانے کواڑ اور دروازے:

سوال: ایک مسجد کو تنگ ہونے کی وجہ سے گرا کر نئی مسجد تعمیر کی جا رہی ہے، اس سے نکلے ہوئے دروازے اور کواڑ وغیرہ فروخت کر کے رقم اس مسجد پر خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مسجد سے نکلے ہوئے دروازے اور کواڑ وغیرہ اگر بعینہ مسجد میں کام نہیں آ سکتے تو جماعۃ المسلمین کے اتفاق سے انہیں فروخت کر کے مسجد پر خرچ کرنا جائز ہے۔

قال فی الھندیۃ: اھل المسجد لو باعوا غلۃ المسجد او نقض المسجد بغیر اذن القاضی الاصح انہ لا یجوز کذا فی السراجیۃ (عالمگیریۃ جلد ۲ ص ۴۶۴)

قلت لعل ان یصح باذن القاضی۔

وفی الشامیۃ فافاد [illegible] وفی فتاوی النسفی سئل شیخ الاسلام عن اھل قریۃ رحلوا و تداعی مسجدھا الی الخراب وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبہ وینقلونہ الی دورھم ھل لواحد لاھل المحلۃ ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفہ الی بعض

بالمسلمین والی هذا المسجد قال نعم

وقال قلیل هذا الا سیما فی زماننا فان المسجد وغیره من رباط او حوض یأخذ انقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد (رد المحتار ج ۳ کتاب الوقف)

قلت فی زماننا جماعة المسلمین بمنزلة القاضی لان ولایته مستفاد منهم فکانهم وکانهم هو، فان حکام زماننا لا یبحثون بمثل هذه الامور الدینیة، والله تعالیٰ اعلم

۱۱ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۲ھ

مسجد کی پرانی دریاں:

سوال: کیا مسجد کے نئے یا غیر مستعمل فرش یا مستعمل اور خستہ حال فرش کو بیچ کر اس کی قیمت میں مزید روپیہ ملا کر نسبۃً بہتر فرش رکھنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قالین، دریاں، چٹائیاں وغیرہ یعنی ایسی چیزیں جو مسجد کی تعمیر میں داخل نہیں وہ بوقت استغناء معطی کی ملک میں داخل ہو جاتی ہیں لہٰذا اس کی اجازت سے انہیں بیچ سکتے ہیں، اگر وہ نہ ہو تو اس کا وارث، اور وارث بھی نہ ہو یا مالک معلوم نہ ہو تو باجازت قاضی یا باتفاق جماعت مسلمین بیع جائز ہے۔

قال فی وقف الهندیة: ذکر ابو اللیث رحمه الله تعالیٰ فی نوازله: حصیر المسجد اذا صار خلقا واستغنی اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان کان الطارح حیا فهو له وان کان میتا ولم یدع وارثا ارجوا ان لا بأس ان یدفع اهل المسجد الی فقیر او ینتفعوا به فی شراء حصیر آخر للمسجد والمختار انه لا یجوز لهم ان یفعلوا ذلک بغیر امر القاضی کذا فی فتاوی قاضی خان (عالمگیریة ج ۲)

اگر ایسی چیزیں مال وقف سے ہوں تو منتظمین ان کو فروخت کر کے مسجد پر صرف کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳ صفر سنہ ۱۳۹۳ھ

وقف علی المسجد میں قبر بنانا:

یہ مسئلہ کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے۔

سرکاری زمین میں بلا اجازت مسجد کا بڑھانا:

سوال: ایک مسجد تنگ ہے، اس کے بڑھانے کی سخت ضرورت ہے، لوگ بیچارے بہت پریشان ہیں، مگر مسجد کے ساتھ متصل سرکاری زمین ہے اور گورنمنٹ مسجد کو بڑھانے کی اجازت نہیں دیتی، اس صورت میں بلا اجازت مسجد کو وسیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

حکومت پر مساجد کا انتظام اور تعمیر بقدر ضرورت فرض ہے، معہذا اگر حکومت اپنے یہ فرض ادا نہیں کرتی تو بلا اذن حکومت زمین پر تعمیر جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

ایک مسجد کا سامان دوسری میں منتقل کرنا:

سوال: ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کے کام میں لایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

مسجد کا سامان دو قسم کا ہوتا ہے:

ایک وہ جس کا تعلق مسجد کی بنا سے ہو جیسے اینٹیں، گارڈر، دروازے وغیرہ، اسے انقاض المسجد کہا جاتا ہے، ایسے سامان کا حکم یہ ہے کہ اگر مسجد آباد ہے اور اس میں نماز پڑھی جاتی ہے تو اس مسجد کا ایسا سامان دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں، اس کو بعینہا یا بیچ کر اس کی قیمت اسی مسجد میں صرف کی جائے۔

قال ابن عابدین رحمه الله تعالى: والفتوى على ان المسجد لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر (رد المحتار ص ... ج ۳ کتاب الوقف مطلب في نقل انقاض المسجد)

دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد غیر آباد ہو جائے کہ کوئی بھی اس میں نماز نہیں پڑھتا، مثلاً مسجد کے گرد و نواح کے لوگ وہ علاقہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ جا بسے ہوں جس کی وجہ سے مسجد بالکل ویران پڑی ہو تو ایسی حالت میں اس مسجد کی اینٹیں، گارڈر اور دروازے وغیرہ غیر آباد مسجد سے منتقل کر کے دوسری مسجد کی طرف نقل کئے جا سکتے ہیں۔

قال في الهندية: اهل المسجد لو باعوا غلة المسجد او نقض المسجد بغير اذن

القاضي لا للإمام إنما يجوز كذا في السراجية (عالمگیریہ جلد ۲ ص ۴۷۹)

قلت فعلم أنه يجوز بإذن القاضي

وقال في الشامية: ناقلا عن فتاوى النسفي سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشبه وينقلونه إلى دورهم هل لواحد لأهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد قال نعم.

وقال فليحفظ هذا لأنه في زماننا فإن المساجد وغيرها من رباط وحوض يأخذ أنقاضه اللصوص والمتغلبون كما هو مشاهد (رد المحتار كتاب الوقف ج ۳)

مسجد کا دوسری قسم کا سامان جس کا بنا مسجد میں کوئی دخل نہیں جیسے چٹائی اور فانوس وغیرہ اسے آلات مسجد کہا جاتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس مسجد میں ضرورت نہیں تو اس کا دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز ہے بشرطیکہ واقف بھی اجازت دے، اس لئے کہ ایسا سامان بوقت استغنا ملک واقف میں عود کر آتا ہے۔ لہٰذا واقف کا اذن ضروری ہے۔

قال في الشامية تحت (قوله ومثله حشيش المسجد الخ) قال الزيلعي وعلى هذا حصير المسجد وحشيشه إذا استغني عنهما يرجع إلى مالكه عند محمد رحمه الله تعالى وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى ينقل إلى مسجد آخر وعلى هذا الخلاف الرباط والبئر إذا لم ينتفع بهما اهـ وصرح في الخانية أن الفتوى على قول محمد رحمه الله تعالى قال في البحر وبه علم أن الفتوى على قول محمد رحمه الله تعالى في آلات المسجد (رد المحتار ج ۳)

والله تعالیٰ اعلم

سلخ رجب سنہ ۲۰ھ

ایک مسجد سے قرآن دوسری میں منتقل کرنا:

یہ مسئلہ کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔

پرانے قبرستان پر مسجد بنانا:

یہ مسئلہ بھی کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔

عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں:

سوال: کیا عیدگاہ بھی بحکم مسجد ہے؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جمیع احکام میں عیدگاہ کا بحکم مسجد ہونا مختلف فیہ ہے، شامیہ سے جمیع احکام میں بحکم مسجد ہونے کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور ھو احوط ومقابلہ اوسع۔

قال فی شرح التنویر واما المتخذ لصلوۃ جنازۃ او عید فھو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتی نھایۃ۔

وفی الشامیۃ (قولہ بہ یفتی نھایۃ) عبارۃ النھایۃ والمختار للفتوی انہ مسجد فی حق جواز الاقتداء الخ (وبعد سطرین) ومقابل ھذا المختار ما صححہ فی المحیط فی مصلی الجنازۃ انہ لیس لہ حکم المسجد اصلا وما صححہ تاج الشریعۃ ان مصلی العید لہ حکم المساجد وتمامہ فی الشرنبلالیۃ (رد المحتار ج۱)

وایضا فی کتاب الوقف منھا (قولہ والمصلی) شمل الجنازۃ ومصلی العید قال بعضھم یکون مسجدا حتی اذا مات لا یورث عنہ وقال بعضھم ھذا فی مصلی الجنازۃ اما مصلی العید فلا یکون مسجدا مطلقا وانما یعطی لہ حکم المسجد فی صحۃ الاقتداء بالامام وان کان منفصلا عن الصفوف وفیما سوی ذلک فلیس لہ حکم المسجد وقال بعضھم یکون مسجدا حال اداء الصلاۃ لا غیر وھو والجبانۃ سواء ویجنب ھذا المکان عما یجنب عنہ المساجد احتیاطا اھ خانیۃ واسعاف والظاھر ترجیح الاول لانہ فی الخانیۃ یقدم الاشھر (رد المحتار ج۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شوال سنہ ۳ ھ

عیدگاہ میں کھیلنا کودنا:

سوال: عیدگاہ میں کھیلنا کودنا یا اس میں دعوت وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب

عیدگاہ کا احترام بہرکیف واجب ہے اگرچہ اس کے مسجد ہونے میں اختلاف ہے، مگر بے حرمتی سے حفاظت بہرحال ضروری ہے۔ لہٰذا امور مسئولہ کی اجازت نہیں،

قال فی الشامیۃ (قولہ بہ یفتی نھایۃ) عبارۃ النھایۃ والمختار للفتوی انہ مسجد فی حق جواز الاقتداء الخ لکن قال فی البحر ظاھرہ انہ یجوز الوطء والبول والتخلی فیہ ولا یخفی ما فیہ فان البانی لم یعدہ لذلک فینبغی ان لا یجوز وان حکمنا بکونہ

فهو مسجد وان لم تظهر فائدته فی حق بقیة الاحکام وحل دخوله للجنب والحائض اھ
(ردالمحتار ج ۱)

وایضا فی کتاب الوقف: یمنعها عن الخزانة ویجب نقل المکان عما یجب تعظیمه المساجد الحقیقیة اھ (ردالمحتار ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ شوال سنہ ۲ھ

بناء مسجد کی نذر:

یہ مسئلہ کتاب النذر والیمین میں گزر چکا ہے۔

مسجد میں وضوء کے لئے ٹنکی بنانا:

سوال: شریعت مطہرہ کا حکم اس بارہ میں کیا ہے کہ مسجد کے ایک کونے میں وضوء کے لئے ٹنکی بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اگر یہ جگہ ابتداء ہی سے مسجد میں داخل نہ کی جاتی تو اس میں ٹنکی بنانا جائز تھا، مسجد میں داخل کرنے کے بعد اس میں ٹنکی بنانا اور مسجد سے خارج کرنا جائز نہیں۔ اگر مسجد کی حدود متعین کرکے زبان سے بھی اس کا اظہار کر دیا کہ اتنی جگہ مسجد ہے اس کے بعد بانی مسجد نے کہا کہ اس جگہ شروع ہی سے میری نیت ٹنکی بنوانے کی تھی تو اس کا یہ قول قبول نہ کیا جائے گا، سو جب بانی مسجد کا ابتداء ہی سے اس جگہ کو وضوء کے لئے معین کرنا ثابت نہ ہو تو یہ جگہ مسجد میں داخل رہے گی اور مسجد میں وضوء کا پانی گرانا جائز نہیں۔

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وضوء کا پانی فرش مسجد سے نیچے نالی میں گرے گا، اس لئے کہ تحت الثری سے عنان السماء تک یہ جگہ بحکم مسجد ہے۔

نیز ٹنکی بنانے سے نمازیوں پر تضییق ہوگی جو ممنوع ہے، اگر مسجد وسیع ہو اور ٹنکی بنانے کے باوجود نمازیوں پر تضییق کا خطرہ نہ ہو تو بھی ما اعد للصلوٰۃ کو مشغول کرنا جائز نہیں۔

قال فی البحر لو بنی بیتا علی سطح المسجد لسکنی الامام فانه لا یضر فی کونه مسجدا لانه من المصالح، فان قلت لو جعل مسجدا ثم اراد ان یبنی فوقه بیتا للامام او غیره هل له ذلک قلت فی التتارخانیة: اذا بنی مسجدا وبنی فوقه وهو

اى المسجد فى يده كان له ذلك وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك يبنى لا يترك وفى جامع الفتاوى اذا قال عنيت ذلك فانه لا يصدق (البحر الرائق كتاب الوقف ج ۵)

وقال شارح التنوير فى بيان مكروهات المسجد والوضوء الا فيما اعد لذلك۔

وفى الشامية (قوله والوضوء) لان ماءه مستقذر طبعا فيجب تنزيه المسجد عنه كما يجب تنزيهه عن المخاط والبلغم بدائع (رد المحتار ج ۱)

وايضا فى الشرح لانه مسجد الى عنان السماء۔

وفى الشامية وكذا الى تحت الثرى (رد المحتار ج ۱)

وفى الشامية فى بيان الاشجار فى المسجد ولا يضيق على الناس ولا يجد بواسطى لان فيه شغل ما اعد للصلوة ونحوها وان كان المسجد واسعا (رد المحتار ج ۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

۷ محرم سنہ ۷۳ھ

مشترک زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا:

سوال: ایک مشترک زمین میں ایک شخص نے مسجد بنوائی جس میں شریک ثانی کے روبرو اذان وجماعت ہوتی رہی، تقریباً پانچ برس گزرنے کے بعد شریک ثانی اپنا حصہ مسجد میں دینے سے انکار کرتا ہے تو یہ مسجد شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

قال فى شرح التنوير باع الفضولى ملك رجل والمالك ساكت حيث لا يكون سكوته رضا عندنا۔

وفى الشامية عن فتاوى امين الدين عن المحيط اذا اشترى سلعة من فضولى وقبض المشترى المبيع بحضرة صاحب السلعة فسكت يكون رضا اه ومثله فى البزازية عن المحيط ايضا ثم لا يخفى ان محل ما هنا ما اذا لم يقبض السلعة بحضرة صاحبها وهو ساكت (رد المحتار مسائل شتى ج ۵ ص ۴۵۰)

وايضا فيها (قبيل هذا) ومثله البيع الموقوف۔

وايضا فيها (قوله حاضر) المراد من الحضور الاطلاع۔

وفی شرح التنویر فی احکام المسجد من کتاب الوقف وشرط محمد والامام رحمهما الله تعالیٰ الصلوٰة فیه بجماعة .

وفی الشامیة (قوله بجماعة) لانه لابد من التسلیم عندهما خلافا لابی یوسف رحمه الله تعالیٰ وتسلیم کل شیء بحسبه ففی المقبرة بدفن واحد وفی السقایة بشربه وفی الخان بنزوله واشتراط الجماعة لانها المقصودة من المسجد ولذا شرط ان تکون جهرا باذان واقامة والا لم یصر مسجدا (الی قوله) ولو اتحد الامام والمؤذن وصلی فیه وحده صار مسجدا بالاتفاق لان الاداء علی هذا الوجه کالجماعة قال فی النهر واذ قد عرفت ان الصلوٰة فیه اقیمت مقام التسلیم علمت انه بالتسلیم الی المتولی یکون مسجدا دونها ای دون الصلوٰة (الی قوله) وکذا لو سلمه الی القاضی او نائبه .

(رد المحتار ص ۳۷۱ ج ۳)

وفی شرکة شرح التنویر وکل من شریکی ملک اجنبی فی مال صاحبه لعدم تضمنها الوکالة (رد المحتار ص ۳۴۶ ج ۳)

ان جزئیات سے امور ذیل مستفاد ہوئے :

(۱) شرکت عین میں ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی اور فضولی ہے ۔

(۲) بیع الفضولی مع قبض المشتری وحضور المالک دال علی الرضا ہے ۔

(۳) اطلاع مالک بحکم حضور ہے ۔

(۴) وقف موقوف علی الاجازۃ ہونے میں عموماً اور مسجد ملک ہونے میں خصوصاً بحکم بیع ہے۔

(۵) مسجد میں صلوٰۃ مع الجماعۃ بمنزلہ تسلیم وقبض ہے ۔

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مسجد شرعی ہوچکی ہے ۔ اب اس میں شریک کا دعویٰ غیر مسموع ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۰ ربیع الاول سنہ ۸۵ھ

حرام مال سے تعمیر کردہ مسجد کا حکم :

سوال : ایک مسجد زنا کی آمدنی سے تیار کی گئی ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا بالبرهان توجروا عند الرحمٰن

الجواب ومنه الصدق والصواب

حرام مال مسجد پر صرف کرنے کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کا حکم بھی مختلف ۔

① حرام مال سے مسجد کی زمین نہ خریدی گئی ہو، بلکہ دیواروں پر خرچ کیا ہو، اس صورت کے بارے میں بعض اکابر نے تحریر فرمایا ہے:

"اس میں نماز پڑھتے وقت حرام کا استعمال نہیں پایا جاتا اس لئے اس میں نماز درست ہے، مگر حرام مال مسجد پر صرف کرنے کا گناہ ہوگا، لہٰذا مال حرام سے تعمیر کردہ دیواریں گرا کر حلال مال سے دوبارہ تعمیر کرنا ضروری ہے۔

قال فی النهایة (قوله لو بماله الحلال) قال تاج الشریعة اما لو انفق فی ذلک مالا خبیثا او مالا سببه الخبیث والطیب فیکره لان الله تعالیٰ لا یقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله اھ شرنبلالیة (رد المحتار)"

قول عدم استعمال خلاف ظاہر ہے، لہٰذا اس صورت کا حکم بھی صورت ثانیہ کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

② اگر حرام مال فرش پر لگایا گیا تو نماز پڑھنے سے حرام کا استعمال ہوگا، لہٰذا اسمیں نماز مکروہ تحریمی ہے، اس کا تدارک یوں ہو سکتا ہے کہ حرام مال سے تیار کردہ فرش اکھاڑ کر طیب مال سے فرش لگایا جائے۔

③ اگر حرام مال سے زمین خرید کر اس پر مسجد بنائی گئی تو اس میں بھی استعمال حرام کی وجہ سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور اس کا تدارک بھی ممکن نہیں، مگر چونکہ اس کا وقف صحیح ہو چکا ہے اس لئے بیع اول کا استرداد کرکے دوبارہ مال طیب سے اشتراء نہیں کیا جا سکتا۔

یہ مسجد اگرچہ غیر مقبول ہے، لحدیث ان الله طیب لا یقبل الا طیبا۔ مگر اس کے باوجود اس کی مسجدیت میں کوئی شبہ نہیں، لہٰذا اس کی بے حرمتی جائز نہیں۔

مسجد کے لئے صرف یہ شرط ہے کہ موقوف للصلوٰۃ ہو، اور صحت وقف کے لئے تامّ عن ملک الغیر ہونا شرط ہے۔ یہ شرائط ایسی مسجد میں موجود ہیں، کشاف اور مدارک کے جزئیہ "قیل کل مسجد بنی مباهاة او ریاء وسمعة او لغرض سوی ابتغاء وجه الله او بمال غیر طیب فهو لاحق بمسجد الضرار" سے شبہ نہ کیا جائے، اس لئے کہ:

اولاً تو یہ قول "قیل" سے منقول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثانیاً اسے غیر مقبول ہونے پر محمول کرنا واجب ہے، یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ یہ مسجد

ہی نہیں، اس لئے کہ مسجدیت کے شرائط موجود ہیں،

غرضیکہ اس مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اس کی بے حرمتی بھی جائز نہیں، اور نہ ہی اس کے تدارک کی کوئی صورت نظر آرہی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید اوراق مغصوبہ پر لکھا گیا ہو تو اس کا پڑھنا جائز نہیں، بلزوم استعمال الحرام اور اس کی بے حرمتی بھی جائز نہیں، لانہ قرآن، واللہ تعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الآخر سنہ ۹۷ھ

عیدگاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا:

سوال: یہاں مدرسہ عربیہ میں تعمیرات کی تنگی ہے اور عیدگاہ بہت وسیع ہے اس کا کچھ حصہ کاشت کر دیا جاتا ہے اور اس کی آمدنی عیدگاہ پر خرچ کی جاتی ہے، خیال ہے کہ اگر مدرسہ کی تعمیر کے لئے عیدگاہ کی فاضل اراضی کا استعمال کرنا شرعاً جائز ہو تو مدرسہ کا کام وسیع پیمانہ پر چلایا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق ایک استفتاء مرتب کر کے بعض حضرات علماء کی خدمت میں بھیجا گیا تھا، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے بلاشک جواز کا حکم دیا، لیکن خیر المدارس کے دارالافتاء سے اور سہارنپور سے جو جواب آیا، انھوں نے شرط الواقف کنص الشارع کی عبارت پیش کر کے اس کو خلاف شرط قرار دے کر عدم جواز کا حکم دیا، پھر حضرت مولانا خیر محمد صاحب یہاں تشریف لائے، ان سے گفتگو ہوئی، وہ بھی چاہتے یہ تھے کہ اگر مسئلہ کی گنجائش نکالی جا سکے تو ضرورت تو واقعی یہ ہے کہ مدرسہ منتقل کر دیا جائے اور انھوں نے فرمایا کہ آپ کی خدمت میں استفتاء بھیج دو، آپ مفصل جواب دیدیں گے۔ لہٰذا عرض ہے کہ آپ تفصیلی جواب عطاء فرمائیں۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

بندہ نے صورت مسئلہ میں بار بار غور کیا مگر سمجھ میں یہی آیا کہ عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا جائز نہیں، ہرچند سوچنے کے باوجود مجوزین حضرات کے خیال کی بناء سمجھ میں نہیں آتی، اگر آپ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کے اختیار کے دلائل تحریر فرما دیتے تو اس پر کچھ غور کر سکتا، بہرکیف مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہے جس میں ذرہ برابر شک و شبہہ کی گنجائش نہیں، معہذا جو امور موجب

خلجان ہوسکتے ہیں اثناء جواب میں ان کی تنقیح بھی کردی ہے۔

قال في الشامية فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية وله أن يخص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربة (رد المحتار ص ۳۹۹ ج ۳)

وقال في الشرح اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم أن يصرف من فاضل الوقف الآخر عليه وإن اختلف أحدهما لا (رد المحتار ص ۴۱۵ ج ۳)

معلوم ہوا کہ شروط واقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں،
خود واقف بھی اپنی شرط کے خلاف نہیں کرسکتا۔

قال في شرح التنوير وقف ضيعة على الفقراء ثم قال لوليه أعط من غلتها فلانا كذا أو فلانا كذا لم يجز لخروجه عن ملكه بالتسجيل (رد المحتار ص ۵۱۰ ج ۳)

در مختار کے مندرجہ بالا جزئیہ کے بعد "أن للواقف الرجوع في الشرط ولو مسجدا" (رد المحتار ص ۴۱۵ ج ۳) کے جزئیہ سے شبہ نہ کیا جائے، کیونکہ اسی موقع پر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وفيه كلام سيأتي" چنانچہ آگے چل کر ایک موقع پر نہایت بسط سے اس کی تحقیق فرمائی ہے جس سے چند اقتباسات تحریر کئے جاتے ہیں:

لا يجوز أن يفعل إلا ما شرط وقت العقد۔

وما كان من شرط معتبر في الوقف فليس للواقف تغييره ولا تخصيصه بعد تقرره ولا سيما بعد الحكم الخ (رد المحتار ص ۵۹۷ ج ۳)

غرضیکہ خود واقف بھی جہت وقف کو تبدیل نہیں کرسکتا،
اسی طرح حاکم بھی بیت المال کے وقف میں تبدیلی جہت کا اختیار نہیں رکھتا،

قال في شرح التنوير إن السلطان يجوز له مخالفة الشرط (إلى أن قال) وإن غاير شرط الواقف لأن أصلها لبيت المال،

وفي الشامية فمن وإن ورد من غلة أوقاف شرطها أن للإمام أو نائبه أن يزيد فيها وينقص ونحو ذلك وليس المراد أنه يصرفها عن الجهة المعينة الخ (رد المحتار ص ۶۰۹ ج ۳)

حاصل یہ کہ جملہ کتب معتبرہ میں وضاحت ہے کہ شرط واقف اور جہت وقف کے خلاف کرنا جائز نہیں، اگر موقوف علیہ سے استغناء ہوچکا ہو تو بھی وقف کی آمدن موقوف علیہ

کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی، اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں۔

قال فی التنویر وشرحه: ومثله حشیش المسجد وحصیره مع الاستغناء عنهما وکذا الرباط والبئر اذا لم ینتفع بهما فیصرف وقف المسجد والرباط والبئر (والحوض شرح) الی اقرب مسجد او رباط او بئر (او حوض شرح) الیه۔

وقال فی الشامیة (قوله الی اقرب مسجد او رباط الخ) لف ونشر مرتب وظاهره انه لا یجوز صرف وقف مسجد خرب الی حوض وعکسه وفی شرح الملتقی یصرف وقفها لاقرب مجانس لها (رد المحتار ص ۳۵۳ ج ۳)

مذکورہ جزئیہ اگرچہ مصرف اول کے خراب ہو جانے سے متعلق ہے مگر مصرف اوّل سے اوقاف کی آمدن اگر بہت زیادہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ اس لئے کہ استغناء دونوں صورتوں کو جامع ہے۔

شرح التنویر مع الشامیۃ ص ۴۲۰ میں یہ جزئیہ ہے:

ویبدأ من غلته بعمارته ثم ما هو اقرب لعمارته کامام مسجد ومدرس مدرسة یعطون بقدر کفایتهم ثم السراج والبساط الی آخر المصالح وان لم یشترطه الواقف لثبوته اقتضاءً۔

اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ وقف مسجد سے مدرس کو دینا جائز ہے، اس سے مقصد یہ ہے کہ وقف مسجد سے امام کو اور وقف مدرسہ سے مدرس کو دینا جائز ہے اس لئے کہ مندرجہ ذیل جزئیہ میں تصریح ہے کہ مسجد پر وقف کرتے وقت اگر مدرس بھی مشروط فی الوقف ہو تو وہ بھی مصارف لازمہ سے نہیں۔

قال فی شرح التنویر: وانما یکون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسة کما مر اما مدرس الجامع فلا لانه لا یتعطل لغیبته بخلاف المدرسة حیث تقفل اصلا۔

(رد المحتار ص ۴۲۵ ج ۳)

خلاصہ یہ کہ محل موقوف علیہ سے استغناء کے وقت بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں، اقرب مجانس پر صرف کرنا ضروری ہے، عالمگیریہ میں بھی اس قسم کا جزئیہ موجود ہے:

سئل شمس الائمة الحلوانی عن مسجد او حوض خرب ولا یحتاج الیه لتفرق الناس هل للقاضی ان یصرف اوقافه الی مسجد آخر او حوض آخر قال نعم ولو لم

بتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارة وهناک مسجد محتاج الی العمارة او علی العکس هل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارة الی عمارة ما هو محتاج الی العمارة قال لا کذا فی المحیط (عالمگیریة ص ۳۵۲ ج ۲)

اس عبارت میں اقرب مجانس کی تصریح نہیں ہے شرح التنویر اور شامیہ کے مذکورہ جزئیات میں وضاحت ہے کہ بحالت استغنا مسجد کا وقف قریب ترین مسجد پر اور حوض کا وقف قریب ترین حوض پر صرف کیا جائے گا۔ وھذا ما جاء فی خاطر ھذا الفقیر والعلم عند اللّٰہ اللطیف الخبیر۔

۱۸ رجب سنہ ۸۷ھ

مسجد کی زمین میں امام کا مکان بنانا:

سوال: ایک مسجد کافی وسیع ہے اس کا کچھ حصہ خارج کرکے اس میں امام مسجد کے لئے مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

جو زمین ایک دفعہ مسجد میں داخل ہو چکی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی کسی بھی ضرورت کے لئے اسے مسجد سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

قال فی شرح التنویر ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی۔

وفی الشامیة (قوله ولو خرب ما حوله الخ) ای ولو مع بقائه عامرا وکذا لو خرب ولیس له ما یعمر به وقد استغنی الناس عنه لبناء مسجد آخر (رد المحتار ص ۵۱۲ ج ۳)

واللّٰہ تعالیٰ اعلم

۱۹ شوال سنہ ۹۰ھ

نزد مسجد بیت الخلاء وغسل خانہ ساختن:

سوال: نزد دیوار مسجد پاخانہ تیار کردہ در آں حاجت می کنند و ہمچنیں غسل خانہ بنا می کنند در بین دو چیز و مسجد چند فاصلہ ضروری ہست؟ بحوالہ کتب جواب دہند۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قال فی الشامیة فی باب مکروھات الصلوٰة لو جعل الواقف تحته بیتا للخلاء هل

یجوز کما فی مسجد محلۃ الشحم فی دمشق لم أر صریحاً نعم سیأتی متناً فی کتاب الوقف انہ لو جعل تحتہ سرداباً لمصالحہ جاز تأمل (رد المحتار ج ۱ ص ۶۱۴)

این جزئیہ دال است بر جواز بناء بیت الخلاء نزد مسجد بلکہ تحت مسجد ہم ابتداءً مگر در این قیاس مع الفارق است چہ کہ بیت الخلاء را باغراض و مصالح مسجد ہیچ گونہ تعلق قریب نیست وما تعلق بوسائط بعیدہ پس باین طور ہر فعل باغراض مسجد متعلق خواہد شد و این مبطل است برائے قید "لمصالحہ"، و نیز بناء بیت الخلاء بقرب مسجد عرفاً خلاف احترام است، و نیز موجب ایذاء مصلیان، و در حدیث آکل ثوم و بصل را از قرب مسجد بالفاظ "فلا یقربن مسجدنا" نہی آمدہ است، و ظاہر است کہ تعفن بیت الخلاء از بوئے ثوم و بصل بدرجہا زیادہ تر است، شاید کہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ بحکم تأمل باین جانب اشارہ فرمودند

ایں چنیں غسل خانہ از اغراض و مصالح مسجد نیست، بلکہ مزید برین موضع اقذار و اوساخ است و بروغیر مصلیان فساق و فجار ہم جمع می شوند، بقرب مسجد ساختن این چنین عمارات ساختن خلاف حرمت مسجد است۔ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ۔۔۔ ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۸ھ

کافر کی متروک جائداد پر مسجد بنانا:

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی طرف جانے والے غیر مسلموں کی اراضی پر مساجد تعمیر کرنا جائز نہیں، اگرچہ حکومت پاکستان کی اجازت سے ہو، دلیل میں آیت قرآنیہ "ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ" بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ قبور مشرکین کی جگہ پر مسجد نبوی تعمیر کی گئی، مولوی صاحب مذکور کا قول اور استدلال کہاں تک صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مولوی صاحب کا قول و استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ غیر مسلم کا اپنی مملوکہ زمین میں بحیثیت قربت مسجد تعمیر کرنا ناجائز ہے۔

قبور مشرکین کی جگہ پر مسجد نبوی کی تعمیر سے جواز تعمیر فی ارض الکفار پر استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت اس زمین کے مالکان اسلام لا چکے تھے، یہ

مقبوضہ ان پر ممنوع تھی۔ تو تعمیر مسجد بیتی ارض مسلم پر ہوئی نہ ارض کافر پر، علاوہ بریں ارض کافر پر بلا شرط منع کو تعمیر مسجد جائز ہے۔ درصورت زیر بحث میں تو ارض کافر بھی نہیں اس لئے کہ دونوں حکومتوں کے باہمی فیصلہ کے بعد یہ حکومت متروکہ جائداد پر قبضہ کرنے کے وقت جتنی ہے اتنی تصرفات میں اصل مالک کی وکیل ہے، لہذا جب غیر مسلم کو اس کی جائداد کا عوض ہندوستان میں مل گیا تو یہ اس جائداد کی بیع بواسطہ وکیل ہوئی۔

اگر انتقال آبادی و معاہدہ شدہ ممالک کے اس معاہدہ کا اعتبار نہ کیا جائے جیسا کہ بعض حضرات کی رائے ہے تو املاک متروکہ کفار کی ہونے کی وجہ سے ملکیت کفار سے خارج ہو گئیں لہذا ہر لحاظ سے متروکہ املاک میں حکومت کی اجازت سے تعمیر مسجد بلا شبہ جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۸۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک شخص کی زمین شہر پریاخاں مرزا سے متصل ہے، اس مالک زمین اور دوسرے مسلمانوں کو مسجد محلہ کی ضرورت ہے، مالک زمین کہتا ہے کہ اس زمین سے مسجد کے لئے جگہ برائے تعمیر وقف کرتا ہوں، مگر اس زمین میں ہندو میرا شریک ہے جو ہندوستان چلا گیا ہے، اس کا حق یوں ادا کروں گا کہ اس زمین سے اس کا حصہ دیدوں گا یا نقد رقم۔ تو اس صورت میں اس زمین میں تعمیر مسجد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

حکومت کو درخواست دیکر اس زمین کو تقسیم کروا کر اپنے حصہ میں مسجد تعمیر کروائی جائے، مزید زمین کی ضرورت پڑے تو ہندو شریک کا حصہ بھی حکومت کی اجازت سے معاوضہ میں لیا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ذی الحجہ سنہ ۸۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال: پاکستان میں غیر مسلم کی متروکہ زمین پر مسجد تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

متروکہ املاک پر حکومت کا قبضہ خواہ بطور استیلاء کیا جائے یا بطور انتظام بمنزلۃ الوکالۃ عن المالک وھو الظاھر، بہرکیف حکومت کے اذن سے متروکہ زمین میں تعمیر مسجد جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۰ ذی الحجہ سنہ ۹۲ ھ

کافر کا مسجد بنانا:

سوال: کافر اگر مسجد تعمیر کرے یا تعمیر مسجد میں چندہ دے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ومنه الصدق والصواب

کافر اگر قربت کی نیت سے مسجد تعمیر کرے یا مسجد کے لئے چندہ دے تو جائز ہے۔ آگے اس میں اختلاف ہے کہ مذہب واقف میں قربت ہونا شرط ہے یا کہ واقف کے خیال وعقیدہ میں قربت ہونا کافی ہے، راجح قول ثانی ہے۔

قال فی الھندیۃ واما سببہ فطلب الزلفی (الی قولہ) واما الاسلام فلیس بشرط

وفی کتاب الوقف من شرح التنویر بدلیل صحتہ من الکافر۔

وفی الشامیۃ حتی یصح من الکافر (الی قولہ) بخلاف الوقف فانہ لا بد فیہ من ان یکون فی صورۃ القربۃ وھو معنی ما یأتی فی قولہ ویشترط ان یکون قربۃ فی ذاتہ اذ لو اشترط کونہ قربۃ حقیقۃ لم یصح من الکافر (رد المحتار ج ۳)

وقف کا تو یہ حکم، وصیت کافر کے بارے میں ہدایہ وغیرہ جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اگر جہت وصیت عند الکافر قربت ہو تو یہ وصیت جائز ہے۔

آیۂ کریمہ ”ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ“ سے کافر کی تعمیر مسجد کے عدم جواز پر استدلال صحیح نہیں، آیت کے سیاق وسباق اور شان نزول پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں مسجد حرام کی تعمیر اور سقایہ حاج پر افتخار مشرکین کا رد ہے، اس طرح کہ مشرکین میں قبول عمل کی شرط (ایمان) موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان کا یہ عمل مقبول نہیں اور عمل غیر مقبول پر فخر کرنا لغو ہے، اس آیت میں جواز وعدم جواز سے کوئی تعرض نہیں، لہٰذا ”للمشرکین“ میں لام جواز نہیں بلکہ استحقاق وصلاحیت کا ہے، وانتفصیل فی بیان القرآن۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین کا اس آیت سے عدم جواز ثابت کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت کے سیاق وسباق وشان نزول کے خلاف ہونے کے علاوہ تصریحات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی معارض ہے اور بوقت معارضہ مفسرین کا قول قابل قبول نہ ہوگا" فانہم لکل فن رجال"

خانہ کعبہ کی تعمیر مشرکین کو برقرار رکھنے سے زیادہ قوی کون سی دلیل جواز پر ہو سکتی ہو! فبای حدیث بعدہ یؤمنون۔

غرضیکہ اگر کافر بنیت ثواب مسجد تعمیر کرے تو جائز ہے، البتہ اگر اس عمل کی وجہ سے مسلمانوں پر کفار کے افتخار واظہار منت کا اندیشہ ہو تو ان کے اس عمل کو قبول کرنا جائز نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۸۵ھ

مسجد میں خرید وفروخت کرنا:

سوال: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مسجد میں بیع جب مکروہ ہے کہ بیع بہت زیادہ ہو اور مسجد میں بیع بازار کی طرح عموماً کی جائے، اگر کسی چھوٹی چیز کی بیع کبھی کبھی مسجد میں کر لی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، دلیل میں عبارت ذیل پیش کرتے ہیں:

وکذلک المنھی عن البیع فیہ ھو الذی یغلب علیہ حتی یکون کالسوق لانہ صلی اللہ علیہ وسلم لم ینہ علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن خصف النعل فیہ مع انہ لو اجتمع الناس لخصف النعال فیہ کرہ فکذلک البیع وانشاد الشعر والتحلق قبل الصلوۃ فما غلب علیہ کرہ ومالا فلا اھ

(رد المحتار ص ۶۱۸ ج ۱)

نیز کہتے ہیں کہ بذل المجہود شرح ابی داود میں اس سے بھی زیادہ جواز کی تصریح اور تشریح ہے، نیز شامیہ باب الاعتکاف میں ہے:

ان المبیع لو لم یشغل البقعۃ لا یکرہ احضارہ کدراہم یسیرۃ او کتاب ونحوہ (الی قولہ) ان احضار الثمن والمبیع الذی لا یشغل جائز اھ

(رد المحتار ص ۱۸۲ ج ۲)

کیا مولوی صاحب کا یہ خیال اور استدلال درست ہے۔ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

شامیہ باب الاعتکاف کا جزئیہ تو صرف معتکف سے متعلق ہے، اس میں بیع کے جواز یا عدم جواز سے متعلق کوئی بحث نہیں، بلکہ صرف احضار مبیع فی المسجد للمعتکف کی تفصیل ہے، معتکف کے لئے بیع اشیاء ضروریہ تو ویسے ہی جائز ہے، صرف احضار مبیع میں تفصیل ہے۔

غیر معتکف کی بیع کے متعلق مطلقاً کراہت تحریمیہ کی تصریح عبارت مذکورہ کے ساتھ ہی شرح التنویر اور شامیہ میں موجود ہے:

قال فی شرح التنویر وکرہ ای تحریما لانہا محل الصلاۃ احضار المبیع فیہ کما کرہ فیہ مبایعۃ غیر المعتکف مطلقا للتجارۃ۔

وفی الشامیۃ (قولہ مطلقا) ای سواء احتاج الیہ لنفسہ او عیالہ او کان للتجارۃ احضرہ او لا کما یعلم مما قبلہ ومن الزیلعی والبحر (رد المحتار ص ۴۴۳ ج ۲)

اور شامیہ باب احکام المساجد میں علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی اپنی تحقیق نہیں، بلکہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق نقل کی ہے اگرچہ اس جگہ آپ نے اس پر سکوت کیا ہے، مگر باب الاعتکاف میں مطلقاً کراہت تحریمیہ کو ثابت کیا ہے، کما مر۔ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول مذکور مذہب مشہور کے خلاف ہے، جیسا کہ سؤر الہرۃ وغیرہ متعدد مسائل میں آپ کی تحقیق مذہب مشہور کے خلاف ہے۔ چنانچہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق مذکور کے متعلق فرماتے ہیں:

(قولہ ولکن لعل النہی عن البیع فیہ ھو الذی یغلب علیہ الخ) ھذا خلاف المشہور فان المشہور کراھۃ البیع فی المسجد وان لم یغلب علیہ (التحریر المختار ص ۸۲ ج ۱)

بذل المجہود میں بھی امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق کو بایں طور نقل کیا ہے:

قال الشوکانی اما البیع والشراء فذہب جمہور العلماء الی ان النہی محمول علی الکراھۃ (الی قولہ) وفرق اصحاب ابی حنیفۃ بین ان یغلب ذلک ویکثر فیکرہ او یقل فلا کراھۃ وھو فرق لا دلیل علیہ انتہی قلت وھذا الذی عزاہ الی اصحاب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ھو الذی ذکرہ الطحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فی معانی الآثار

(بذل المجہود ص ۲۶۱ ج ۲ باب التحلق یوم الجمعۃ قبل الصلوٰۃ)

اس عبارت سے مزید معلوم ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ حنفیہ میں سے اس تحقیق میں متفرد ہیں، اسی لیے شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کا محمل امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو قرار دیا گیا۔

غرضیکہ حنفیہ کا مذہب مشہور اور مفتیٰ بہ یہی ہے کہ بیع فی المسجد بہرصورت غیر معتکف کے لیے مکروہ تحریمی ہے اور واجب الرد ہے۔

قال فی شرح التنویر واعلم ان فسخ المکروہ واجب علی کل واحد منہما ایضا بحر وغیرہ لرفع الاثم۔

وفی الشامیۃ (قولہ ایضا) ای کما فی البیع الفاسد وقدمنا عن الدرایۃ (یجب فسخہ وما ذکرہ الشارح عزاہ فی الفتح اول باب الاقالۃ الی النہایۃ ثم قال وتبعہ غیرہ وہو حق لان رفع المعصیۃ واجب بقدر الامکان اھ قلت ویمکن التوفیق بحمل الوجوب علیہما دیانۃ بخلاف البیع الفاسد فانہما اذا اصرا علیہ یفسخہ القاضی جبرا علیہما ووجہہ ان البیع ہنا صحیح قبل القبض ویجب فیہ الثمن لا القیمۃ فلا یلی القاضی فسخہ لحصول الملک بالعقد الصحیح (رد المحتار ص ۱۸۶ ج ۴)

جب یہ بیع واجب الرد ہے تو اس مبیع میں تصرف اکل وغیرہ حرام ہوگا مگر یہ مبیع خود حرام نہیں یعنی اکل حرام ہے ماکول حرام نہیں۔

قال فی شرح التنویر اشتری مکیلا بشرط الکیل حرم ای کرہ تحریما بیعہ واکلہ حتی یکیلہ وقد صرحوا بفسادہ وبانہ لا یقال لآکلہ انہ اکل حراما لعدم التلازم کما بسطہ الکمال۔

وفی الشامیۃ تحت (قولہ کما بسطہ الکمال) لو اکلہ وقد قبضہ بلا کیل لا یقال انہ اکل حراما لانہ اکل ملک نفسہ الا انہ آثم لترکہ ما امر بہ من الکیل فکان ہذا الکلام اصلا فی ما اذا اشتری شیئا بیعا فاسدا واقبضہ ثم اکلہ (الی قولہ) وحاصلہ انہ حرم الفعل وہو الاکل لا یلزم منہ ان یکون اکل حراما (الی قولہ) وکذا لو غصب شیئا واستہلکہ بخلطہ ونحوہ حتی ملکہ ولم یؤد ضمانہ یحرم علیہ التصرف فیہ بالاکل ونحوہ وان کان ملکہ (رد المحتار ص ۲۲۶ ج ۴)

واللہ تعالیٰ اعلم ——— ۱۰ صفر سنہ ۷۶ھ

مسجد پر مدرسہ بنانا :

سوال : مسجد کے اوپر مدرسہ کی تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

قال فی التنویر واذا جعل تحته سردابا لمصالحه ای المسجد جاز کمسجد القدس

(رد المحتار ص ۳۸۲ ج ۳)

وقال الرافعی رحمه الله تعالی (قوله لمصالحه) لیس بقید بل الحکم کذلک اذا کان ینتفع به عامة المسلمین علی ما افاده فی غایة البیان حیث قال اورد الفقیه ابو اللیث سؤالا وجوابا فقال فان قیل الیس مسجد بیت المقدس تحته مجتمع الماء والناس ینتفعون به قیل اذا کان تحته شیء ینتفع به عامة المسلمین یجوز لانه اذا انتفع به عامتهم صار ذلک لله تعالی ایضا اه.
ومنه یعلم حکم کثیر من مساجد مصر التی تحتها صهاریج ونحوها

(التحریر المختار ص ۸۰ ج ۲)

وفی الهندیة ومن جعل مسجدا تحته سرداب او فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله فله ان یبیعه وان مات یورث عنه ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی مسجد بیت المقدس کذا فی الهدایة (عالمگیریہ ص ۴۵۵ ج ۲)

عبارت اولیٰ وثالثہ کا ظاہر عدم جواز پر دال ہے لان مفہوم الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ حجۃ بالاتفاق۔ اور روایت ثانیہ میں جواز کی تصریح ہے، اس لئے بوقت ضرورت شدیدہ گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ ابتداء ہی سے مسجد کے اوپر یا نیچے مدرسہ بنانے کا ارادہ ہو، اگر ابتداءً ارادہ نہ تھا بلکہ مسجد کی حدود متعین کرکے اس رقبہ کے بارے میں زبان سے کہدیا کہ یہ مسجد ہے، اسکے بعد اوپر مدرسہ بنانے کا ارادہ ہوا تو جائز نہیں۔

قال فی شرح التنویر لو بنی فوقه بیتا للامام لا یضر لانه من المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق (رد المحتار ص ۳۷۱ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الاول سنہ ۷۲ھ

مسجد پر امام کا مکان بنانا:

سوال: امام کی سکونت کے لئے مسجد کے اوپر مکان تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

زمین کے جتنے قطعہ کو ایک بار مسجد شرعی قرار دے دیا گیا اس کے اندر اور نیچے اوپر کوئی دوسری چیز بنانا جائز نہیں، مسجد شرعی قرار دینے سے قبل امام کیلئے مکان یا مصالح مسجد کے لئے اور کچھ بنانا طے کر لیا ہو اور اس کی عام اطلاع بھی کر دی ہو تو جائز ہے، مسجد شرعی ہو جانے کے بعد اگر متولی نے شروع ہی سے نیت کا دعویٰ کیا تو یہ قبول نہ ہوگا۔

قال فی شرح التنویر: لو بنی فوقہ بیتا للامام لا یضر لانہ من المصالح اما لو تمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلک لم یصدق تاتارخانیۃ (رد المحتار ص ۳۷۲ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ محرم سنہ ۱۳۹۶ھ

رفاہی پلاٹ پر مسجد بنانا:

سوال: ناظم آباد میں ایک خالی پلاٹ پڑا ہے جو اہل محلہ کے رفاہ کے لئے مخصوص ہے، بارہ تیرہ برس سے مقامی لوگ اسے اپنی انفرادی یا اجتماعی تقاریب میں استعمال کرتے آرہے ہیں، قریب میں کوئی مسجد نہ تھی، اس لئے ضرورت کے تحت اس پلاٹ کے ایک کونے میں خام چبوترہ بنا کر اس میں نماز پنجگانہ کی جماعت شروع کی گئی جو آج تک جاری ہے بلکہ جمعہ بھی پابندی سے ہو رہا ہے، اس کارروائی سے پہلے مقامی حکام سے اجازت حاصل نہیں کی گئی، اب اس کی کوشش جاری ہے کیا اہل محلہ اس جگہ مسجد تعمیر کر سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ بوقت ضرورت عام راستہ کو بھی مسجد بنا سکتے ہیں بشرطیکہ گزرنے والوں کو اس سے ایذاء نہ ہو، اس لئے کہ راستہ بھی انہی لوگوں کی ضرورت کے لئے ہے لہٰذا وہ اس پر تصرف کرنے کے مجاز ہیں، بنا بریں خالی پلاٹ جو اہل محلہ ہی کے مفاد اور راحت کیلئے چھوڑا گیا ہے،

اہل محلہ کی اجتماعی رائے سے مسجد کی تعمیر بطریق اولیٰ جائز ہے، مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے، حکومت پر ان لوگوں سے تعاون ضروری ہے نہ یہ کہ وہ اس کام میں رکاوٹ پیدا کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ شوال سنہ ۹۰ھ

مسجد میں کپڑے سکھانا:

سوال: کپڑے دھو کر مسجد کے صحن یا دیوار پر سکھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کے صحن یا دیوار پر کپڑے سکھانا جائز نہیں، مؤذن اور خادم وغیرہ کے لئے اگر کوئی دوسری جگہ کپڑے سکھانے کی نہ ہو تو مسجد سے باہر متعلق جگہ میں سکھا سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ شوال سنہ ۱۳۹۶ھ

مسجد میں چندہ کرنا:

سوال: ایک مسجد میں کئی ہزار روپے پہلے سے جمع ہیں مگر پھر بھی حسب عادت جمعہ کے روز نمازیوں کے آگے پیٹی گھما کر چندہ لیا جاتا ہے۔ کیا شرعاً یہ کام درست ہے؟

الجواب باسم ملہم الصواب

ضرورت ہو تو بھی اس طریقہ سے چندہ مانگنا جائز نہیں، اس میں یہ مفاسد ہیں:

(۱) نماز میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

(۲) نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے صف کو پھلانگ کر جانا ناجائز ہے۔

(۳) کسی کے سامنے پیٹی کرنا چندہ دینے کے لئے خصوصی خطاب ہے جو جائز نہیں، اس لئے کہ اس میں دینے والے کی طیب خاطر معلوم نہیں، خصوصاً دوسروں کے سامنے خصوصی خطاب میں جبر و اکراہ ظاہر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدون طیب خاطر کسی کا مال لینا حلال نہیں۔

چندہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بذریعہ خطاب عام ترغیب دی جائے، اس کی تفصیل رسالہ "صیانۃ العلماء عن الذل عند الاغنیاء" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

غرہ ذی القعدہ سنہ ۱۳۹۶ھ

مسجد کی بجلی کا بے جا استعمال :

سوال : مسجد کے قریب سڑک پر جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے جس میں ایک بزرگ عالم دین کا وعظ ہوگا، شاید رات کے بارہ ایک بجے تک جلسہ کی کارروائی جاری رہے، اس ضرورت سے مسجد کی بجلی تار کے ذریعہ لے جا کر استعمال کرنا درست ہوگا جبکہ منتظم سے اس کی اجازت بھی لے لی جائے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی بجلی مسجد ہی کے لئے خاص ہے، کسی ایسے کام کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں جو مصالح مسجد میں داخل نہیں گو کہ وہ کام اپنی جگہ کتنی ہی نیکی کا ہو، جب مسجد کی اشیاء کا استعمال دوسری مسجد میں بھی جائز نہیں تو عام جگہوں کے لئے کیونکر روا ہوگا، منتظم کی ایسی بے موقع بلکہ خلاف شرع اجازت کا کچھ اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ شوال سنہ ۱۳۹۶ھ

سوال مثل بالا :

سوال : مسجد کی بجلی امام یا مؤذن کے حجرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز ملحقہ مدرسہ میں منتظمہ کی اجازت سے اسے صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

امام و مؤذن کا حجرہ چونکہ متعلقات مسجد میں سے ہے لہٰذا اس کے لئے مسجد کی بجلی منتقل کرنا جائز ہے، اسی طرح مدرسہ بھی اگر مسجد کے تابع ہے اور عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے اور چندہ دہندگان بھی اس کی کوئی تصریح نہیں کرتے کہ ان کا چندہ مدرسہ میں خرچ نہ کیا جائے تو اس صورت میں ملحقہ مدرسہ کو بھی بجلی دی جا سکتی ہے۔

اگر مدرسہ مسجد کے تابع نہیں تو اس کو مسجد کی بجلی دینا جائز نہیں، مسجد کی کوئی چیز کسی دوسری جگہ خواہ وہ دوسری مسجد ہی ہو منتقل کرنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ : لکن علمت ان المفتی بہ قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ انہ لا یجوز نقلہ ونقل مالہ الی مسجد آخر کما مر عن الحاوی۔

(رد المحتار ص ۳۷۵ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۳ ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۹ھ

مسجد کے نل سے نہانا:

سوال: مسجد کا نل ہے، اس کے پانی سے غسلخانہ میں غسل کرنا یا کپڑے دھونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

غسلخانہ اگر حدود مسجد میں ہے تو عام لوگوں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں، صرف امام، مؤذن اور خدمت مسجد سے متعلق افراد ہی اسے استعمال کر سکتے ہیں

اور اگر ضروریات مسجد کے لئے زمین کا وقف تام ہونے سے پہلے رفاہ عام کے لئے دیا گیا ہے تو ہر شخص کو پانی لے جانے کی اجازت ہے بشرطیکہ مسجد کی تلویث نہ ہو اور اس سے نمازیوں کو تشویش و ایذاء نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴ ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۶ھ

امام کو پیشگی تنخواہ دینا:

سوال: امام مسجد اپنے اہل و عیال کے لئے مکان بنانا چاہتا ہے، کیا یہ درست ہوگا کہ منتظمہ پیشگی اسے پوری رقم دیدے اور تنخواہ سے ماہوار مثلاً دس روپے منہا کرتی رہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

عام عرف کے مطابق پیشگی تنخواہ دی جا سکتی ہے بشرطیکہ ملازمت چھوڑنے کی صورت میں بقیہ رقم واپس لینے اور بصورت وفات ترکہ سے وصول کرنے کی قدرت ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۶ھ

مسجد میں سونا:

سوال: طلبہ علم کو مسجد میں سونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مسجد کی بناء ذکر و عبادت کے لئے ہے، اس قسم کے کاموں کے لئے نہیں، اس لئے عام حالات میں تو کسی کے لئے مسجد میں سونا جائز نہیں، خواہ طالب علم ہو یا کوئی اور۔ اگر بامر مجبوری طلبہ کو مسجد میں سونا پڑتا ہے تو ان شرائط کے ساتھ اس کی گنجائش ہے:

(۱) مسجد کے سوا اور کوئی عارضی یا مستقل قیام گاہ موجود نہ ہو اور متولی و منتظم اس کا انتظام نہ کر سکتے ہوں۔

(۲) مسجد کے آداب کا پورا لحاظ رکھیں کہ شور و شغب، ہنسی مذاق اور دنیوی گفتگو سے پرہیز کریں، صفائی کا پورا اہتمام رکھیں اور اعتکاف کی نیت کر لیں۔

(۳) نمازیوں کو ان سے کسی قسم کی ایذاء نہ پہنچے، اذان ہوتے ہی اٹھ جائیں اور نماز کے بعد بھی جب تک لوگ سنن و نوافل یا ذکر و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں ان کی عبادات میں خلل نہ ڈالیں۔

(۴) طلبہ بالغین یا کم از کم آداب مسجد سے واقف اور باشعور ہوں، کمسن بے شعور بچوں کو مسجد میں سلانا جائز نہیں۔

الغرض ممکن حد تک اس سے بچنے کی کوشش کی جائے، مجبوری کی بات الگ ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الآخر سنہ ۹۵ھ

سوال مثل بالا:

سوال: کسی مقیم شخص کے لئے مسجد میں چارپائی ڈال کر یا چارپائی لیٹنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز آجکل دستور ہے کہ تبلیغی جماعت کے حضرات مسجد میں بیٹھتے، مسجد ہی میں کھاتے پیتے اور دوسرے معمولات پورے کرتے ہیں کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

معتکف اور مسافر کے لئے مسجد میں کھانے پینے اور سونے کی گنجائش ہے، لہٰذا تبلیغی جماعت کا یہ دستور جائز ہے، اس لئے کہ اہل تبلیغ بھی عموماً مسافر ہوتے ہیں، لہٰذا بہتر ہے کہ اعتکاف کی نیت بھی کر لیا کریں اور اس کا بھی اہتمام کریں کہ مسجد سے ملحق اگر کوئی حجرہ وغیرہ ہو جس میں تمام ساتھی سما سکتے ہوں تو مسجد میں نہ سوئیں اور کھانا بھی باہر کھائیں، اور مسجد میں چارپائی بچھانا کسی کے لئے جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: وأکل ونوم إلا لمعتکف وغریب۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وأکل ونوم) وإذا أراد ذلک

ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء اھ فتاوی ھندیۃ (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ ربیع الاول سنہ ۹۸ھ

دوسرے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا:

سوال: ایک شخص مسجد محلہ کی جماعت چھوڑ کر دوسرے محلہ میں جاکر نماز ادا کرتا ہے اس کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مسجد محلہ کا امام صحیح العقیدہ ہے اور بھی کوئی شرعی یا طبعی مانع اس میں موجود نہیں تو اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری جگہ کا رُخ کرنا صحیح نہیں، مسجد محلہ کا اتنا حق ہے کہ اگر اس میں داخل ہونے کے بعد کسی کی جماعت بھی فوت ہوگئی تو طلب جماعت میں دوسری مسجد جانے کی بجائے مسجد محلہ میں ہی انفراداً نماز ادا کرنا افضل ہے، غرض اس شخص کا یہ عمل حد سے افراط اور خلاف شرع ہے، مگر اہل محلہ کو اس قسم کے شخص سے سوء ظن رکھنا یا اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز نہیں، عموماً اس قسم کا طرز عمل مسائل شرعیہ سے ناواقفیت یا کسی غلط فہمی پر مبنی ہوتا ہے، اس لئے شفقت و ہمدردی سے اس کی اصلاح ضروری ہے، اگر سمجھانے سے نہ سمجھے تب بھی اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، اس قسم کے لوگوں سے الجھنے کی بجائے ایسے لوگوں پر محنت کی جائے جو سرے سے نماز ہی سے آزاد ہیں اور کسی مسجد میں بھی قدم نہیں رکھتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الآخر سنہ ۸۰ھ

مسجد کے چندہ کا مبادلہ:

سوال: مسجد کے چندہ سے اگر کوئی ریزگاری لے لے اور نوٹ دیدے تو یہ لین دین مسجد کے اندر یا مسجد سے باہر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد سے باہر جائز ہے، اندر جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ ربیع الاول سنہ ۹۰ھ

مسجد کی کتاب کو باہر نکالنا :

سوال : ایک شخص مسجد میں رکھی ہوئی کتاب مضمون سنانے کے لئے گھر اٹھا کر لے گیا اور سنانے کے بعد کتاب پھر مسجد میں پہنچا دی ، اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر کتاب مسجد پر وقف ہے تو اس کا کسی دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں ، مسجد کی حدود میں ہی اس سے انتفاع کیا جائے ۔

کذا حرره العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی (رد المحتار ص ۳۸۶ ج ۳)

واللہ تعالیٰ اعلم

۷ رمضان سنہ ۸۷ھ

اذان کے بعد انفرادًا نماز پڑھ کر مسجد سے نکلنا :

سوال : کسی شخص کو اگر جلدی ہو ، مثلاً سفر درپیش ہو یا کوئی اور ضروری کام ، تو اذان کے بعد مسجد کے اندر نماز پڑھ کر جا سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر جماعت کے انتظار میں معتد بہ حرج ہو تو ترک جماعت جائز ہے ۔

قال فی التنویر : فتسن او تجب علی الرجال العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الصلوة بالجماعة من غیر حرج (رد المحتار ص ۵۱۸ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ذی قعدہ سنہ ۸۸ھ

مسجد کی چیز ذاتی استعمال میں لانا :

سوال : مسجد کا متولی یا اس کے رشتہ دار اور پڑوسی مسجد کی کون کون سی چیزیں اپنے ذاتی کام کے لئے استعمال کر سکتے ہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

جب ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کے لئے بھی استعمال کرنا جائز نہیں تو متولی یا غیر متولی مسجد کی چیز کیسے استعمال کر سکتا ہے ؟ کسی کو یہ اختیار بھی نہیں کہ مسجد کا چراغ اپنے گھر لیجائے ۔

قال فی الہندیۃ: ولا یحمل الرجل سراج المسجد الی بیتہ (عالمگیریۃ ص۱۱۰ ج ۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ صفر سنہ ۱۳۸۹ھ

مسجد میں لالٹین جلانا:

سوال: زید نماز عشاء کے بعد آدھا گھنٹہ درس حدیث دیتا ہے، اس دوران اگر بجلی بند ہو جائے اور ہوا تیز ہونے کی بنا پر چراغ یا موم بتی روشن کرنا ممکن نہ ہو تو لالٹین میں مٹی کا تیل ڈال کر مسجد میں جلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح نماز کے دوران لالٹین جلانا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

حدیث میں ہے کہ کچی پیاز، لہسن کھانے والا مسجد کے قریب نہ آئے، اور مٹی کے تیل کی بو تو ان چیزوں سے بدرجہا بڑھ کر ہے، لہٰذا اسے مسجد میں جلانا جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ربیع الاول سنہ ۸۹ھ

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا:

سوال: ایک مسجد وسط محلہ میں واقع ہے، پانی کی بڑی دقت ہے، نمازیوں کو نماز ادا کرنے میں بھی دشواریوں کا سامنا ہے، دریں حالات اس مسجد کو یہاں سے ہٹا کر ایسی جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے جس میں اس قسم کی دشواریاں نہ ہوں اور نماز بسہولت ادا کی جا سکے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کو کسی حال میں بھی منتقل کرنا جائز نہیں، جو جگہ ایک بار مسجد بن گئی وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، بالفرض مسجد ویران ہو جائے اور کوئی نماز پڑھنے والا بھی وہاں نہ رہے تو بھی اس کا ابقاء واجب ہے، البتہ ویران مسجد کے سامان پر خطرہ ہو تو اس کو دوسری قریب تر مسجد کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱ رجب سنہ ۸۹ھ

سوال مثل بالا:

سوال: ایک غیر مسلم کارخانہ دار نے کارخانہ میں مسجد تعمیر کرائی، مسلمان چھ سات سال تک اس میں نمازیں ادا کرتے رہے، پھر غیر مسلم نے کارخانہ ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کر دیا، اس کے بعد بھی سات آٹھ ماہ تک اس مسجد میں نماز باجماعت ادا کی جاتی رہی، لیکن اب یہ کارخانہ دار کہتا ہے کہ میں مسجد یہاں سے ہٹا کر دوسرے کنارے پر بناؤں گا، اور یہاں ذاتی عمارت بنوانا چاہتا ہوں۔ کیا اس کا یہ اقدام درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

غیر مسلم اگر کار ثواب سمجھ کر وقف کرے تو اس کا وقف صحیح ہے، یہاں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس نے نیکی سمجھ کر ہی یہ مسجد تعمیر کروائی ہے، لہٰذا یہ مسجد شرعی مسجد بن گئی، اب مسلمان کارخانہ دار کا اسے ہٹانا جائز نہیں۔

اگر غیر مسلم کا وقف صحیح تسلیم نہ کیا جائے تو بھی مسلمان کارخانہ دار کے سامنے سات آٹھ ماہ مسلسل اس جگہ نماز باجماعت ہوتی رہی اور وہ خاموش رہا، یہ خاموشی بھی دلیل رضا ہے، لہٰذا خود اس کی رضا سے بھی یہ شرعی مسجد قرار پائی، اب اسے ہٹانا جائز نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۱۳ / جمادی الثانیہ سنہ ۹۹ھ

مسجد میں چارپائی بچھانا:

سوال: فتاویٰ رشیدیہ میں لکھا ہے کہ مسافر اور مقیم کو مسجد میں چارپائی بچھا کر سونا جائز ہے، اس مسئلہ کو دیکھ کر کچھ الجھن پیدا ہو گئی کہ مقیم کو تو مسجد میں سونا جائز نہیں، اس کی تشریح فرما دی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

فتاویٰ رشیدیہ میں اس سوال کے جواب میں صرف اتنا ہے کہ چارپائی مسجد میں بچھانا درست ہے، مگر نیچے حاشیہ میں مولانا عبدالحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معتکف کے لئے ہے، ونصہ:

جائز است چہ برائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در مسجد سریرے نہادہ شدے در آں

دربایام اعتکاف آرام می فرمودند کما فی سفر السعادۃ، در ابن ماجہ از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کردہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اعتکف طرح لہ فراشہ او یوضع لہ سریرہ وراء اسطوانۃ التوبۃ واللہ اعلم (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۴۲)

بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ غیر مسافر و معتکف کے لئے مسجد میں سونا مکروہ سمجھا ہے، ضرورت شدیدہ یہ تدبیر اختیار کر سکتا ہے کہ پہلے بنیت اعتکاف داخل ہو کر کچھ عبادت کرے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: واکل ونوم الا لمعتکف وغریب الخ

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ واکل ونوم) واذا اراد ذلک ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل ویذکر اللہ تعالیٰ بقدر ما نوی او یصلی ثم یفعل ما شاء فتاویٰ ھندیۃ (رد المحتار ص ۴۴۹ ج ۱)

دراصل ادب یا بے ادبی کا مدار عرف پر ہے، ہمارے عرف میں مسجد میں چارپائی بچھانا معیوب سمجھا جاتا ہے، نیز اس سے عوام کے قلوب سے مسجد کی وقعت نکل جائیگی۔ وہ چارپائی پر قیاس کر کے دوسرے ناجائز امور بھی مسجد میں شروع کر دیں گے، لہٰذا اب معتکف کے لئے بھی چارپائی بچھانا جائز نہیں، جیسے پہلے پاک جوتا پہن کر مسجد میں آنا اور نماز پڑھنا معیوب نہ سمجھا جاتا تھا، مگر ہمارے عرف میں اسے مسجد کی بے ادبی سمجھا جاتا ہے اگر کوئی پاک جوتا پہن کر مسجد میں آجائے تو عوام آسمان پر ہنگامہ برپا کر دیں گے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب سنہ ۹۸ھ

مسجد میں اگالدان رکھنا :

سوال : ایک آدمی بیمار ہے جو مسجد میں جھاڑو دیتا ہے، اس کو بلغم بہت آتا ہے، اگر یہ شخص تھوکنے کے لئے ایک ڈبہ مسجد کے کسی گوشے میں رکھ دے اور بوقت ضرورت اس میں تھوکتا رہے، پھر اسے باہر پھینک دے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، وضوخانہ میں تھوک کر پانی بہا دے، یہ مشکل ہو تو رومال وغیرہ میں بلغم نکالے اور اس کپڑے کی صفائی کا اہتمام رکھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ رجب سنہ ۹۸ھ

مسجد کی آمدن سے مسجد کی اشیاء خریدنا:

سوال: ایک صاحب کہتے ہیں کہ مسجد کی عام آمدن سے مسجد کے لئے چٹائی، لوٹا وغیرہ خریدنا جائز نہیں ہے اور حوالہ دیتے ہیں کہ مولانا عبد الحی لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نفع المفتی میں ایسا ہی لکھا ہے، کیا ان کا یہ کہنا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر چندہ دینے والوں کا اذن صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ نفع المفتی میں تلاش کرنے سے یہ مسئلہ نہیں ملا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ صفر سنہ ۹۰ھ

کافر کی زمین میں بلا اجازت مسجد بنانا:

سوال: ایک غیر مسلم کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مسجد بنائی گئی، اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ جگہ مسجد نہیں، بدون اذن مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

کذا فی الشامیۃ قبیل باب الاذان،

اس لئے ایسی نماز کا اعادہ واجب ہے۔

قال العلامۃ المرغینانی رحمہ اللہ تعالیٰ فی مکروہات الصلوۃ: والصلوۃ جائزۃ فی جمیع ذلک لاستجماع شرائطہا وتعاد علی وجہ غیر مکروہ وھو الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ (ھدایۃ ص ۱۴۳ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ صفر سنہ ۹۱ھ

مسجد میں آتے جاتے سلام کہنا:

سوال: جب مسجد میں داخل ہوں یا مسجد سے نکلیں تو مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ لوگ اس وقت عموماً ذکر و تسبیح یا نماز میں مشغول ہوتے ہیں، البتہ ایک آدھ آدمی فارغ بھی بیٹھا ہوتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں آنے والے لوگ مختلف عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اس لئے ان کو

سلام کہنا جائز نہیں اور ایسے سلام کا جواب بھی واجب نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ معزیا للحموی یأثم بالسلام علی المشتغلین بالخطبۃ او الصلوۃ او قراءۃ القرآن او مذاکرۃ العلم اھ

و نقل عن الزیلعی: ولو سلم علیہم لا یجب علیہم الرد لانہ فی غیر محلہ اھ

(رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۱ھ

مسجد میں وضو کرنا:

سوال: ایک مسجد کا صحن توڑ کر از سر نو بنایا جا رہا ہے، اس میں بھراؤ کر کے اسے نئے سرے سے پختہ کیا جائے گا، ایسی حالت اس صحن میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صحن پر جوتوں کے ساتھ چلنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ دوسری جگہ وضو کے لئے نہ ہو اور اس کی کچی زمین میں پانی جذب ہو جاتا ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد میں وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ وضو کا پانی ایک روایت پر نجس ہے، اور مفتی بہ قول پر اگرچہ نجس نہیں مگر خبیث ضرور ہے، علاوہ ازیں بوقت وضو تھوک لعاب، بلغم اور ناک کی رطوبت پھینکیں گے، منارہ پر یا اس طرح بیٹھ کر وضو کر سکتے ہیں کہ پانی باہر گرے۔ جوتا پہن کر چلنا بوقت ضرورت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰ صفر سنہ ۹۲ھ

مسجد کے قرآن طلبہ کو دینا:

سوال: آجکل مساجد میں لوگ عموماً بلا اجازت قرآن مجید اتنی کثرت سے رکھ جاتے ہیں کہ قرآن مجید کے ڈھیر لگ جاتے ہیں جو یونہی مدتوں رکھے رہتے ہیں، انہیں نہ کوئی اٹھاتا ہے نہ تلاوت کرتا ہے، بالآخر بوسیدہ ہو جانے کے بعد ان کو دفن کرنا پڑتا ہے۔ اگر یہ قرآن مجید ان نادار بچوں کو دے دیئے جائیں جو مکتب یا مدرسہ میں پڑھتے ہیں تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

کسی کی ملک میں دینا جائز نہیں، مدرسہ میں دیئے جا سکتے ہیں، البتہ جب

استعمال دوسری قریب تر مسجد کی طرف منتقل کرنے کی اجازت ہے۔

اگر مسجد کے باہر یہ تختی لگادی جائے کہ یہاں قرآن مجید بلا اجازت رکھنا ممنوع ہے، جو کوئی رکھے گا تو وہ مدرسہ میں یا کسی مسکین کو دے دیا جائے گا، پھر بھی کوئی رکھ جائے تو منتظم کو مدرسہ میں یا کسی مسکین کو دینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ صفر سنہ ۹۲ھ

پرانی مسجد کو مکتب بنانا:

سوال: پرانی مسجد کو مکتب بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی، خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں، لہذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں، البتہ اصل مسجدیت اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دینی تعلیم دینا ان شرائط سے جائز ہے:

(۱) معلم اجرت لیکر نہ پڑھائے، بقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے۔

(۲) چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے۔

(۳) مسجد کے احکام اور ادب و احترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔

قال فی التنویر: ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالی: ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه اولا وهو الفتوی حاوی القدسی، واکثر المشائخ علیه مجتبی وهو الاوجه فتح اه بحر۔ (رد المحتار ص ۳۸۰ ج ۳) واللہ تعالیٰ اعلم

۶ جمادی الآخرة سنہ ۹۲ھ

مسجد میں دنیوی باتیں کرنا:

سوال: مسجد میں دنیوی باتیں کرنا کیسا ہے؟ نیز دنیوی علم حاصل کرنے کے لئے مسجد میں بیٹھ کر مطالعہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد محض عبادت الہیہ کے لئے ہے، اس میں کوئی دنیوی کام کرنا اور بلا ضرورت دنیوی باتیں کرنا یا فضول بات چیت کرنا مسجد کی سخت بے حرمتی ہے، اس لئے ناجائز ہے

البتہ بقدر ضرورت معمولی بات کرنے کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۹ رجمادی الآخرۃ سنہ ۹۲ھ

مسجد میں افطار کرنا:

سوال: رمضان میں روزہ داروں کو مسجد میں بیٹھ کر افطار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

آجکل جس طرح مساجد کے اندر افطار کرنے کا دستور ہے اس میں مسجد کی تلویث اور بے حرمتی ہوتی ہے لہذا یہ جائز نہیں، مسجد کی منتظمہ پر ضروری ہے کہ اذان کے بعد اتنا وقفہ دے کہ محلہ کے نمازی گھروں میں اطمینان سے افطار کر کے مسجد میں پہنچ سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ر رجب سنہ ۹۲ھ

مسجد میں جگہ روکنا:

سوال: کیا مسجد میں رومال یا ٹوپی رکھنے سے اس جگہ کا آدمی مستحق ہو جاتا ہے؟ اور کسی دوسرے شخص کو وہاں بیٹھنا جائز نہیں ہوتا؟ مؤذن کے لئے عموماً جگہ روک کر امام کے پیچھے الگ مصلیٰ بچھایا جاتا ہے اور اس جگہ کسی دوسرے شخص کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر کوئی شخص مسجد میں کسی جگہ کچھ دیر عبادت کرے پھر کسی ضرورت سے تھوڑی دیر کے لئے جانا چاہے اور رومال وغیرہ رکھ کر جگہ روک لے تو جائز ہے، کسی جگہ کچھ وقت ٹھہرے بغیر صرف رومال رکھ جانے سے اس جگہ کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

یہی حکم مؤذن کے لئے ہے، اپنے لئے جگہ مخصوص کرنے اور الگ مصلیٰ بچھانے کی رسم صحیح نہیں، مسجد میں پہلے پہنچ کر جو شخص جس جگہ بیٹھ جائے وہی حقدار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹ ر رمضان سنہ ۹۲ھ

مسجد میں بلند آواز سے تلاوت کرنا:

سوال: بعد نماز فجر تا وقت نماز اشراق نمازیوں کی آمد اور نماز کا سلسلہ جاری

رہتا ہے، اس اثناء میں کسی کو بلند آواز سے مسجد کے اندر قرآن شریف کی تلاوت کی اجازت ہے یا نہیں؟ جبکہ تلاوت کی آواز سے نمازیوں کو تشویش لاحق ہوتی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسی حالت میں نماز میں مخل ہونے کی وجہ سے بلند آواز سے تلاوت جائز نہیں۔ نیز ایک قول کے مطابق قرآن کا سننا بہرحال واجب ہے اور حالت نماز میں سننا ممکن نہیں، لہٰذا قاری گنہگار ہوگا۔

قال فی العلائیۃ: (فرع) یجب الاستماع للقراءۃ مطلقا لان العبرۃ لعموم اللفظ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: ای فی الصلوٰۃ وخارجہا لان الآیۃ وان کانت واردۃ فی الصلوٰۃ علی ما مر فالعبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔

وقال بعد سطرین: وفی الفتح عن الخلاصۃ رجل یکتب الفقہ وبجنبہ رجل یقرأ القرآن فلا یمکنہ استماع القرآن فالاثم علی القاری (رد المحتار ص ۴۲۰ ج ۱)

واللہ تعالیٰ اعلم

۲۲ جمادی الآخرہ سنہ ۱۳۹۳ھ

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھانا:

سوال: جو مدرسین تنخواہ پر قرآن مجید یا عربی کتابوں کا درس دیتے ہیں کیا ان کو کسی مسجد کے اندر درس دینا درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں پڑھانا جائز نہیں،

صرح بہ فی الہندیۃ۔

وفی العلائیۃ: ویمنع منہ وکذا کل مؤذ ولو بلسانہ وکل عقد الا لمعتکف بشرطہ (رد المحتار ص ۶۱۹ ج ۱)

اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ نہ ہو تو مسجد میں پڑھانا بشرائط ذیل جائز ہے:

① مدرس تنخواہ کی ہوس کی بجائے گزر اوقات کے لئے بقدر ضرورت وظیفہ پر

اکتفاء کرے۔

(۲) نماز اور ذکر و تلاوت قرآن وغیرہ عبادات میں مخل نہ ہو۔

(۳) مسجد کی طہارت و نظافت اور ادب و احترام کا پورا خیال رکھا جائے۔

(۴) کمسن اور نا سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ لایا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۲ جمادی الآخرۃ سنہ ۱۳۹۲ھ

مسجد کے حجرہ میں انگریزی پڑھنا:

سوال: مسجد میں مؤذن کو رہائش کے لئے کمرا دیا گیا ہے وہ اس میں انگریزی تعلیم کسی استاذ سے پڑھتا ہے اور بجلی بھی استعمال کرتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر انگریزی پڑھنے کی وجہ سے بجلی کے مصارف عام دنوں سے زائد نہ ہوتے ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۷ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۹۳ھ

مسجد کی دیوار پر نقش و نگار کرنا:

سوال: مسجد کی آمدن سے اس کی زیب و زینت نقش و نگار گنبد اور برجیاں وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی بیرونی دیواروں پر نقش و نگار جائز ہے۔ اندر کے حصے میں محراب اور قبلہ کی دیوار پر نقش و نگار مکروہ ہے اور دائیں بائیں کی دیواروں کے متعلق بھی ایک قول کراہت کا ہے۔ بہرکیف اندر کے حصے میں عقبی حصے پر اور چھت پر نقش و نگار درست ہے سامنے کی دیوار اور دائیں بائیں کی دیواروں پر بھی اگر اس قدر اوپر کرکے نقش و نگار کیا جائے کہ نمازی کی نظر وہاں نہ پڑے تو جائز ہے۔ مگر اس میں ان شرائط کی رعایت ضروری ہے:

(۱) اس میں بہت زیادہ تکلف نہ کیا جائے۔

(۲) وقف کا مال نہ لگایا جائے، اگر لگا دیا تو متولی ضامن ہوگا۔

ان شرائط سے بھی یہ کام صرف جائز ہے مسنون یا مستحب نہیں، اس کی بجائے یہ

پیسہ مساکین پر صرف کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

فی حظر الھندیۃ عن المضمرات والصرف الی الفقراء افضل وعلیہ الفتویٰ اھ (رد المحتار ص ۲۹۶ ج ۱) واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ ربیع الاول سنہ ۳۹۴ھ

مسجد کے لئے قادیانی سے چندہ لینا :

سوال : تعمیر مسجد کے لئے قادیانی سے چندہ وصول کرنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قطعاً حرام ہے، قادیانی زندیق ہیں، اس لئے ان کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاملہ جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷ رجب سنہ ۱۴۰۲ھ

مسجد کی زمین پر ذاتی مکان بنانا :

سوال : ایک مسجد کی غیر آباد زمین پر زید ایک مکان مسجد کے لئے تعمیر کرنا چاہتا ہے اور اس مکان کے عوض اسی زمین پر اپنے لئے ایک مکان مزید تعمیر کرنا چاہتا ہے، کیا یہ فعل جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی زمین پر اپنا مکان تعمیر کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۶ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۵ھ

مسجد میں سوال کرنا :

سوال : بسا اوقات مسجد میں سلام پھیرنے کے بعد فوراً کوئی سائل سوال کرتا ہے جس سے دعا میں خلل آتا ہے، کیا اس کو روکنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جس شخص کے پاس ایک وقت کا کھانا ہو یا کمانے پر قدرت ہو اس کے لئے سوال کرنا اور اسے دینا حرام ہے، مسجد میں سوال کرنا یا سائل کو دینا دہرا گناہ کرنا ہے لہذا مسجد میں سوال کرنے والے کو روکنا فرض ہے، باز نہ آئے تو مسجد سے نکال دیا جائے، مگر یہ حکم مسجد کے منتظمین یا ان لوگوں کے لئے ہے جو اس پر قادر ہوں، یہ

بھی ضروری ہے کہ تمام نمازیوں کے سامنے یہ مسئلہ کھول کر بیان کیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۸ ذی الحجہ سنہ ۱۳۹۵ھ

پرانی عیدگاہ پر مدرسہ بنانا:

سوال: نئی عیدگاہ بننے کے بعد پرانی عیدگاہ بالکل ویران ہے، آیا اسے مفت یا قیمۃً خرید کر مدرسہ میں داخل کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس میں اختلاف ہے کہ عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں، ایسی ضرورت کے موقع پر قول ثانی انسب ہے، اور وقف غیر مسجد کا بصورت تعطل استبدال باذن قاضی جائز ہے:

قال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: اعلم ان الاستبدال علی ثلاثۃ وجوہ الاول ان یشرطہ الواقف لنفسہ او لغیرہ او لنفسہ وغیرہ فالاستبدال فیہ جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لا یشرطہ سواء شرط عدمہ او سکت لکن صار بحیث لا ینتفع بہ بالکلیۃ بان لا یحصل منہ شیء اصلا او لا یفی بمؤنتہ فھو ایضا جائز علی الاصح اذا کان باذن القاضی ورأیہ المصلحۃ فیہ والثالث ان لا یشرطہ ایضا ولکن فیہ نفع فی الجملۃ وبدلہ خیر منہ ریعا ونفعا وھذا لا یجوز استبدالہ علی الاصح المختار کذا حررہ العلامۃ قنالی زادہ فی رسالتہ الموضوعۃ فی الاستبدال واطنب فیھا علیہ الاستدلال وھو مأخوذ من الفتح ایضا کما سنذکرہ عند قول الشارح لا یجوز استبدال العامر الا فی اربع ویأتی بقیۃ شروط الجواز اھ (رد المحتار ص ۴۹۹ ج ۳)

تحقیق مذکور کے مطابق معطل عیدگاہ کی جگہ مدرسہ بنانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس عیدگاہ کے عوض اس کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ قیمتی زمین کسی قریب تر شہر میں عیدگاہ کیلئے وقف کی جائے، یہ استبدال باذن قاضی ہو، اور اس کے فقدان کی صورت میں باتفاق جماعت مسلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵ محرم سنہ ۹۶ھ

محراب وسط میں نہ ہو تو صفیں کیسے بنائیں؟:

سوال: ایک مسجد کا محراب قبلہ کی دیوار سے بالکل درمیان میں نہیں ہے بلکہ اس

کے ایک طرف چھ فٹ چار انچ زیادہ ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سے صفوں میں فرق پڑتا ہے، اس صورت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ محراب سہولت سے درست کیا جا سکتا ہو تو بہتر ہے ورنہ ویسے ہی رہنے دیا جائے، مگر امام کے لئے ضروری ہے کہ محراب چھوڑ کر وسط صف میں کھڑا ہو۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۷ ربیع الآخر سنہ ۱۳۹۶ھ

معتکف کا مسجد میں حجامت بنوانا:

سوال: معتکف کو مسجد میں حجامت بنوانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے اور حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ بدون عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض کرتا ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے اور حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنائے، مسجد کے اندر اجرت پر کام کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۸ ذی قعدہ سنہ ۱۳۹۶ھ

مسجد کی چھت پر نماز پڑھنا:

سوال: مسجد کی چھت پر جماعت کرانا کیسا ہے؟ اگر گرمی یا کسی اور عذر کی وجہ سے ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کی چھت پر جماعت کرانا مکروہ ہے خواہ گرمی کی وجہ سے ہو یا کسی اور عذر سے، البتہ مسجد تنگ ہو تو زائد نمازی چھت پر جا سکتے ہیں۔

قال فی الهندیة: الصعود علی سطح کل مسجد مکروه ولهذا اذا اشتد الحر یکره ان یصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لا یکره الصعود علی سطحه للضرورة کذا فی الغرائب (عالمگیریہ ص ۳۲۲ ج ۵) واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۴ شعبان سنہ ۹۷ھ

مسجد کے پنکھے امام کے مکان میں لگانا :

سوال : مسجد میں کسی صاحب نے دو پنکھے دیئے جن کو امام صاحب اور موذن کے رہائشی مکانوں میں لگا دیا گیا، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مسجد کے اندر لگانے کے لئے پنکھے دیئے تھے تو انہیں مسجد سے باہر کسی کام میں لانا جائز نہیں اور اگر مطلق مسجد کے نام پر دیئے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۹ رمضان سنہ ۹۷ھ

مسجد کی رقم تجارت میں لگانا :

سوال : زید متولی نے بکر کو مسجد کی رقم مضاربت پر دیدی کہ جو نفع آئے وہ مسجد کے کام میں لگا دیا جائے، کیا یہ شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر نفع کی توقع غالب ہو تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲۳ صفر سنہ ۹۸ھ

مسجد پر چوری کا گارڈر لگا دیا :

سوال : فرنگی حکومت کا گارڈر کسی شخص نے اس کے دورِ اقتدار میں چوری کیا تھا، اس کے فوت ہونے کے بعد اس کے ورثہ نے اسے مسجد کی چھت پر ڈال دیا ہے، ایسی مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

اور اگر بعینہ یہی صورت ریلوے لائن کے گارڈر میں پیش آئے تو کیا حکم ہے؟ یعنی حکومت برطانیہ کے وقت کسی نے ریلوے لائن کا گارڈر چوری کیا، اس کے مرنے پر ورثہ نے اسے مسجد پر ڈال دیا تو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

کیا اس صورت میں یہ کہنا درست ہو گا کہ گارڈر تو چھت میں ہے، نیچے زمین پر تو اس کا کچھ اثر نہیں، لہٰذا اس مسجد میں نماز جائز ہے۔

اور کیا یہ تاویل بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ یہ گارڈر اب مالک تک واپس نہیں ہو سکتا کہ حکومت تبدیل ہو چکی ہے لہٰذا اب اگر گارڈر کسی فقیر کو ہبہ کر دیں اور وہ فقیر اسے مسجد میں لگا دے تو جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ایسی مسجد میں نماز پڑھنا بلکہ اس کے مسقف حصہ میں داخل ہونا بھی جائز نہیں، تقسیم ملک سے فرنگی حکومت کا مال فی بن کر حکومت پاکستان کی ملک میں داخل ہوگیا، لہٰذا حکومت سے اجازت لینے کے بعد اس کا استعمال جائز ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۳ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۸ھ

تعمیر مسجد کا چندہ غسل خانہ وغیرہ پر خرچ کرنا:

سوال: ایک مسجد زیر تعمیر ہے، اس کے لئے جو چندہ ہو رہا ہے اس سے مسجد کے لئے گودام یا امام و مؤذن کے لئے مکان یا مسجد کے لئے غسل خانے اور پیشاب خانے وغیرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

غسلخانہ اور پیشاب خانہ مصالح مسجد میں سے نہیں بلکہ مسجد کے قریب بھی ان کی تعمیر مسجد کی بے حرمتی اور عبادت میں خلل کا موجب ہے اس لئے ان کی تعمیر پر مسجد کی رقم لگانا جائز نہیں، استنجاء خانے بھی درحقیقت پیشاب خانے ہی ہوتے ہیں ان میں لوگ استنجاء کے بہانے پیشاب بلکہ پاخانہ تک کر دیتے ہیں اور ان کی بدبو مسجد تک پہنچتی رہتی ہے اس لئے ان کا بھی وہی حکم ہے جو پیشاب خانوں کا لکھا گیا۔

البتہ باقی اشیاء مصالح مسجد میں داخل ہیں اس لئے ان پر مسجد کے چندہ کی رقم لگانا جائز ہے، ہاں اگر کوئی چندہ دیتے وقت یہ تصریح کر دے کہ اس کی رقم صرف مسجد ہی پر لگائی جائے تو اس کو دوسرے مصرف پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲ شوال سنہ ۹۰ھ

نااہل کو انتظامیہ کا صدر بنانا:

سوال: ایسے شخص کو مسجد کی منتظمہ کا صدر بنانا جائز ہے یا نہیں جو بجائے مسجد تھانہ کچہری میں آتا جاتا اور مقدمہ بازی میں الجھا رہتا ہے، نمازی اس کے ان اعمال سے بددل ہو رہے ہیں، نیز دینی مسائل اپنے اجتہاد سے گھڑ گھڑ کر بیان کرتا ہے، امام صاحب نے ماہ رمضان میں اعتکاف بیٹھنے کے فضائل بیان کئے، مگر مسجد کی انتظامیہ نے مسجد

میں اعتکاف کا کوئی انتظام نہیں کیا، یہ کہہ کر کہ یہ مسجد محلہ نہیں ہے۔ ایسے شخص کو مسجد کا عہدہ (صدر) یا سکریٹری مقرر کرنا درست ہے یا نہیں؟ عدالتی فیصلہ سے پہلے ہم شرعی حکم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر عدالت میں اس کی آمد و رفت کسی ناجائز مقدمہ کی بناء پر ہے اور نماز میں ناغہ بددلی بھی اس کی بے دینی اور مسجد سے بے رغبتی کی بناء پر ہے تو ایسے شخص کو مسجد کی انتظامیہ کا صدر، ناظم بلکہ رکن بنانا بھی جائز نہیں، بن جانے کے بعد اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے ورنہ واجب العزل ہے۔

قال الله تعالیٰ: انما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر واقام الصلوٰة وآتی الزکوٰة ولم یخش الا الله الآیة۔ والله تعالیٰ اعلم

۱۳ محرم سنہ ۱۳۹۹ھ

عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا:

سوال: اس زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنا کیسا ہے؟ صحیح مسلم میں بروایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اللہ کی باندیوں کو مسجد میں آنے سے منع نہ کرو" اس حدیث سے جواز معلوم ہوتا ہے، مگر آگے صحیح مسلم ہی میں بروایت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ممانعت و عدم جواز معلوم ہوتا ہے، ان دونوں حدیثوں میں تطبیق کیسے دی جاتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

عورتوں کو مسجد میں جانا مکروہ تحریمی اور ممنوع ہے۔ دونوں حدیثوں میں تطبیق ظاہر ہے کہ حدیث اول سے اباحت لعینہٖ ثابت ہوتی ہے اور حدیث ثانی سے حظر لغیرہ یعنی فساد زمانہ کی وجہ سے ممانعت ہے، جب دور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ہی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع کیا گیا تو اس دور فتنہ و فساد میں اس کی اجازت کیونکر دی جاسکتی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

۷ ربیع الاول سنہ ۱۳۹۹ھ

۳۰

متولی کو چندہ قبول نہ کرنیکا اختیار ہے :

سوال : ایک آدمی مسجد کی تعمیر میں اہل قریہ کے ساتھ مالی تعاون کرتا ہے، مگر اس سے چندہ لینے سے امن عامہ کے بگڑنے کا اندیشہ ہے، کیا اس سے چندہ لینے سے انکار کردینا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کے متولی اور منتظم کو اختیار ہے کہ کسی کا چندہ کسی دینی مصلحت کے پیش نظر قبول نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۹۹ھ

مسجدیت کے لئے افراز طریق شرط نہیں :

سوال : ایک شخص نے اپنے کارخانہ میں مسجد تعمیر کی مگر اس کے لئے مستقل راستہ وقف نہ کیا، کیا یہ جگہ شرعی مسجد کہلائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ مسئلہ حضرت امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مابین مختلف فیہا ہے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستقل راستہ کی تعیین کے بغیر وقف تام نہیں ہوتا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں راستہ کا افراز صحت وقف کے لئے شرط نہیں، اس کے بغیر بھی وقف صحیح ہوجائے گا اور راستہ بدون تصریح از خود ثابت ہوجائے گا، چونکہ قضاء اور وقف میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول فتویٰ کیلئے متعین ہے اس لئے بدون افراز طریق بھی یہ جگہ شرعی مسجد ہوجائے گی۔

قال فی التنویر وشرحہ : ویزول ملکہ عن المسجد والمصلی بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدا عند الثانی وشرط محمد والامام الصلاۃ فیہ بجماعۃ۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت (قولہ بالفعل) لکن عندہ لابد من افرازہ بطریقہ ففی النہر عن القنیۃ جعل وسط دارہ مسجدا واذن للناس بالدخول والصلوۃ فیہ ان شرط معہ الطریق صار مسجدا فی قولہم جمیعا والا فلا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقالا یصیر مسجدا ویصیر الطریق من حقہ من غیر شرط کما لو آجر بیتہ ولم یشترط الطریق اھ۔

وقال محمد (قوله وشرط محمد الخ) وفی اسعاف المنتقی وقدمه فی الدرر والوقایة وغیرها قول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ وعامة المشایخ فی الوقف والقضاء اهـ (رد المحتار ص ۴۳۲ ج ۳) والله تعالیٰ اعلم۔

۵ جمادی الآخرة سنہ ۱۳۹۹ھ

چندہ لانے والے کی اُجرت اسی چندہ سے :

سوال : کہیں جگہ پر ایسا ہوتا ہے کہ مسجد کے چندہ کے لئے کسی آدمی کو مقرر کیا جاتا ہے پھر اسی چندہ میں سے مقررہ حصہ مثلاً چوتھائی، تہائی یا کچھ مقرر کئے بغیر حق الخدمت کے عنوان سے اسے کچھ دیدیا جاتا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بظاہر تو یہ ناجائز ہی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ چندہ دہندگان تو مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے ہی چندہ دیتے ہیں لہٰذا یہ اجرت یا حق الخدمت ان کی رضا و منشا کے خلاف ہے، نیز حصہ مقرر کرکے دیا جائے تو یہ قفیز طحان کے مشابہ ہے جسے تمام کتب فقہ میں ناجائز لکھا ہے اس پر تفصیل روشنی ڈالی جائے۔

اور اگر چندہ مسجد کی تعمیر و مرمت کے لئے نہ ہو صرف مصالح مسجد کے لئے ہو تو یہ سفیر کی اجرت مصالح میں داخل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

عالمگیریہ کتاب الوقف میں تصریح ہے کہ قیم مال مسجد کو مشرب پر خرچ نہیں کر سکتا، اسی طرح اگر قیم حساب کتاب سے عاجز ہو تو کاتب کی اجرت بھی مال مسجد سے لینا درست نہیں۔ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ چندہ کی اجرت بھی جائز نہیں بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مسجد کے لئے چندہ جمع کرنے کی اُجرت خواہ طے شدہ ہو یا حق الخدمت کے عنوان سے، بہرکیف وہ اجرت ہی ہے نام بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدلتی۔

کما ورد فی الحدیث : انهم یسمون المحرمات بغیر اسمها ویستحلونها۔

بہرحال؛ حق الخدمت کے عنوان سے جو اُجرت دی جاتی ہے یہ جہالت اُجرت کی بنا پر اجارہ فاسدہ ہے اس لئے ناجائز ہے۔

اور اگر جمع کردہ چندہ میں سے اس کی اجرت طے ہو تو یہ بھی جائز نہیں، اس لئے کہ اجیر قدرت فی العمل نہیں۔

ہاں ! اگر مطلق اس کی تنخواہ مقرر کی جائے خواہ چندہ وصول ہو یا نہ ہو اور قلیل ہو یا کثیر تو یہ صورت جائز ہے ۔

عالمگیریہ کے جس جزئیہ کا سوال میں حوالہ دیا گیا ہے اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ وہ مال وقف لعمارۃ المسجد ہو ۔

لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارۃ المسجد شیئا من ذلک (ص ۴۶۲ ج ۲)

دوسرے جزئیہ میں بھی مال المسجد سے مراد یہی وقف عمارۃ المسجد معلوم ہوتا ہے ، البتہ چندہ وصول کرنے والے کی اجرت اسی چندہ سے ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسی رقم میں سے کوئی حصہ مشروط نہ ہو ، ورنہ یہ اجارہ فاسدہ ہے جیسا کہ گزرا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۵ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۰ھ

مسجد کو تالا لگانا :

سوال : (۱) مسجد کو غیر اوقات نماز میں تالا لگانا جائز ہے یا نہیں ؟

(۲) اگر دو فریقوں (مثلاً دیوبندی و بریلوی) کا جھگڑا ہو جائے تو اس خوف سے کہ جھگڑا مزید نہ بڑھ جائے حکومت یا انتظامیہ کا مسجد کو مقفل کر دینا جائز ہے ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(۱) اصل حکم تو یہ ہے کہ مسجد کو چوبیس گھنٹے کھلا رکھا جائے تاکہ کوئی مسلمان کسی وقت بھی عبادت کے لئے آئے تو اسے دشواری نہ ہو ، مگر آجکل کھلا رکھنے میں کئی مفاسد ہیں ، مثلاً :

(۱) مسجد کا سامان چوری ہو جاتا ہے ۔

(۲) لوگ مسجد کا پانی بھر کر لے جاتے ہیں ۔

(۳) کئی بیکار لوگ مسجد میں آ کر لیٹ جاتے ہیں اور پنکھے چلا کر کئی کئی گھنٹے پڑے رہتے ہیں ۔

(۴) کئی لوگ فارغ بیٹھ کر دنیوی باتیں شروع کر دیتے ہیں ۔

ان مفاسد کا سد باب اس کے بغیر ممکن نہیں کہ نمازوں کے سوا بقیہ اوقات میں مسجد کو بند رکھا جائے ۔

(۲) بحالتِ اضطرار و مجبوری یہ اقدام جائز ہے، مگر ان حالات میں پورے محلہ کا فرض ہے کہ حالات کو معمول پر لاکر مسجد کو کھلوانے کی کوشش کریں، مسجد کا اس طرح ویران رہنا پوری آبادی کے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۲۰ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۴۰۰ھ

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان:

سوال: گمشدہ چیز کا اعلان مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اس مسئلہ میں بعض علماء کو کچھ اشتباہات ہوئے ہیں اس لئے اس کی تفصیل لکھی جاتی ہے۔

گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنے کی چار صورتیں ہیں:

(۱) مسجد سے باہر گم ہوئی ہو۔
(۲) مسجد سے باہر ملی ہو۔
(۳) مسجد میں گم ہوئی ہو۔
(۴) مسجد میں ملی ہو۔

نصوص المذاهب الاربعة

حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

(۱) قال الامام المرغینانی رحمه الله تعالى: ويعرفها في الموضع الذي اصابها وفي المجامع فان ذلك اقرب الى الوصول الى صاحبها (الهداية ص ج ۲)

(۲) قال الامام السرخسي رحمه الله تعالى: وجد رجل لقطة ايام الحج فسأل عنها عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما فقال عرفها في الموسم (الى) وفي هذا دليل على انه ينبغي للملتقط ان يعرفها في الموضع الذي اصابها فيه وان يعرفها في مجمع الناس ويظهر امره بالتعريف في الموسم وهذا لان المقصود ايصالها الى صاحبها وذلك بالتعريف في مجمع الناس في الموضع الذي اصابها حتى يتحدث الناس بذلك بينهم فيصل الخبر الى صاحبها (الى) وانما ينبغي ان يعرفها في الموضع الذي وجدها لان صاحبها يطلبها في ذلك الموضع (المبسوط ص ج ۳)

③ قال الحافظ العینی رحمه الله تعالیٰ: (قوله فی المجامع) ای مجمع الناس کالاسواق وابواب المساجد وفی الشامل والتعریف ان ینادی فی الاسواق والمساجد الخ (البنایة ص۸۳۱ ج۲)

④ قال العلامة ابن نجیم رحمه الله تعالیٰ: قال فی الجوهرة ثم التعریف انما یکون جهرا فی الاسواق وفی ابواب المساجد وفی الموضع الذی وجدها فیه وفی الجوامع (البحر ص۱۵۲ ج۵)

⑤ قال العلامة الحموی رحمه الله تعالیٰ: ثم تعریفها للقطة هو المناداة فی الاسواق والمساجد والشوارع لان المقصود من التعریف وصوله الی المالك والتعریف فی هذه المواضع ابلغ (الاشباه والنظائر ص۲ ج۱)

⑥ قال العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالیٰ: (قوله فی المجامع) ای مجامع الناس کالمساجد والاسواق والشوارع الا انه ینادی علی ابواب المساجد لا فیها (حاشیة الطحطاوی علی الدر ص۵۱۸ ج۲)

⑦ قال الشیخ الانور رحمه الله تعالیٰ: واما انشاد الضالة فله صورتان احداهما ان ضل شیء فی خارج المسجد وینشده فی المسجد لاجتماع الناس فهو اقبح واشنع واما لو ضل فی المسجد فیجوز الانشاد بلا شغب۔

(العرف الشذی ص۱۶۲)

⑧ قال الشیخ محمد زکریا رحمه الله تعالیٰ: واما مکانه فهو الاسواق وابواب المساجد والجوامع فی الوقت الذی یجتمعون فیه کادبار الصلوات فی المساجد وکذلك فی مجامع الناس لان المقصود اشاعة ذکرها واظهارها لیظهر علیها صاحبها فیجب تحری مجامع الناس ولا ینشدها فی المسجد لان المسجد لم یبن لهذا (اوجز المسالك ص۱۴۱ ج۱۳)

مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

⑨ فی المدونة الکبری للامام مالك بن انس رحمه الله تعالیٰ: (قال) ما سمعت من مالك فیها شیئا ولکنی اری ان تعرف فی الموضع الذی التقطت فیه وحیث یظن ان صاحبها هناك وحدیث عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه

وجدها الی الحلق فی المسجد یخبرهم بها ولا یرفع صوته لم أر به بأسا وفی التمهید التعریف عند جماعة الفقهاء فیما علمت لا یکون الا فی الاسواق وابواب المساجد ومواضع العامة واجتماع الناس (شرح منح الجلیل ص ج ۴)

شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

④ قال العلامة القسطلانی رحمه الله تعالیٰ: ویکون فی الاسواق ومجامع الناس وابواب المساجد عند خروجهم من الجماعة ونحوها لان ذلک اقرب الی وجود صاحبها لا فی المساجد کما لا تطلب اللقطة فیها، نعم یجوز تعریفها فی المسجد الحرام اعتبارا بالعرف ولانه مجمع الناس وقضیة التعلیل ان مسجد المدینة والاقصی کذلک وقضیة کلام النووی فی الروضة تحریم التعریف فی بقیة المساجد (الی ان قال) اما سؤال الجماعة فی المسجد بدون ذلک فلا تحریم ولا کراهة و یجب التعریف فی محل اللقطة (شرح القسطلانی ص ج ۴)

⑤ قال العلامة الرملی الشهیر بالشافعی الصغیر رحمه الله تعالیٰ: ثم یعرفها فی الاسواق وابواب المساجد عند خروج الناس منها لانه اقرب الی وجدانها ویکره تنزیها فی المسجد لا تحریما خلافا لجمع مع رفع الصوت بحیث کانشادها فیه الا المسجد الحرام (نهایة المحتاج الی شرح المنهاج ص ج ۵)

حنابلہ رحمہم اللہ تعالیٰ:

⑥ قال العلامة ابن قدامة رحمه الله تعالیٰ: فی مکانه وهو الاسواق وابواب المساجد والجوامع فی الوقت الذی یجتمعون فیه کادبار الصلوات فی المساجد وکذلک فی مجامع الناس لان المقصود اشاعة ذکرها واظهارها لیظهر علیها صاحبها فیجب تحری مجامع الناس ولا ینشدها فی المسجد لان المسجد لم یبن لهذا وقد روی ابو هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال "من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لا ردها الله الیک فان المساجد لم تبن لهذا" وامر عمر رضی الله تعالیٰ عنه واجد اللقطة بتعریفها علی باب المسجد (المغنی ص ج ۶)

⑦ قال الامام برهان الدین ابراهیم بن محمد رحمه الله تعالیٰ تحت

فوق مقنع (ویکون التعریف فی مجامع الناس کالاسواق وابواب المساجد فی اوقات الصلوات) وروی عن عمر رضی اللہ تعالی عنہ انہ امر واجد اللقطۃ بتعریفہا علی ابواب المسجد وعلم منہ انہ لا یفعل ذلک فی المسجد وان کان مجمع الناس بل یکرہ وفی عیون المسائل لا یجوز (المبدع شرح المقنع ص۲۸۱ ج۵)

(۱۸) قال شیخ الاسلام موسی الحجاوی المقدسی رحمہ اللہ تعالی: وتعریفہ علی الفور حیوانا کان او غیرہ بالنداء علیہ بنفسہ او بنائبہ فی مجامع الناس کالاسواق والحمامات وابواب المساجد ادبار الصلوات ویکرہ فیھا ویکثر منہ فی موضع وجدہا فیہ (الاقناع ص۳۸۰ ج۲)

(۱۹) وقال ایضا: (وطریقہ التعریف) ویکون التعریف بالنداء علیہ ای الملتقط بنفسہ ای الملتقط وبنائبہ ویکون النداء فی مجامع الناس کالاسواق والحمامات وابواب المساجد ادبار الصلوات لان المقصود اشاعۃ ذکرہا ویکرہ النداء علیہا فیہا ای فی المساجد لحدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ مرفوعا من سمع ینشد ضالۃ الخ والانشاد دون التعریف فہو اولی ویکثر منہ ای التعریف فی موضع وجدہا فیہ لانہ مظنۃ طلبہا (کشاف القناع عن متن الاقناع ص۲۱۱ ج۴)

(۲۰) قال البہوتی رحمہ اللہ تعالی: وینشد الضالۃ ای تعریفہا ونشدانہا ای طلبہا ولیس سامعہ ای من سمع نشدان الضالۃ ان یقول لا وجدتہا ولا ردہا اللہ علیک لحدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لا ردہا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لہذا رواہ مسلم (کشاف القناع ص۳۶۶ ج۲)

نصوص بالا سے پہلی اور دوسری صورت کا عدم جواز واضح ہے، تیسری اور چوتھی صورت کے بارے میں کوئی حتمی فیصلہ نظر سے نہیں گزرا، مراجعہ کتب اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان فرمودہ تعلیل "ان المساجد لم تبن لہذا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اعلان بھی مسجد کے دروازہ پر کیا جائے۔

عبارات بالا میں سے جن میں اسواق و مجامع کے ساتھ مساجد کا ذکر ہے ان سے جواز کا شبہ ہو سکتا ہے لیکن بوجوہ ذیل یہ صحیح نہیں:

① یہ ممانعت کی دوسری عام تصریحات کے خلاف ہے۔

② بعض نے خود ان سے ابواب مسجد مراد ہونے کی تصریح فرمادی ہے جیسا کہ "طحطاوی علی الدر" اور "اوجز المسالک" میں ہے۔

③ علامہ حطاب رحمہ اللہ تعالیٰ نے "توضیح" سے اس کی توجیہ نقل فرمائی ہے کہ یہ عبارات حذف مضاف پر محمول ہیں اور اس سے ابواب مساجد ہی مراد ہیں۔

البتہ بدون اعلان الفاظ لوگوں سے پوچھنا یا وسائل لقطہ کی اطلاع دینا بلا شبہ جائز ہے کما صرح فی مواہب الجلیل نقلا عن الامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ وکذا عن شرح [illegible] وتعریف اللقطۃ [illegible]۔ ویسے بھی یہ دنیوی کلام کے زمرہ میں آتا ہے جو بوقت ضرورت مسجد میں جائز ہے۔

تنبیہ:

روایات مذکورہ میں سے بعض میں مساجد ثلاثہ میں ضرورۃً جواز انشاد تحریر ہے، مگر اب حکومت کی طرف سے معقول انتظام کی وجہ سے ضرورت نہیں رہی، لہٰذا ان میں بھی جائز نہیں۔

دوسری مساجد میں بھی ایسا ہی انتظام کرنا لازم ہے کہ گمشدہ چیز پہنچانے اور لینے کے لئے کوئی جگہ متعین کر دی جائے، اس تدبیر سے مسجدیں ہر وقت اعلان بلا اعلان کے شور و شغب سے محفوظ رہیں گی، چنانچہ پولیس تھانہ میں پوچھ ہوتی ہے وہاں کوئی اعلان نہیں کیا جاتا، افسوس کہ آج کے مسلمانوں کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کے گھر کی عظمت پولیس تھانہ جیسی بھی نہ رہی، واللہ الہادی الی سبیل الرشاد۔

۱۹ [illegible] ھ

کتاب البیوع

فی بیوت اذن الله ان ترفع ویذکر فیها اسمه یسبح له فیها بالغدو والاصال ۝ رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله واقام الصلوة وایتاء الزکوة یخافون یوما تتقلب فیه القلوب والابصار ۝ لیجزیهم الله احسن ما عملوا ویزیدهم من فضله والله یرزق من یشاء بغیر حساب ۝ (۲۴: ۳۶ تا ۳۸)

* * * * * *

کتاب البیوع

زمین اس طرح فروخت کی مشتری اسکے عوض بائع کو سرکاری زمین خرید کردے :

سوال : ایک شخص کی کچھ زمین ہے، اس نے دوسرے سے کہا کہ فلاں زمین سرکاری مجھے لے دو، اس کے مقابلہ میں اپنی زمین تجھے دوں یا دیدی، اب دوسرے شخص نے یہ بات قبول کرلی اور زمین سرکاری اسے لے دی۔ اس کے بعد پھر ایک شخص تبادلہ کی ہوئی زمین پر کئی سال تک قابض رہا، اب ان میں سے ایک سودے سے پھر گیا ہے۔ کیا یہ پھرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور بیع شرعاً جائز ہوئی یا نہیں؟ بینوا بالبرھان اجرکم الرحمٰن۔

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر لفظ "تجھے دوں" کہا تھا تو یہ بیع نہیں ہوئی، فقط وعدہ بیع ہے۔ جب اس نے یہ زمین خرید کر دوسرے کو دیدی اور اس کی زمین پر خود قبضہ کرلیا تو بیع بالتعاطی ہوگئی۔

قال فی التنویر ویکون بقول او فعل (الی ان قال) اما الفعل فالتعاطی فی نفیس وخسیس (ردالمحتار ص ۵ ج ۴)

اور اگر "دیدی" کہا تھا تو یہ بیع باطل ہوئی، بعد میں تعاطی سے بھی بیع صحیح نہ ہوگی۔

قال فی الشامیۃ بعد فصل فی الفضولی تحت (قوله الا فی هذه الخمسة) قلت ویزاد ما فی جامع الفصولین باع ملك غیره فشراه من مالكه وسلمه الی المشتری فالبیع باطل لا فاسد فلم یجز اذ تقدم سبب ملكه علی بیعه حتی ان الغاصب لو باع المغصوب ثم ضمنه المالك جاز بیعه اما لو شراه الغاصب من مالكه او وهبه له او ورثه منه لا ینفذ بیعه قبله (الی قوله) فهاتان مسألتان الخ (ردالمحتار ص ۱۵۳ ج ۴)

وقال الرافعی رحمه الله تعالی (قوله فهاتان مسألتان الخ) فیهما ما تقدم فی المسألتین لیستا مما نحن فیه اذ هو فی بطلان بیعهما ابتداء والبطلان فیهما بطریق الطرو والثبات علی الموقوف (التحریر المختار ص ۲۰ ج ۲)

وایضا فی الشامیة فی مطلب اذا طرأ ملک بات علی موقوف ابطله - وانما بطل
نفاذ البیع فبطل لانه بالاجازة لا یثبت بها الملک للمشتری باتا والملک البات
اذا ورد علی الموقوف ابطله. وکذا لو وهبه مولاه للغاصب او تصدق به علیه او
مات فورثه فهذا کله یبطل الملک الموقوف واورد علیه ان بیع الغاصب ینفذ باداء
الضمان مع انه طرأ ملک بات للغاصب علی ملک المشتری الموقوف واجیب بان
ملک الغاصب ضروری ضرورة اداء الضمان فلم یظهر فی ابطال ملک المشتری بحر
واجاب فی حواشی مسکین بان هذا غیر وارد لان الاصحاب لم یجروه علی اطلاقه لما
فی البزازیة عن القاضی ونصه الاصل ان من باشر عقدا فی ملک الغیر ثم ملکه ینفذ
لزوال المانع کالغاصب باع المغصوب ثم ملکه وکذا لو باع ملک ابیه ثم ورثه نفذ
وطرو البات انما یبطل الموقوف اذا حدث لغیر من باشر الموقوف کما اذا باع المالک
ما باعه الفضولی من غیر الفضولی او وهبه او اشتری من الفضولی اما اذا کان لمن
باشر الفضولی فلا اھ (رد المحتار ص ۱۵۹ ج ۴)

وقال الرافعی رحمه الله تعالی (قوله واجاب فی حواشی مسکین الخ) ما فی حواشی
مسکین لا یوافق ما مشی علیه فی الفصولین من التفصیل وهو جواز بیع الغاصب
بالاجازة لو مقدما سبب ملکه علی بیعه وعدم جوازه اذا تأخر ومقتضی ما فی
حواشی مسکین ایضا جواز البیع الثانی باجازة المالک الاول لان البات حدث
لمن باشر الثانی الذی هو المشتری الاول ویخالفه ما فی المصنف من عدم جواز
الثانی باجازة الاول ومقتضاه ایضا انه لو ضمن الغاصب نفذ البیع الاول وهو موافق
لما فی الفصولین ویخالف لکلام المصنف وانه لو ضمن المشتری منه ینفذ الثانی لطرو
الملک البات لمباشره وهو غیر مسلم لمخالفته للمصنف فالظاهر الجواب الذی فی البحر
لعدم مخالفته ما فی المتون الخ (التحریر المختار ص ۱۳۹ ج ۲)

بیع باطل یا فاسد کے بعد تعاطی سے بیع صحیح نہیں ہوتی۔

قال فی العلائیة وصرح فی البحر بان الایجاب والقبول بعد عقد فاسد لا ینعقد
بهما البیع قبل متارکة الفاسد ففی بیع التعاطی بالاولی۔

وفی الشامیة: (قوله کما لو کان) ای البیع بالتعاطی بعد عقد فاسد وعبارة

الخلاصۃ اشتری رجل الی قولہ لا یسع ھذا البیع بالتعاطی لانہما یسعران بحکم ذلک البیع السابق وانہ وقع باطلا اھ وعبارۃ البزازیۃ والتعاطی انما یکون بیعا اذا لم یکن بناء علی بیع فاسد او باطل سابق اما اذا کان بناء علیہ فلا اھ (رد المحتار ص ۱۰۷ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ رجب سنہ ۹۲ھ

احتکار کی تحقیق:

کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

اس شرط پر زمین بیچی کہ مشتری کے نام انتقال تک پیداوار بائع لے گا:

سوال: شاہ محمد نے حاجی نور محمد کے پاس اس شرط پر چھ جریب زمین فروخت کی کہ جب تک زمین کے انتقال کی منظوری نہ ملے اس وقت تک پیداوار کا حق دار شاہ محمد رہے گا۔ یہ بیع صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اس صورت میں شرط فاسد لگانے کی وجہ سے بیع فاسد ہے۔

قال فی التنویر فی بیان البیع الفاسد وبیع بشرط لا یقتضیہ العقد ولا یلائمہ وفیہ نفع لاحدھما او لمبیع من اھل الاستحقاق ولم یجر العرف بہ ولم یرد الشرع بجوازہ کشرط ان یقطعہ ویخیطہ قباء ویستخدمہ شھرا او یعتقہ الخ

وفی الشامیۃ: (قولہ ومثال ما فیہ نفع للبائع) ومنہ ما لو شرط البائع ان یھبہ المشتری شیئا او یقرضہ او یسکن الدار الخ (رد المحتار ص ۱۲۱ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ محرم سنہ ۹۳ھ

ٹھیکہ پر دی ہوئی زمین کی بیع موقوف ہے:

کتاب الاجارہ میں ہے۔

مکیلات وموزونات کی بیع بالجنس:

باب الربا والقمار میں ہے۔

آزاد عورت کا فروخت کرنا حرام ہے:

سوال: آجکل عموماً علاقہ سندھ میں عورتوں کو خرید کر نکاح کیا جاتا ہے۔ کیا شرعاً یہ خرید وفروخت درست ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

آزاد مرد اور عورت کی بیع ناجائز اور اس کے عوض کچھ حاصل کرنا حرام ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ ثلاثۃ انا خصمہم یوم القیامۃ رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنہ ورجل استأجر اجیرا فاستوفی منہ ولم یعط اجرہ (بخاری)

وفی الشامیۃ وشروط المعقود علیہ ستۃ کونہ موجودا مالا متقوما مملوکا فی نفسہ و کون الملک للبائع فیما یبیعہ لنفسہ وکونہ مقدور التسلیم فلم ینعقد بیع المعدوم وما لہ خطر العدم کالحمل واللبن فی الضرع والثمر قبل ظہورہ وہذا العبد فاذا ہو جاریۃ ولا بیع الحر والمدبر وام الولد والمکاتب ومعتق البعض الخ (رد المحتار ص ۶ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۹ ذی قعدہ سنہ ۹۳ھ

قبل الدباغ مردار کی کھال کی بیع باطل ہے:

سوال: مردار کی کھال اتار کر رنگنے سے پہلے اس کا فروخت کرنا اور ثمن لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا من اللہ العزیز۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

قبل الدبغ مردار کی کھال کا بیچنا جائز نہیں، یہ بیع باطل اور اس سے حاصل شدہ ثمن حرام ہے۔

قال فی شرح التنویر فی باب البیع الفاسد وجلد میتۃ قبل الدبغ لو بالعرض ولو بالثمن فباطل الخ۔

وفی الشامیۃ (قولہ لو بالعرض الخ) ای ان بیعہ فاسد لو بیع بالعرض وذکر فی شرح المجمع قولین فی فساد البیع وبطلانہ قلت وما ذکرہ الشارح من التفصیل یصلح توفیقا بین القولین لکنہ یتوقف علی ثبوت کونہ مالا فی الجملۃ کالخمر والمیتۃ لا بحتف انفہا مع ان الزیلعی علل عدم بیعہ بان نجاستہ من الرطوبۃ المتصلۃ بہ باصل الخلقۃ فصار فی حکم المیتۃ زاد فی الفتح فیکون نجس العین بخلاف الثوب او الدہن المتنجس حیث جاز بیعہ لعروض نجاسۃ وہذا یفید بطلان بیعہ مطلقا ولذا ذکر فی الفتح قبیلہ عن البرہان ان الاظہر البطلان تأمل (رد المحتار ص ۱۲۷ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۳ھ

کنٹرولی نرخ سے زیادہ پر خرید و فروخت :

کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

حرام مال سے خریدا ہوا سامان بھی حرام ہے :

کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

تالاب میں مچھلی کی بیع جائز نہیں :

سوال : تالاب میں مچھلیوں کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

اگر یہ تالاب شروع ہی سے مچھلی کے لئے تیار نہیں کیا گیا، یا مالک نے خود اس میں مچھلیاں نہیں چھوڑیں تو یہ مچھلیاں تالاب کے مالک کی ملک نہیں اور غیر مملوک کی بیع باطل ہے۔

اور اگر ابتداء ہی سے تالاب مچھلیاں پکڑنے کے لئے تیار کیا گیا ہے یا اس میں مچھلیاں خود مالک نے چھوڑی ہوں یا نہر وغیرہ سے مچھلیاں تالاب میں آئیں اور تالاب کے مالک نے پانی کا راستہ بند کرکے مچھلیاں تالاب میں محبوس کرلیں تو یہ مچھلیاں اس کی مملوک ہیں مگر غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ان کی بیع فاسد ہے۔ البتہ اگر تالاب اس قدر چھوٹا ہو کہ بدون تکلیف و حیلہ اس سے مچھلیاں پکڑی جا سکتی ہوں اور مچھلیوں کی مقدار بھی معلوم ہو تو بیع درست ہے۔

قال فی شرح التنویر: بیع ما لیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم وما لہ خطر العدم لا بطریق السلم فانہ صحیح۔

وایضا فیہا وفسد بیع سمک لم یصد (الی قولہ) او صید ثم القی فی مکان لا یؤخذ منہ الا بحیلۃ للعجز عن التسلیم وان اخذ بدونہا صح ولہ خیار الرؤیۃ الا اذا دخل بنفسہ ولم یسد مدخلہ فلو سدہ ملکہ (الی قولہ) وبیع طیر فی الہواء لا یرجع بعد الارسال من یدہ اما قبل صیدہ فباطل اصلا لعدم الملک۔

وفی الشامیۃ تحت (قولہ وفسد بیع سمک لم یصد الخ) وفیہ ان بیع ما لیس فی ملکہ باطل کما تقدم لانہ بیع المعدوم والمعدوم لیس بمال فینبغی ان یکون بیعہ باطلا۔

وایضا فیہا (تحت قولہ فلو سدہ ملکہ) ای فیصح بیعہ ان امکن اخذہ بلا حیلۃ والا فلا لعدم القدرۃ علی التسلیم والحاصل کما فی الفتح انہ اذا دخل السمک فی حظیرۃ فاما ان یعدہا لذلک اولا ففی الاول یملکہ ولیس لاحد اخذہ ثم ان امکن

اخذه بلا حيلة جاز بيعه لانه مملوك مقدور التسليم والا لم يجز لعدم القدرة على التسليم وفي الثاني لا يملكه فلا يجوز بيعه لعدم الملك الا ان يسد الحظيرة اذا دخل فحينئذ يملكه فان امكن اخذه بلا حيلة جاز بيعه والا فلا وان لم يعدها لذلك لكن اخذه وارسله فيها ملكه فان امكن اخذه بلا حيلة جاز بيعه لانه مقدور التسليم او بحيلة لم يجز لانه وان كان مملوكا فليس بمقدور التسليم اھ (رد المحتار [illegible] ج ۴)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم

۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۵ھ

مسلم فیہ دینے سے عجز کا حکم:

سوال: ایک شخص نے بیع سلم ایک روپیہ فی کا سیر کے حساب سے کی، اب وقت معین پر مبیع کے ادا کرنے پر بوجہ افلاس کے قادر نہیں، تو رب السلم اس سے دو روپیہ فی کا سیر ثمن وصول کرنا چاہتا ہے، کیا شرعاً اس کے لئے یہ فعل جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ومنہ الصدق والصواب

مدت معینہ تک اگر مسلم الیہ مسلم فیہ ادا نہ کرسکا تو اس کے عوض کوئی دوسری چیز لینا یا ثمن سے زیادہ لینا جائز نہیں، لہٰذا مشتری کو چاہئے کہ ایسے تک بائع کو مہلت دے یا اپنا ثمن واپس لے لے۔ بائع کی رضا سے بھی استبدال یا ثمن سے زائد لینا جائز نہیں۔

قال في الهندية: ولا يجوز الاستبدال بالمسلم فيه (عالمگیریہ ص ۱۸۸ ج ۳)

وقال في شرح التنوير: ولو انقطع بعد الاستحقاق خير رب السلم بين انتظار وجوده والفسخ واخذ رأس ماله (رد المحتار ص ۲۰۸ ج ۴)

وايضا فيه: ولا يجوز التصرف للمسلم اليه في رأس المال ولا لرب السلم في المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع وشركة ومرابحة وتولية ولو ممن عليه (الى قوله) لقوله عليه الصلاة والسلام لا تأخذ الا سلمك او رأس مالك اي الا سلمك حال قيام العقد او رأس مالك حال انفساخه فامتنع الاستبدال الخ۔

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى: وتقدم اول فصل التصرف في المبيع ان بيع المنقول من بائعه قبل قبضه لا يصح ولا ينتقض به البيع الاول بخلاف هبته منه لانها مجاز عن الاقالة (رد المحتار ص ۲۲۳ ج ۴) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۲۰ شوال سنہ ۸۳ھ

بیع سلم کی بعض شرائط:

سوال: ایک شخص نے اپنی فصل فروخت کی اس طور پر کہ اس سے جس قدر گندم نکلے گی وہ بیس روپے من ہوگی، ثمن بروقت مشتری نے ادا نہیں کیا، آیا شرعاً یہ بیع درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب ومنہ الصدق والصواب

یہ بیع سلم ہے جس میں مبیع کی مقدار اور وقت ادا کا متعین کرنا نیز کل ثمن کا مجلس عقد میں ادا کرنا شرط ہے۔ صورت سوال میں یہ تینوں شرائط مفقود ہیں، لہٰذا یہ بیع صحیح نہیں ہوئی، نیز بیع سلم میں مبیع کو کسی خاص زمین اور فصل سے مقید کرنا جائز نہیں۔

قال فی التنویر: وشرطہ بیان جنس ونوع وصفۃ وقدر واجل واقلہ شہر الی ان قال: وقبض راس المال قبل الافتراق وهو شرط بقائه على الصحة لا شرط انعقاده بوصفه.

وفی الشرح: فینعقد صحیحا ثم یبطل بالافتراق بلا قبض. (رد المحتار ص۲۱۲ ج۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ ذی قعدہ سنہ ۷۲ھ

مردار کی بدبودار ہڈی کی بیع جائز ہے:

سوال: مردار کی ہڈیوں کی بیع کرنا بالخصوص ایسی ہڈی جس میں تعفن اور بدبو ہو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔

قال الامام قاضیخان رحمہ اللہ تعالیٰ: وبیع جلود المیتۃ باطل اذا لم تکن مدبوغۃ ویجوز بیع عظامها وعصبها وصوفها وظلفها وشعرها وقرنها (خانیۃ بهامش الهندیۃ ص۱۰۳ ج۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ ذی الحجہ سنہ ۷۰ھ

باغ پر پھل کی بیع بشرط وزن:

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک مسئلہ علماء کے مابین متنازع فیہا بن چکا ہے،

فریقین کے دلائل پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرما کر محاکمہ فرمائیں۔

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید کی ملک میں سیب کا باغ ہے، جب سیب ظاہر ہوتے ہیں تو وہ ان غیر پختہ سیبوں کی بیع عمرو کے ہاتھ اس طرح کرتا ہے کہ آپ فی من ایک سو روپے کے حساب سے یہ پورا باغ لے لیں، پکنے کے بعد میں تول کر پھل آپ کے حوالہ کر دوں گا، عمرو قبول کر کے کچھ رقم اسی وقت زید کو دیتا ہے اور بقیہ رقم کا یہ طے ہوتا ہے کہ سیب کٹنے کے بعد دی جائے گی۔

بعض مقامی علماء اس بیع کو جائز قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ یہ بیع ان بیوع مندرجہ ذیل کی طرح ہے جنہیں فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے جائز قرار دیا ہے۔

رجل قال لغیرہ بعت منک عنب ھذا الکرم کل وقر بکذا قالوا ان کان وقر العنب معلوما عندھم والعنب جنس واحد ینبغی ان یجوز البیع فی وقر واحد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وعند صاحبیہ رحمہما اللہ تعالیٰ یجوز البیع فی الکل ویعلم ھذا من مسألۃ ذکرھا رجل باع صبرۃ حنطۃ فقال بعت منک ھذہ الصبرۃ کل قفیز بدرھم، عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ یجوز فی قفیز واحد وعندھما یجوز فی الکل وان کان عنب الکرم اجناسا قالوا ینبغی ان لا یجوز البیع فی شیء فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وان کان وقرہ معروفا وعندھما یجوز فی الکل کما لو قال بعت منک ھذا القطیع من الغنم کل شاۃ بکذا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ لا یجوز البیع اصلا وعندھما یجوز البیع فی الکل والفتویٰ علی قولھما (خانیۃ بھامش الھندیۃ ص ۔۔۔)

یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس میں تسلیم مبیع کا وقت مجہول ہوتا ہے مگر یہ جہالت یسیرہ ہے۔

دوسرے علماء اس کو بوجوہ ذیل بیع فاسد کہتے ہیں۔

(۱) اس میں مبیع کی مقدار مجہول ہے، معلوم نہیں کہ کتنا سیب پیدا ہو۔

(۲) جہالت ثمن۔

(۳) جہالت وقت تسلیم مبیع۔ اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے کی وجہ سے تسلیم مبیع میں پس و پیش بھی ہو سکتا ہے۔

(۴) تبعیض ثمن۔

⑤ تاجیل مبیع کی شرط اگرچہ وقت عقد میں ذکر نہیں کی گئی مگر ضمناً تاجیل مبیع اس میں موجود ہے، اس لئے کہ جب تک سیب پختہ نہ ہو جائے تب تک نہ بائع کاٹنے کی اجازت دیتا ہے نہ مشتری کچے سیب توڑتا ہے۔

⑥ ایک گونہ بیع الکالی بالکالی لازم آتی ہے، اس لئے کہ بقیہ ثمن اور مکمل مبیع تین چار مہینے کے بعد ہی ایک دوسرے کو تسلیم کرتے ہیں۔

⑦ مبیع مقدور التسلیم نہیں ممکن ہے کہ کسی وقت ضائع ہو جائے۔

فریق اول کے دلائل کا فریق ثانی یہ جواب دیتا ہے کہ یہ سب صورتیں مجلس عقد کے ساتھ مقید ہیں یعنی اگر مجلس عقد میں بائع نے تمام صبرہ کو یا انگور کو تول کر دیدیا تو جائز ہے، وکذا فی نظائرھا۔

اگر مجلس عقد میں مبیع کو نہیں تولا تو ہم ان صورتوں کو بھی ناجائز سمجھتے ہیں اور یہاں تو مکمل مبیع تین چار مہینے کے بعد تولی جاتی ہے۔

مجلس عقد میں تعیین مبیع ضروری ہونے کے یہ دلائل ہیں:

① ولهما ان هذه الجهالة بيدهما ازالتها، بان يكيله في المجلس

(فتح القدير ص ۹۹ ج ۵)

② ومن باع صبرة طعام كل قفيز بدرهم الخ۔

اس کے تحت فتح القدیر میں لکھا ہے:

ولا جهالة في العقد فلزم فيه جوازا زالت بالتسمية والكيل في المجلس ويثبت الخيار كما اذا ارتفعت بعد العقد بالرؤية اذ المؤثر في الافساد ارتفاع الجهالة بعد لفظ العقد وكونه بالرؤية ملغى بخلاف ما اذا علم ذلك بعد المجلس لتقرر المفسد۔

(فتح القدير ص ۹۸ ج ۵)

اس میں مجلس عقد کے بعد مقدار مبیع کا معلوم ہونا غیر معتبر بلکہ مفسد عقد قرار دیا ہے، جانبین کے دلائل ملاحظہ فرما کر فیصلہ فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

قائلین فساد عقد کا قول صحیح ہے، وجوہ فساد جو بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح ہیں، البتہ قبض بعض الثمن بمعنی تعیین البعض وتاجیل البعض کو مفسدات میں شمار کرنا صحیح

ینتفع به ولو علفا للدواب فالبیع جائز باتفاق اھل المذھب اذا باع بشرط القطع او مطلقا اھ (قوله ولو الخارج الخ) ذکر فی البحر عن الفتح ان ما نقله شمس الائمة عن الامام الفضلی لم یقیده عنه بکون الموجود وقت العقد الاکثر بل قال اجعل الموجود اصلا وما یحدث بعد ذلک تبعا (قوله ویقطعها المشتری) ای اذا طلب البائع تفریغ ملکه (قوله وبه یفتی) قال فی الفتح ویجوز عند محمد رحمه الله تعالیٰ استحسانا وھو قول الائمة الثلاثة رحمھم الله تعالیٰ واختاره الطحاوی لعموم البلوی۔ (قوله فتنبه) اشار به الی اختلاف التصحیح وتخییر المفتی فی الافتاء بایھما شاء لکن حیث کان قول محمد رحمه الله تعالیٰ ھو الاستحسان یترجح علی قولھما تامل (رد المحتار ص۳۸ ج ۴)

اس تفصیل سے احکام ذیل معلوم ہوئے :

① جب تک پھول پھل کی صورت نہ اختیار کرلے اس کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بروز البعض کے بعد بیع کو ضرورۃ شدیدہ و ابتلاء عام کی وجہ سے ملحق بالسلم قرار دے کر جائز لکھا ہے، ہمارے زمانہ میں قبل البروز بھی بیع کا عام دستور ہے، وہی ضرورۃ شدیدہ وابتلاء عام یہاں بھی ہے جس کی وجہ سے الحاق بالسلم کیا گیا، فلیتأمل۔

② پھل آنے کے بعد انسان یا حیوان کے لئے قابل انتفاع بھی ہوگیا تو بالاتفاق بیع جائز ہے۔

③ حیوان کے لئے بھی قابل انتفاع نہیں ہوا تو اس کی بیع کے جواز میں اختلاف ہے قول جواز راجح ہے۔

④ کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوا تو اس میں بھی اختلاف ہے جواز راجح ہے۔

⑤ صحت بیع کے بعد بائع نے مشتری کو پھل درخت پر چھوڑنے کی عرفاً یا دلالۃً اجازت دیدی تو پھل حلال رہے گا۔

اس میں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ آجکل پھلوں کے پکنے تک درخت پر چھوڑنا متعارف ہے تو "المعروف کالمشروط" کے تحت یہ بیع فاسد ہونا چاہیے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شرط الابقاء کے مفسد عقد ہونے کی علت افضاء الی المنازعۃ ہے اور تعامل ابقاء کی صورت میں احتمال منازعۃ نہیں۔

وهذا ما صرحت به الفقهاء رحمهم الله تعالی فی اجارة الصباغ وغیرها من المسائل
ویؤیده ما مر من نص محمد رحمه الله تعالی بانه لا یفسد وان تعذرت الثمرة المتعارفة الخ
واللّٰه سبحانه وتعالیٰ اعلم

۱۰ ذی القعدہ سنہ ۱۳۸۸ھ

بیع الثمر قبل الظہور:

سوال: باغوں کے پھل کی بیع جبکہ بور میں پھل اس قدر نکلا ہو کہ کالی مرچ یا چنے کے برابر ہو تو اسے قابل انتفاع کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسے وقت آم کی بیع درست ہے یا نہیں؟ نیز بعض پھل یک لخت نہیں نکلتے، مثلاً کیلا تھوڑا تھوڑا نکلتا ہے، اس کی بیع کب درست ہوگی؟ اگر جائز نہیں ہے تو جواز کے لئے کوئی حیلہ کارگر ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سے قبل آنجناب سے استفتاء کیا گیا تھا مگر جواب مختصر ہونے کی وجہ سے ملتان و دور دراز علاقوں کے علماء میں مسئلہ کے جواز و عدم جواز میں اختلاف چل رہا ہے، عنقریب فریقین کے سوال آپ کے پاس بھی آئیں گے، امید ہے کہ قدرے تفصیل سے بیان فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس معاملہ میں ابتلاء عام اور اس سے احتراز کے تعسر بلکہ تعذر کے پیش نظر اہل فتویٰ پر لازم ہے کہ اس کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرما کر اس کا کوئی حل نکالیں۔

بعض اہل تقویٰ آم سے پرہیز فرماتے ہیں مگر اس پرہیز سے عامۃ المسلمین کے لئے تو کجا سبیل تخلص خود ان کے لئے بھی کارآمد نہیں، اس لئے کہ یہ معاملہ صرف آم کے ساتھ مخصوص نہیں کہ اس کے ترک سے تقویٰ محفوظ رہے بلکہ سب پھلوں کی بیع میں یہی دستور ہے، بالخصوص کیلے کا مسئلہ تو اور بھی زیادہ کٹھن ہے، اس لئے کہ اس کے تو بہت سے پودے بھی بیع کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔

ایسی ضرورت شدیدہ کے مواقع میں عمل بالمرجوح بلکہ عمل بمذہب الغیر کی بھی گنجائش دی جاتی ہے، بلکہ بعض مواقع میں عمل بمذہب الغیر واجب ہو جاتا ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ ایسے مواقع ضرورت کو کسی بعید سے بعید تاویل کے ذریعہ کسی کلیہ شرعیہ کے تحت لاکر گنجائش نکالنے کی کوشش فرماتے ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیع ثمار کی گنجائش نکالنے کی ہمت د

ضرورت پر بہت زور دیا ہے اور طویل بحث فرمائی ہے، بالآخر اس کو بیع سلم سے ملحق قرار
دے کر جواز کا فتویٰ تحریر فرمایا ہے۔

التحریر المختار میں علامہ رافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی
اس تحقیق پر کوئی اعتراض نہیں کیا، مگر حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے امداد الفتاویٰ میں
مندرجہ ذیل اشکالات تحریر فرمائے ہیں:

(١) وقت عقد میں مسلم فیہ کا وجود ضروری ہے۔
(٢) مقدار ثمار متعین نہیں۔
(٣) کوئی اجل متعین نہیں۔
(٤) اجل پر مشتری بائع سے مطالبہ نہیں کرتا۔
(٥) اکثر ثمار عددی متقارب یا وزنی متماثل نہیں۔
(٦) اکثر پورا ثمن پیشگی یک مشت تسلیم نہیں کیا جاتا۔

اشکال اول کا جواب تو حضرت حکیم الامۃ قدس سرہ نے خود ہی تحریر فرما دیا ہے کہ
امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بوقت عقد مسلم فیہ کا وجود شرط نہیں۔

ثانی سے خامس تک کے اشکالات کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ اشتراط امور مذکورہ
کے مفسد ہونے کی علت جہالۃ مفضیۃ الی المنازعۃ ہے، مگر بسبب تعارف احتمال
نزاع منقطع ہو گیا۔

فارتفع الفساد لارتفاع العلۃ کما قالوا فی اشتراط الآلۃ علی الاجیر والصبغ
علی الصباغ والخیط علی الخیاط۔

اشکال سادس کا حل یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تاخیر الثمن
بالاشتراط تین یوم تک اور بدون اشتراط زیادہ مدت تک بھی جائز ہے (بدایۃ المجتہد
ص ٢٠٣ ج ٢، اقرب المسالک مع الشرح الصغیر ص ٢٦٢ ج ٣)

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس پر متفق ہیں کہ بوقت عقد وجود مسلم فیہ شرط نہیں، اسلئے
مسئلہ زیر بحث میں قول مالک رحمہ اللہ تعالیٰ اختیار کرنا چاہئے، للزوم التلفیق علی تقدیر
قول الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

متعاقدین بوقت ضرورت تین روز سے زائد شرط تاخیر ثمن کے فساد سے احتراز کی

یہ تدبیر کرسکتے ہیں کہ مشتری کل ثمن بروقت ادا کرنے پر قادر نہیں تو بائع ہی سے قرض لیکر
اس کو بطور ثمن واپس کردے۔

یہ تدبیر متعاقدین کے فائدہ کے لئے لکھدی ہے، ورنہ عوام پر تجسس یا تحقیق لازم نہیں
بلکہ یہ تحقیق جائز ہی نہیں کہ بائع کی بیع مطلق ہوئی ہے یا بشرط تاخیر ثمن؟ پھر شرط تاخیر تین
روز تک ہے یا اس سے زائد؟

ہاں جہاں بدون تجسس تین روز سے زائد شرط تاخیر محقق ہوجائے یا اس کا دستور عام
معروف ہوجائے وہاں احتراز لازم ہے۔

فائدہ:

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالی نے ابتلاء عام و ضرورۃ شدیدہ کی وجہ سے الحاق
بالسلم کی بحث بروز البعض کے بیان میں لکھی ہے مگر اس پوری بحث سے ظاہر ہے کہ
قبل بروز الثمار بلکہ قبل بروز الازہار کا بھی یہی حکم ہے، جہاں اس میں ابتلاء عام کی
وجہ سے ضرورۃ شدیدہ کا تحقق ہوجائے وہاں مذہب مالک رحمہ اللہ تعالی کے مطابق
اس کو بیع سلم میں داخل کرکے جائز قرار دیا جائے گا۔

غور کرنے سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کا حل خود فقہ حنفی میں موجود ہے لہٰذا دوسرے
مذاہب کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ آم اور اس قسم کے دوسرے پھلوں کی بیع درختوں پر پھول آنے کے بعد
ہوتی ہے، اگر بعض ثمر بھی ظاہر ہوچکا ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور اگر ثمر بالکل ظاہر
نہ ہوا ہو تو یہ بیع الثمار نہیں بلکہ بیع الازہار ہے، اور یہ ازہار مال متقوم منتفع بہ
للدواب بل لبعض حاجات الناس بھی ہے، بالفرض فی الحال منتفع بہ نہ بھی ہو تو
فی ثانی الحال منتفع بہ ہے، كما نقل العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى عن الامام ابن الهمام
رحمه الله تعالى فی صحة بيع الثمار بعد الظهور قبل ان تكون منتفعا بها (رد المحتار ص ۴۲ ج ۴)

حضرات فقہاء رحمہم اللہ تعالی نے بیع الثمر قبل انعقاد الزہر کو بالاتفاق ناجائز
قرار دیا ہے مگر خود بیع الزہر کے عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں۔ البتہ بیع قبل ظہور الازہار
کی صورت میں عمل بمذہب مالک رحمہ اللہ تعالی کے سوا چارہ نہیں، اور یہ جب جائز
ہوگا کہ اہل بصیرت اس میں ابتلاء عام اور ضرورۃ شدیدہ کا فیصلہ کردیں۔

کیلے کے باغ کی بیع اس لئے جائز ہے کہ یہ بیع الاشجار مع الاصول ہوتی ہے لہٰذا بیع کے بعد پیدا ہونے والے درخت مشتری کی ملک ہیں، اگر اس بیع میں مدت معینہ کے بعد ترک الاصول للبائع مشروط ہو تو یہ بیع فاسد ہوگی۔

وھو بمنزلۃ ملک المشتری بعد القبض فیعمل الظاہر مشترین الثانی۔

اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیع الاشجار بدون الاصول ہے، اشجار موجودہ کی بیع میں کوئی کلام نہیں اور اشجار غیر موجودہ کی بیع بیع الاشجار الموجودہ درست ہے۔

وھذا فی الشرح فی کتب المذھب خصوصاً فی مبحث بیع الثمار والاشجار من رد المحتار۔

شبہ: بعض لوگوں کو شبہہ ہوا ہے کہ بیع بشرط التبقیۃ فاسد ہے اور عاقدین پر ترک میں اگرچہ بیع مطلق ہے مگر عرفاً تبقیہ لازم ہے، والمعروف کالمشروط۔

جواب: مبحث مذکور میں اس شبہ کا جواب موجود ہے، یعنی یہ شرط مفضی الی النزاع ہونے کی وجہ سے مفسد تھی، مگر عرف عام سے احتمال نزاع منقطع ہوگیا۔ فارتفع الفساد۔ وانظر تفصیلہ فی اجارات کتب المذھب۔ فاغتنم ھذا التحقیق الفرید وتشکروا بانہ واستحق فی المدارس مقام الصدیق ولیس بشاد للدین احد الاغلبہ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۳ ذی الحجہ سنہ ۹۹ھ

مثل سوال بالا:

سوال: علماء سندھ کے دو مختلف فتوے ارسال خدمت ہیں، فریقین نے اپنے اپنے موقف کے اثبات میں حنفیہ کی معروف ومتداول کتب بحر، عالمگیریہ، شامیہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے، حضرت والا اپنی رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔

دونوں فتووں میں کیلے کے باغ کی بیع کے سلسلے میں حیلہ جواز یہ تحریر کیا ہے کہ بوقت بیع اس زمین کو ٹھیکے پر لے لے، مگر جانب کے ایک فتوی میں جو حضرت کے دارالافتاء سے جاری ہوا ہے جواز کے لئے یہ حیلہ لکھا گیا ہے کہ زمین کو دو حصوں میں کیلا لگا ہوا ہے جتنا چند سال کے لئے ٹھیکہ پر اسے دے دیا۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ علماء سندھ کے فتوی میں بوقت بیع یہ حیلہ اختیار کرنے

کا حکم دیا گیا اور آپ کے فتوی میں کیا لکھا ہے، سے پہلے۔ امید ہے کہ قول فیصل تحریر فرما کر تشفی فرمائیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مسئلہ زیر بحث سے متعلق بندہ نے ۲۳ ذوالحجہ ۹۵ھ میں ایک مفصل جواب لکھا تھا جس کی فوٹو کاپی ارسال ہے، مزید آپ کے مرسلہ فتاوی میں دو عبارتوں سے متعلق بحث تحریر کی جاتی ہے:

(۱) واما البیع مطلقا فذکر فی الهدایة جوازه واعترض ابن عابدین رحمه الله تعالی بان المعروف بالعرف کالمشروط بالشرط فلا یصح البیع مطلقا وکنت مترددا فی هذا حتی انی وجدت فی فتاوی ابن تیمیة عن ابی حنیفة والثوری رحمهما الله تعالی انهما اجازا البیع مطلقا اذا اجازا بیع الثمر المدرک علی الاشجار فاذن لما وجدت عن ابی حنیفة رحمه الله تعالی فلا ابالی فالحاصل انا لم نجد حوالا ابتداء فی صلب العقد بعدم البیع وان کان معروفا بالعرف هذا ما حصل لی والله اعلم وعلمه اتم (العرف الشذی ص ۳۵۸)

اس سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ اس میں عرف سے کوئی تعرض نہیں، ظن غالب یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالی کے زمانہ میں یہ عرف نہیں تھا، اگر یہ عرف ہوتا تو صراحۃً اجازت بائع کی ضرورت نہ تھی، اس لئے کہ عرف کی وجہ سے دلالۃً اذن بائع موجود ہے، نیز بصورت وجود عرف امام رحمہ اللہ تعالی سے اس کی وضاحت منقول ہوتی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ عرف نہیں تھا، معہذا کسی کو عدم عرف کے ثبوت میں کلام ہو تو کم از کم اسکا احتمال یقیناً ہے، فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

(۲) ولو اراد ان یزرع فی الارض و یکون له الولایة الشرعیة فالحیلة ان یشتری الحشیش والاشجار الصغار ببعض الثمن ویستاجر الارض ببعض الثمن من صاحب الارض ایاما معلومة وینبغی ان یقدم بیع الاشجار والثمار والحشیش ویؤخر الاجارة فانه لو قدم الاجارة لا یجوز کذا فی جامع الفتاوی ولو باع اشجار البطالیخ واجار الارض یجوز ایضا الا ان الاجارة لا تکون لازمة ویکون له ان یرجع کذا فی فتاوی قاضیخان (عالمگیریہ ص۳۳۳ ج ۳)

اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ معقود فی صفقۃ ہے بوقت بیع شرطِ اجازہ کی خواہ تصریح ہو مگر جانبین میں معہود ہونے کی وجہ سے بمنزلۂ تصریح ہی ہے اور جب اسکا عرف ہو جائے تو "المعروف کالمشروط" مسلم ہے اگر تعامل کو اس کا مخلص قرار دیا جائے تو پھر ایسے حیلوں کی حاجت ہی کیا ہے؟ تعامل کے پیشِ نظر یہ معاملہ بدون حیلہ ہی جائز ہے، کما حررنا مفصلاً۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۷ ربیع الثانی سنہ ۹۲ھ

بیع بشرط البراءۃ من کل عیب:

سوال: زید کے پاس ایک نا بھن بھینس ہے، جو بچہ دینے کے بعد پانچ سیر دودھ دیتی ہے، اب زید اسے فروخت کرنا چاہتا ہے مگر دودھ دینے کی یہ مقدار اگر ظاہر کر دے تو کوئی بیوپاری خرید نے پر آمادہ نہ ہوگا، کیا یہ بات بتائے بغیر وہ اسے فروخت کر سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زید اگر بھینس بیچتے وقت خریدار سے یوں کہہ دے کہ میں اس کے ہر عیب سے بری ہوں، چاہو تو لے لو ورنہ چھوڑ دو، تو بیع صحیح ہو جائے گی اگرچہ وہ سب عیوب نہ گنائے، پھر کوئی عیب نکل آیا تو زید ذمہ دار نہ ہوگا۔

قال فی التنویر: وصح البیع بشرط البراءۃ من کل عیب وان لم یسم۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ تحت ھذا القول: بان قال بعتک ھذا العبد علی انی بریٔ من کل عیب (رد المحتار ص ۱۸۲ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ شعبان سنہ ۹۶ھ

مبیع میں ظہور عیب:

سوال: ہمارے یہاں مویشیوں کے بیوپاری لوگوں کا دستور ہے کہ اگر بائع بوقت بیع اپنے جانور کا عیب ظاہر نہ کرے تو بعد میں عیب ظاہر ہو جانے پر مشتری اس مویشی کی رقم کم کر کے دیتا ہے، مثلاً بھینس کے ایک تھن میں اگر آدھا سیر دودھ کم ہو، یعنی اس کے چاروں تھن برابر نہ ہوں تو سو روپے قیمت میں سے کم کر دیئے جائیں گے خواہ بائع اس پر راضی ہو یا نہ ہو، اس طرح کم کر کے رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

عیب پر مطلع ہونے کے بعد مشتری کو اختیار ہے چاہے تو کل ثمن کے بدلے اس کو رکھے اور چاہے تو واپس کردے، معیب جانور کو رکھ کر رجوع بالنقصان کرنا جائز نہیں، البتہ اگر مشتری کے پاس آکر اس جانور میں کوئی نیا عیب بھی پیدا ہوگیا تو مشتری رجوع بالنقصان کرسکتا ہے، بائع کی رضا سے واپس بھی کرسکتا ہے۔ واپسی پر بائع کی رضا کے بعد مشتری مبیع کو رکھنا چاہے تو وہ رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا۔

قال فی التنویر: من وجد بمشتریہ ما ینقص الثمن اخذہ بکل الثمن او ردہ۔

(رد المحتار ص ۸۰ ج ۴)

وفیہ: حدث عیب آخر عند المشتری رجع بنقصانہ او ردہ برضا البائع۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: اذا رضی بالضرر فیخیر المشتری حینئذ بین الرد والامساک من غیر رجوع بنقصان (رد المحتار ص ۹۹ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳ ذی الحجۃ ۹۸ھ

مبیع کا عیب چھپانا حرام ہے:

سوال: زید ایک دکاندار ہے، اس کے ہاں ایک قسم گندم اکیس روپے من اور دوسری قسم انیس روپے من بکتی ہے، وہ دونوں قسم کی گندم ملاکر بیس روپے من فروخت کرتا ہے، اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ دونوں قسم کی گندم الگ الگ بھی رکھتا ہے، گویا اس کی دکان پر تین قسم کی گندم ہے، انیس روپے من، بیس روپے من اور اکیس روپے من، خریدار کو تینوں قسمیں بتادیتا ہے تاکہ اسے جو پسند آئے وہ لے، اور دو قسم کی گندم ملاکر فروخت کرنے سے اس کا مقصد فریب دہی نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ انیس روپے والی گندم کا آٹا اتنا عمدہ نہیں ہوتا جتنا کہ دونوں قسموں کے مجموعہ کا ہوتا ہے۔ کیا اس کا یہ فعل درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے، اس لئے کہ دکاندار نے مبیع کا کوئی عیب نہیں چھپایا، عیب چھپانا حرام ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: لا یحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن

لان الغش حرام اھ (ردالمحتار ص۱۰۳ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۹۵ھ

ظہور عیب پر مشتری کو خیار فسخ ہے:

سوال: زید نے اپنی ایک زمین جس پر کچھ تعمیر بھی تھی، عمرو کے ہاتھ اٹھارہ ہزار میں فروخت کی، طے یہ پایا کہ دس ہزار عمرو نقد ادا کرے اور آٹھ ہزار مدت معینہ کے بعد، چنانچہ زید نے چھ ہزار نقد وصول کر لئے اور بقیہ چار ہزار عمرو کے پاس امانت چھوڑ دیئے، چند دن گزرنے کے بعد زید کے ایک رشتہ دار بکر نے مذکورہ زمین کے ایک حصہ پر اپنی ملکیت کا دعویٰ دائر کر دیا، بعد ازاں زید نے مشتری عمرو سے اپنی رقم طلب کی تو اس نے جواب دیا کہ پہلے بکر سے تصفیہ کر لو ورنہ مجھے یہ جھگڑے کا سودا منظور نہیں، میری رقم لوٹا دو، بات یونہی چلتی رہی، اب کئی ماہ گزرنے پر معلوم ہوا کہ زید یہ زمین کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، سوال یہ ہے کہ شرعاً اب یہ زمین کس کی ملک ہے؟ زید کی یا عمرو کی؟ اور زید کا یہ تصرف درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مبیع میں نزاع کا وقوع عیب ہے، لہٰذا عمرو کے نامنظور کرنے سے یہ بیع فسخ ہو گئی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۷ رجب سنہ ۹۸ھ

افیون کی کاشت و بیع جائز ہے:

سوال: افیون کی کاشت کرنا اور بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

زمانہ سابق میں افیون دوا میں بکثرت استعمال نہیں ہوتی تھی بلکہ عموماً لہو کے طور پر استعمال کی جاتی تھی، اس لئے بعض فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کی بیع کو مکروہ تحریر فرمایا ہے، مگر آجکل افیون دوا کے طور پر کثرت سے استعمال ہونے لگی ہے اور علاج میں بڑی اہمیت اور شہرت حاصل کر چکی ہے بلکہ ضرورت شدیدہ کی حد

تمباکو جیسی شئی ہے، لہذا اس کی بیع بلا کراہت جائز ہے، البتہ جس شخص کے بارے میں ظن غالب ہو کہ وہ نشہ کے طور پر استعمال کریگا اس کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۶ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۰ھ

سگریٹ کی تجارت جائز ہے:

سوال: سگریٹ کی تجارت جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۰ھ

بھینس کے نو مولود بچہ کی بیع:

سوال: مویشی پالنے والے لوگوں کے ہاں عام دستور ہے کہ گائے یا بھینس کا بچہ پیدا ہوتے ہی قصاب کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں جس سے ان کا مقصد دودھ بچانا یا ان بچوں کی دیکھ بھال سے وقت بچانا ہوتا ہے، نتیجۃً یہ گائے بھینس بچوں کے فراق میں کئی کئی روز دکھی رہتی ہے، کیا ان لوگوں کا یہ طریقہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ایسا کرنا ظلم ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللہ بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ۔ (ترمذی، مستدرک)

وقال العلامۃ البابرتی رحمہ اللہ تعالیٰ: فلا یدخل محرم غیر قریب ولا قریب غیر محرم ولا ما لا محرمیۃ بینہما اصلا حتی لو کان احدھما اخا رضاعیا للآخر او کانت امۃ والآخر ابنھا رضاعا او کان احدھما ولد عم او خال او کان احدھما زوجا للآخر جاز التفریق بینھما لان النص الناھی ورد بخلاف القیاس لان القیاس یقتضی جواز التفریق لوجود الملک المطلق للتصرف من الجمع والتفریق کما فی الکبیرین وکل ما ورد من النص بخلاف القیاس یقتصر علی مورده ومورده الوالدۃ وولدھا والاخوان (عنایۃ بھامش فتح القدیر ج ۶)

اگرچہ یہ حکم بنی آدم کے ساتھ مخصوص ہے اور حیوان کے بچے کی بیع واجب الرد نہیں مگر قبح حسنت اور قساوت قلب سے خالی نہیں، عمر کی کوئی قید نہیں، جب تک سخت ضرر کا احتمال ہو اس وقت تک نہ بیچنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ رشوال سنہ ۹۰ھ

جھینگے کی بیع جائز ہے:

سوال: ایک مسلمان کراچی میں مانجھ کے ذریعہ مچھلیاں اور جھینگے پکڑ کر اس کی تجارت کرتا ہے، کیا یہ تجارت جائز ہے؟ عموماً ان جھینگوں کا نیلام کراچی میں ہوتا ہے، اس کے بعد انہیں یورپ اور امریکہ وغیرہ برآمد کیا جاتا ہے، غالباً شوافع کے نزدیک تو کیکڑے جھینگے وغیرہ سب سمندری جانور حلال ہیں، تو کیا یہ تجارت جائز ہوگی؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ دوسرے ائمہ کے نزدیک جھینگا حلال ہے اس لئے اس کی تجارت جائز ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۳ رشوال سنہ ۹۰ھ

بعض الحیوان کی بیع جائز ہے:

سوال: زید نے اپنی گائے کے چھ حصے چھ آدمیوں کے ہاتھ قربانی کے لئے فروخت کئے، ساتواں حصہ اپنے لئے رکھ لیا، کیا ان چھ حصوں کی بیع جائز ہے؟ بظاہر تو عدم جواز ہی ہے کیونکہ یہ بعض حیوان کی بیع ہے، نیز زید کا اپنی شرکت کی شرط لگانا بھی مفسد بیع معلوم ہوتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بعض الحیوان کی بیع جائز ہے، ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لہٰذا ایسے جانور کی قربانی بلاکراہت جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ رذوالحجہ سنہ ۹۳ھ

جانور کے مثانہ کی بیع:

سوال: حلال جانور کے مثانے (جس میں پیشاب رہتا ہے) کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۹۵ھ

زندہ مرغی کی بیع وزناً جائز ہے:

سوال: آجکل زندہ مرغی تول کر بیچی جاتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ جبکہ ہدایہ میں تصریح ہے:

ولا یمکن معرفۃ ثقلہ بالوزن لانہ یخفف نفسہ مرۃ ویثقل اخریٰ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم امکان معرفت وزن کی وجہ سے یہ بیع صحیح نہیں۔

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مرغی کے سانس کی وجہ سے اس کے وزن میں کوئی معتدبہ فرق نہیں آتا، لہٰذا یہ جہالت یسیرہ ہے جو مفضیۃ الی المنازعۃ نہیں، نیز مرغی کی اس طرح بیع کے عرف عام ہوجانے کی وجہ سے اس میں تنازع کا احتمال نہیں، اس لئے یہ بیع جائز ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ صفر سنہ ۹۵ھ

مروجہ بیوع میں مشتری کا بر اعادۂ وزن کی تحقیق:

سوال: ایک دودھ والے سے ہمیشہ دودھ مستقل مقدار میں لیا جاتا ہے جو دودھ والا خود مکان پر دے جاتا ہے مگر ہمارے روبرو وزن نہیں کرتا بلکہ وزن کرکے لاتا ہے اور ہمارے برتن میں ڈال جاتا ہے، ہمیں اس کے وزن پر اعتماد ہے اس لئے ہم اس دودھ کو وزن نہیں کرتے۔ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بدوں وزن کئے اس دودھ کو استعمال میں لانا جائز نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب بائع مبیع کا وزن کرے تو اس موقع پر مشتری کا وجود و رؤیت شرط ہے یا اتنا بھی کافی ہے کہ وہ اپنا برتن چھوڑ جائے یا کسی کو اپنا وکیل بنا دے؟ آجکل کثرت مشاغل کی بناء پر شہری لوگوں نے یہ وطیرہ اختیار کیا ہے کہ دکاندار کو فون پر کہدیا کہ فلاں فلاں اشیاء اتنی اتنی مقدار میں تول کر رکھدو پھر کسی ذریعے سے وہ

تل ہوئی اشیاء منگواتے ہیں یا دوکاندار خود پہنچا دیتا ہے اور مشتری دوبارہ وزن کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ یہ طریقہ شرعاً درست ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

ان دونوں صورتوں میں بیع بالتعاطی ہے اس لئے خریدار پر دوبارہ وزن کرنا ضروری نہیں، ان اشیاء کی قیمت اگرچہ بعد میں مہینہ گزرنے پر ادا کرتے ہوں تو بھی یہی حکم ہے، بالشافہہ خرید و فروخت بھی عموماً بالتعاطی ہی ہوتی ہے۔

قال فی التنویر: اشتری مکیلا بشرط الکیل حرم بیعه واکله حتی یکیله، ومثله الموزون والمعدود بغیر الدراهم والدنانیر۔

وفی الشرح: لجواز التصرف فیهما بعد القبض قبل الوزن کبیع التعاطی فانه لا یحتاج فی الموزونات الی وزن المشتری ثانیا لانه صار بیعا بالقبض بعد الوزن قنیة وعلیه الفتوی خلاصة۔

وفی الحاشیة: (قوله کبیع التعاطی الخ) عبارة البحر وهذا کله فی غیر بیع التعاطی اما هو فقال فی القنیة ولا یحتاج الخ وظاهر قوله وهذا کله انه لا یتقید بالموزونات بل التعاطی فی المکیلات والمعدودات کذلک وهو مفاد التعلیل ایضا بانه صار بیعا بالقبض فانه لا یخص الموزونات لکن فیه ان مقتضی هذا انه لا یصیر بیعا قبل القبض ولعله مبنی علی القول بانه لا بد فیه من القبض من الجانبین والاصح خلافه وعلیه فلو دفع الثمن ولم یقبض صح وقدمنا اوائل البیوع عن القنیة دفع الی بائع الحنطة خمسة دنانیر لیاخذ منه حنطة وقال له بکم تبیعها فقال مائة بدینار فسکت المشتری ثم طلب منه الحنطة لیاخذها فقال البائع غدا ادفع لک ولم یجر بینهما بیع وذهب المشتری فجاء غدا لیاخذ الحنطة وقد تغیر السعر فعلی البائع ان یدفعها بالسعر الاول اهـ وتمامه هناک فتامل (رد المحتار ص۱۶۳ ج ۴) والله سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۲ صفر سنہ ۱۳۹۸ھ

متعین وزن کے ڈبوں کی بیع:

سوال: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ کسی نے کچھ اناج گھی، تیل وغیرہ کچھ نرخ

نے کر کے خریدا تو اس کی تین صورتیں ہیں :

(۱) دکاندار نے خریدار یا اس کے بھیجے ہوئے آدمی کے سامنے تول کر دیا ہے۔

(۲) خریدار یا اس کے بھیجے ہوئے آدمی کے سامنے نہیں تولا بلکہ خریدار یا اسکے آدمی سے یہ کہہ دیا کہ تم جاؤ ہم تول کر گھر بھیج دیتے ہیں۔

(۳) اس سے پہلے الگ تول ہوا رکھا تھا، دکاندار نے اسی طرح اٹھا کر دیدیا پھر نہیں تولا۔

پہلی صورت میں گھر لا کر دوبارہ تولنا ضروری نہیں، بغیر تولے اس کا کھانا، پینا، بیچنا سب صحیح ہے۔

دوسری تیسری صورت میں جب تک خریدار خود نہ تول لے اس کا کھانا، پینا، بیچنا وغیرہ کچھ درست نہیں، اگر بے تولے بیچ دیا تو یہ بیع فاسد ہوگئی، پھر اگر تول بھی لیوے تب بھی یہ بیع درست نہیں ہوئی انتہیٰ۔

آجکل متعدد چیزیں مختلف اوزان کے ڈبوں اور پیکٹوں میں بند رکھی ہوتی ہیں، گاہک دکاندار سے کہتا ہے کہ فلاں چیز ایک سیر دیدو، وہ ایک سیر کا ڈبہ یا پیکٹ اٹھا کر دے دیتا ہے، نہ تو دکاندار خود تول کر دیتا ہے اور نہ وہ گاہک، کو اس طرح ڈبوں اور پیکٹوں میں مال خریدنا اور بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بائع و مشتری دونوں کا مقصد وہ خاص ڈبہ اور لفافہ ہوتا ہے، اس پر لکھا ہوا وزن بیع میں مشروط نہیں ہوتا، اس لئے بدون وزن کئے اس میں تصرف جائز ہے۔

واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۷ جمادی الاولیٰ سنہ ۹۴ھ

برف کی بیع تخمینہ سے :

سوال : اگر کوئی شخص دوکاندار سے مثلاً برف ایک سیر مانگتا ہے جو آٹھ آنے سیر ملتی ہے تو وہ دوکاندار کو آٹھ آنے دیتا ہے، دوکاندار بجائے تولنے کے اندازہ سے برف گاہک کو دیدیتا ہے، کیا یہ خرید و فروخت جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر برف بشرط وزن خریدنا ہو تو بدوں وزن اس میں تصرف جائز نہیں، ایسی ضرورت کے وقت وزن سے قطع نظر برف کے ٹکڑے کی بیع کرلی جائے تو بدوں وزن تصرف جائز ہو جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

٢٤ جمادی الاولی سنہ ١٤٠٠ھ

عددی چیزوں کا انکی جنس سے مبادلہ:

سوال: چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ شگوفہ درخت خرما را بعوض جنس خود قرض دادن جائز است یا نہ؟

(٢) وایضاً ہمیں شگوفہ را یعنی خوشہ خرما را بعوض خرما آجل یا عاجل بعدد یا بوزن معین دادن جائز است یا نہ؟

(٣) بوتہ ہر درخت را بعوض بوتہ جنس خود یا بوتہ درخت دیگر دست بدست یا بقرض یا بعوض دادن جائز است یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

(١) ایں شگوفہ از اعداد متفاوتہ است بہذا استقراض جائز نیست۔

(٢) جائز است زیرا کہ تبدیل خوشہ بغیر جنس است۔

(٣) بوتہ ہر درخت بجنس خود بیع عاجل دادن جائز است، قرض جائز نیست۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

١٦ ربیع الآخر سنہ ٤٠٥ھ

مشتری نے مبیع لینے سے انکار کردیا تو بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے:

سوال: زید نے بکر سے دس ہزار کا پلاٹ خریدا، سودا طے ہونے کے بعد سو روپے زید نے بکر کو دیے اور کہا کہ بقیہ رقم ایک ماہ میں ادا کرکے پلاٹ پر قابض ہو جاؤں گا، ایک ماہ بعد جب بکر نے رقم کا مطالبہ کیا تو زید نے انکار کردیا کہ میں پلاٹ نہیں لوں گا مجھے سو روپے واپس دیدو، مگر بکر نے سو روپے لوٹانے سے انکار کردیا، شرعاً بکر اس رقم کو لوٹانے کا پابند ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

بکر کی رضا کے بغیر زید کو فسخ بیع کا اختیار نہیں، بکر زید کو بیع پر قائم رکھنے اور اس سے بقیہ رقم وصول کرنے کے لئے ہر قسم کی قوت استعمال کر سکتا ہے، اگر وہ زید کو بیع پر قائم رکھنے سے عاجز ہو گیا تو بیعانہ واپس کرنا ضروری ہے۔

فساد زمان کی وجہ سے ایسے مظالم بہت زیادہ وقوع پذیر ہونے لگے ہیں، اس لئے ظلم اور نقصان سے بچنے کی چند تدابیر تحریر کی جاتی ہیں:

(۱) مشتری پوری قیمت ادا کر کے مبیع پر قبضہ کر لے، پھر بائع بقدر بیعانہ کم قیمت پر مشتری سے واپس خرید لے۔

(۲) بائع مشتری کی اجازت سے مبیع کو دوسری جگہ فروخت کر دے اگر پہلی قیمت سے کم پر فروخت ہوئی تو یہ نقصان بیعانہ سے وصول کر لے، اور زیادہ قیمت مل گئی تو زیادتی مشتری اول کو واپس کر دے۔

(۳) اگر مشتری کسی طرح بھی قابو نہ آئے تو بائع حاکم مسلم کو درخواست دے کر مبیع کو فروخت کر کے، در نمبر ۲ میں مذکور تفصیل کے مطابق فیصلہ کرے۔

قال الامام النسفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ومن اشتری عبدا فغاب فبرھن البائع علی بیعہ وغیبتہ معروفۃ لم یبع بدین البائع والا بیع بدینہ (کنز الدقائق ص ۲۴۳)

اگر کسی حاکم مسلم سے یہ کام نہ لیا جا سکے تو ماہرین کی مجلس میں پیش کر کے تفصیل مذکور کے مطابق فیصلہ کروایا جا سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۳۹۰ھ

بیع بلا اذن شریک:

سوال: زید نے چھ آدمیوں کی مشترک زمین بلا اجازت عمرو کو فروخت کر دی، دو سال تک تو ان لوگوں کو یہ خبر بھی نہ تھی کہ ہماری زمین فروخت ہو گئی ہے، چھ سال بعد ان آدمیوں سے دو نے عمرو مشتری پر دعویٰ دائر کر دیا، جبکہ زید بائع کا انتقال ہو چکا تھا اور چار آدمیوں نے باوجود علم ہونے کے دعویٰ نہیں کیا۔

کیا مندرجہ بالا صورت میں زید کی یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو آٹھ سال تک جو پیداوار مشتری نے حاصل کی وہ کس سے حاصل کی جائے گی؟ زید بائع سے یا عمرو مشتری سے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ بیع دوسرے شرکاء کے اذن پر موقوف ہے۔ اگر بعض شرکاء اجازت دیں اور بعض نہ دیں تو صرف اجازت دینے والوں کے حصص کی بیع نافذ ہوگی مگر اس صورت میں مشتری کو قبول یا رد کا اختیار ہوگا۔

قال فی التنویر: وقفت بیع مال الغیر (رد المحتار ص ۱۴۳ ج ۴)

وفی الشرح: وفی المجمع لو اجاز احد المالکین خیر المشتری فی حصته والزمه محمد رحمه الله تعالیٰ بھا (رد المحتار ص ۱۵۰ ج ۴)

آٹھ سال کی پیداوار کا مالک عمرو مشتری ہے مگر ملک غیر میں تصرف کرنے کی وجہ سے پیداوار میں خبث ہے لہٰذا قضاءً تو عمرو سے کچھ وصول نہیں کیا جا سکتا البتہ دیانۃً عمرو پر واجب ہے کہ تخم اور دیگر مصارف سے زائد پیداوار دوسرے شرکاء پر رد کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۹ رمضان سنہ ۹۰ھ

بضرورت ارزاں بیچنا:

سوال: ایک شخص ضرورت کی بناء پر اپنی کوئی چیز فروخت کرنا چاہتا ہے اور خریدار اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر بہت کم دام لگاتا ہے، مثلاً ایک گھڑی جس کی قیمت خرید دو سو روپے ہے، وہ بحالت موجودہ سو روپے میں فروخت ہو سکتی ہے لیکن خریدار پچیس سے زیادہ پر خریدنے کے لیے تیار نہیں تو کیا خریدار کا یہ عمل جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ عمل جائز تو ہے مگر خریدار اگر صاحب استطاعت ہے اور بیچنے والا واقعۃً مجبور ہے تو خریدار کو مروت سے کام لینا چاہیے اور حتی المقدور بائع کو صحیح قیمت ادا کرنا چاہیے، غرض بیع تو بہرصورت صحیح ہے، مگر کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اخلاق و مروت کے خلاف ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

دودھ خریدنے میں کھویا کی متعین مقدار کی شرط:

سوال: زید دودھ خرید کر کھویا بناتا ہے، دودھ کا بھاؤ شہر میں اس وقت

ٹھوک کا بتیس روپے من ہے، زید اسی بھاؤ خریدتا ہے مگر ان لوگوں سے شرط رکھتا ہے کہ اگر ایک سیر دودھ میں سے ایک پاؤ کھویا نکلا تو بتیس روپے من کے حساب سے تعیین رقم دی جائے گی اور پاؤ بھر نہ نکلا تو اسی مقدار سے پیسے کم کر دیے جائیں گے خواہ تمہارا دودھ خالص ہو یا غیر خالص، کیا یہ شرط صحیح ہے؟ جبکہ اس کا بھی امکان ہے کہ پاؤ بھر کھویا شاید خالص دودھ سے بھی برآمد نہ ہو۔ شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

چونکہ دودھ میں کھویا کی خاص مقدار وصفت مرغوب فیہ ہے، لہٰذا اس کے اشتراط عند العقد سے اس کا استحقاق ثابت ہوگا اور بوقت فقدان فسخ بیع ورد مبیع کا اختیار ہوگا، مگر کھویا بن جانے کے بعد مبیع کا رد متعذر ہونے کی وجہ سے رجوع بالنقصان ثابت ہوگا، لہٰذا زید کا دودھ کی قیمت کم دینا جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۸ جمادی الاولیٰ سنہ ۸۹ھ

بیع مؤجل میں تعیین اجل ضروری ہے:

سوال: چہ می فرمایند دربارۂ مسئلہ ذیل کہ فی بلادنا اکثر بیع وشراء بدون تعیین مدت منعقد می شود، در متون فقہیہ چنیں بیع را فاسد قرار دادہ شدہ اند، اما در مجلۃ الاحکام فی بیان المسائل المتعلقۃ بالبیع بالنسیئۃ والتأجیل ص۲۴۳ مرقوم است:

اذا باع نسیئۃ بدون بیان مدۃ تنصرف المدۃ الی شہر واحد فقط۔

آیا مادہ مذکورہ قول مفتی بہ است وعمل برآں جائز است یا نہ؟ ودر صورت عرف اگر رائج باشد بدون از تعیین مدت آیا عرف را بصحت عقد اعتباری ہست؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بیع مطلق ہے، اجل کا کوئی ذکر نہیں تو ثمن فی الفور واجب ہوگا، البتہ اگر بائع فوراً مطالبہ نہ کرے تو تاخیر جائز ہے اور اس میں تعیین مدت ضروری نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: (ویجوز بثمن حال) وھو الاصل۔

وقال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: (قولہ وھو الاصل) لان الحلول مقتضی

العقد وهو موجبه والاجل لا يثبت الا بالشرط بخلاف الصريح

(رد المحتار ص۲۵ ج ۴)

اور اگر بیع مؤجل ہے تو تعیین اجل ضروری ہے، البتہ اگر عاقدین کے درمیان تین دن یا ایک ماہ کی مدت معہود و معروف ہو تو عدم نزاع کی وجہ سے جائز ہے اور شرعاً یہی مدت معتبر ہوگی، ورنہ یہ بیع فاسد ہوگی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: (و) صح (بثمن حال) وهو الاصل (او مؤجل الى معلوم) لئلا يفضي الى النزاع ولو باع مؤجلا صرف لشهر به يفتى.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله به يفتى) وعند البعض لثلاثة ايام بحر عن شرح المجمع قلت ويشكل على القولين ان شرط صحة التأجيل ان يعرفه العاقدان ولذا لم يصح البيع بثمن مؤجل الى النيروز والمهرجان وصوم النصارى اذا لم يدر العاقدان كما سيأتي في البيع الفاسد وكذا لو عرفه احدهما دون الآخر فتأمل.

قال العلامة الرافعي رحمه الله تعالى: (قوله قلت ويشكل على القولين الخ) فيه تأمل فانه اذا كان المعهود ان الاجل الشهر او ثلثة ايام شرعا وعرفا يكون ذلك معلوما عند العاقدين حتى لو لم يكن له عهد عرفا كما في زماننا فالظاهر عدم الصحة (التحرير المختار ص۱۳ ج ۲) والله سبحانه وتعالى اعلم۔

۳۰ محرم سنہ ۹۲ھ

سوال مثل بالا:

سوال: کسی نے کوئی چیز خریدی اور کہا کہ پیسے بعد میں دوں گا اور وقت مقرر نہیں کیا تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر خریدنے کے بعد یہ الفاظ کہے اور بائع نے بخوشی مہلت دیدی تو جائز ہے، اور اگر ادھار کی شرط پر خریدا تو بلا تعیین وقت ادھار جائز نہیں۔

قال في التنوير وشرحه: وصح بثمن حال وهو الاصل او مؤجل الى معلوم لئلا يفضي الى النزاع (رد المحتار ص۲۵ ج ۴) والله سبحانه وتعالى اعلم

۱۳ ربیع الاول سنہ ۹۵ھ

بیع شرب جائز نہیں :

سوال : زمین کے بغیر صرف اس کے پانی کی بیع جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں ۔

قال الحصکفی رحمہ اللہ تعالی . وکذا بیع الشرب وظاهر الروایة فساده الاتبعا

خانیة وشرح وهبانیة (ردالمحتار صفحہ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۳ ربیع الاول سنہ ۹۰ھ

ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر کی خرید و فروخت :

سوال : ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کا خریدنا جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر یہ یقین ہو کہ ریڈیو یا ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ ساز باجا اور گانا وغیرہ کے گناہ میں مبتلا نہ ہوگا تو خریدنا اور ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جائز ہے ورنہ نہیں ۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۳ شعبان سنہ ۹۰ھ

اس کا مفصل حکم رسالہ " القول المبرهن فی بیع الرادیو والتلیفزیون " میں ہے ۔

بدون رضائے متبایعین فسخ بیع کا اعتبار نہیں :

سوال : الف اور بار کے مابین ایک زمین کا سودا ہوا ، ادائیگی کی میعاد پہلے چھ ماہ پھر تین ماہ مقرر ہوئی ، اس دوران مشتری بار نے الف بائع کو معتد بہ رقم ادا کر دی ، مگر بقیہ رقم مدت گزرنے پر بھی ادا نہ کر سکا ، الف بار بار تقاضا کرتا رہا ، مگر بار ٹالتا رہا ، حتی کہ عرصہ چھ سال کا گزر گیا ، آخر الف نے پنچایت کے سامنے اعلان کیا کہ اب میں بیع فسخ کرتا ہوں ، بعد ازاں بار بقیہ رقم دینے پر آمادہ ہو گیا مگر الف نہ مانا اور اس دوران زمین ایک دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دی ، کیا الف کا یہ فعل درست ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر مشتری نے بھی پنچایت کو حکم تسلیم کیا تھا ، پھر پنچایت نے فسخ بیع کا فیصلہ

کیا تو بیع فسخ ہو گئی، اس کے بعد بائع کا ہر قسم کا تصرف صحیح ہے۔ اور اگر مشتری نے پنچایت کو حکم نہیں بنایا تھا یا پنچایت نے فسخ بیع کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ بائع نے خود ہی پنچایت کے سامنے فسخ بیع کا فیصلہ سنا دیا تو بیع فسخ نہیں ہوئی، لہذا اس صورت میں دوسری بیع بھی صحیح نہیں ہوئی اور وہ ثمن بائع کے لئے حلال نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۹ شوال سنہ ۹۵ھ

مشتری ثمن نہ ادا کرے تو بائع کو حق فسخ ہے:

سوال: عقد بیع کے بعد بائع نے ادائے ثمن تک مبیع کو محبوس کر لیا، اب اگر مشتری ادا نہ کرے یا غائب ہو جائے تو بائع کیا کرے؟ کیا بیع کو فسخ کر دے یا مزید انتظار کرے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

مشتری ثمن ادا نہ کرے اور نہ ہی اقالہ کرے تو بائع کو فسخ بیع کا اختیار ہے، مشتری کی طرف سے عدم ادائے ثمن کو عدم رضا اور فسخ سمجھا جائے گا، لہذا فسخ بائع سے جانبین کی طرف سے فسخ متحقق ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں بیع میں تراضی طرفین شرط ہے اور مشتری کی طرف سے استیفاء ثمن متعذر ہونے کی حالت میں رضائے بائع مفقود ہے، اس لئے مشتری کی جانب سے فسخ نہ بھی ہو تو بائع کو فسخ کا اختیار ہے۔

قال العلامۃ النسفی رحمہ اللہ تعالی: ومن قال لآخر اشتریت منی هذہ الامۃ فانکر فللبائع ان یطأها ان ترك الخصومۃ۔

وقال العلامۃ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالی: لان المشتری لما جحد کان فسخا من جہتہ اذ الفسخ یثبت بہ کما اذا تجاحدا فاذا عزم البائع علی ترك الخصومۃ تم الفسخ بمجرد العزم وان کان لا یثبت الفسخ بقرانہ بالفعل وهو امساك الجاریۃ ونقلها وما یضاهیہ ولانہ لما تعذر استیفاء الثمن من المشتری فات رضا البائع فیستبد بفسخہ (البحر الرائق ص ۳۶ ج ۷)

وکذا قال الامام المرغینانی رحمه الله تعالی۔

وقال العلامة ابن الهمام رحمه الله تعالی فیستدل بفسخه علی فوات شرط البیع وهو التراضی (فتح القدیر ص۴۲۸ ج۵) والله سبحانه وتعالی اعلم

۶ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

بیع بالوفاء:

سوال: کوئی چیز کسی سے اس شرط پر خریدی کہ جب بائع رقم واپس دے گا تو یہ چیز اس کو واپس دیدی جائے گی، کیا یہ معاملہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر بیع کے اندر یا اس سے پہلے شرط لگائی گئی ہو یا دونوں اس عقد کو غیر لازم سمجھ رہے ہوں تو یہ بیع فاسد ہے۔

اور اگر بیع کے بعد واپسی کا وعدہ کیا تو یہ بیع صحیح ہے اور اس وعدہ کا ایفاء لازم ہے۔

قال فی العلائیة: وقیل بیع یفید الانتفاع به وفی اقالة شرح المجمع عن النهایة وعلیه الفتوی وقیل ان بلفظ البیع لم یکن رهنا ثم ان ذکرا الفسخ فیه او قبله او زعماه غیر لازم کان بیعا فاسدا ولو بعده علی وجه المیعاد جاز ولزم الوفاء به (رد المحتار ص۲۷۶ ج۴) والله سبحانه وتعالی اعلم

۳ شعبان سنہ ۹۹ھ

لفظ "دیدیگا" وعدہ بیع ہے:

سوال: زید نے سیب پکنے سے تقریباً دو تین ماہ قبل عمر کو کچھ روپے دیئے کہ عمر اس کو اپنے سیب فی من مثلاً دو سو روپے دیگا مگر عقد کے وقت نہ تاجیل ثمن کی شرط تھی اور نہ ہی تاجیل مبیع کی، عقد کے بعد یہ کہا کہ عمر زید کو سیب فی من دو سو روپے اس وقت دیدیگا جبکہ سیب پک جائے، اس لئے کہ عقد کرنے کے وقت تو سیب بالکل کچے تھے، سیب پکنے کے بعد عمر نے حسب وعدہ فی من دو سو روپے دیدیئے اور مشتری نے بھی بقیہ ثمن دیدیا۔

کیا مذکورہ صورت خانیہ کے اس جزئیہ پر قیاس کرکے جائز ہو سکتی ہے؟

رجل قال لغیرہ بعت منک عنب ھذا الکرم کل وقر بکذا قالوا ان کان وقر العنب معلوما عند الناس والعنب جنس واحد ینبغی ان یجوز البیع فی وقر واحد عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وعند صاحبیہ رحمہما اللّٰہ تعالیٰ یجوز البیع فی الکل وجعلوا ھذہ المسألۃ فرعا لرجل باع صبرۃ حنطۃ فقال بعت منک ھذہ الصبرۃ کل قفیز بدرھم عند ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ یجوز البیع فی قفیز واحد وعندھما یجوز فی الکل وان کان عنب الکرم اجناسا قالوا ینبغی ان لا یجوز البیع فی شیء فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وان کان الوقر معروفا وعندھما یجوز فی الکل کما لو قال بعت الخ (خانیۃ فصل بیع الزروع والثمار ص۱۳۵ ج ۲) بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

لفظ "دیدیا" بیع نہیں وعدۂ بیع ہے، لہذا مالک نے سیب چکھنے کے بعد دیدیئے تو یہ بیع بالتعاطی ہو گئی۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲ رجمادی الآخرۃ سنہ ۹۸ھ

چاندی کی قیمت بڑھنے سے روپے کی مالیت میں کوئی فرق نہیں آتا:

سوال: ایک شخص نے تین سال پہلے زید کے ہاں ایک کتاب سو روپے میں بیچی، اس وقت چاندی کی قیمت پانچ روپے تولہ تھی، زید نے کتاب پر قبضہ کر لیا، رقم اب تک ادا نہیں کی، کتاب اس وقت بھی زید کے پاس ہے، بائع کہتا ہے کہ اب میں کتاب کی قیمت بجائے سو روپے کے تین سو روپے لوں گا، کیونکہ اب چاندی کی پندرہ روپے تولہ ہے، اور آپ کے پاس جو سو روپے میں کتاب بیچی تو اس وقت سو روپے بیس تولے چاندی کی قیمت تھی اور اس وقت بیس تولہ کی قیمت تین سو روپے ہے۔

اپنی تائید میں شامیہ کی یہ عبارت پیش کرتا ہے۔

اما اذا غلت قیمتھا او انتقصت فالبیع علی حالہ ولا یتخیر المشتری ویطالب بالنقد بذلک العیار الذی کان وقت البیع کذا فی فتح القدیر (ص [illegible] ج ۴)

آجکل کے روپے بھی خالص چاندی کے نہیں غالب الغش ہیں جن کا حکم مذکورہ عبارت میں بتایا گیا ہے، بائع کی رائے کی تصحیح یا تغلیط مع الدلائل فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بائع کا قیاس باطل ہے، اس لئے کہ مروج کرنسی صرف کاغذی الوجوہ بحکم فلوس نہیں، ورنہ ان کے مبادلہ بالجنس میں تفاضل جائز ہوتا، اور کروڑوں کی تعداد میں کرنسی نوٹ ملک میں ہونے کے باوجود ان پر زکوٰۃ فرض نہ ہوتی، وھو باطل والمفضی الی الباطل باطل ۔

زمانِ قدیم کے فلوس اور سکۂ رائج الوقت میں یہ فرق ہے کہ وہ فلوس خود معیار و مقصود نہیں تھے بلکہ درہم کا بدل شمار ہوتے تھے اور سکۂ رائج الوقت اگرچہ بین الاقوامی منڈی میں خود معیار نہیں بلکہ سونے اور ڈالر کا بدل ہے مگر اندرونِ ملک ایک روپیہ کا نوٹ خود معیار و مقصود ہے اور مروجہ پیسے اسکا بدل ہیں، لہٰذا ایک روپیہ کا نوٹ بحکم درہم ہوا اور اس کا بدل سو پیسے بحکم فلوس ہوگئے، اصل نقد روپیہ ہے اور پیسوں کا ذکر اس اصل نقد کی کسی مقدار کی ایک تعبیر ہوتی ہے، چنانچہ پہلے روپیہ ۶۴ پیسے کا تھا بعد میں ۱۰۰ پیسے کا کر دیا گیا، اس تبدیلی سے قبل اگر ۱۶ پیسے ثمن متعین کیا گیا تو یہ پاؤ روپیہ کی ایک تعبیر ہے، مشتری کو اختیار تھا کہ وہ ۱۶ پیسے ادا کرے یا ۸ ٹکے یا ۴ آنے یا ایک چونی، مگر جب پیسے سکے ہوگئے یعنی ایک روپیہ کے مقابل سو پیسے کر دیئے گئے تو اب مشتری کو ۱۶ پیسے دینے کا اختیار نہیں بلکہ ۲۵ پیسے یا پاؤ روپیہ ادا کریگا، اس لئے کہ عقد میں اصل مقصود پاؤ روپیہ تھا پیسوں کا ذکر اسی کی ایک تعبیر تھی، لہٰذا پیسے سکے ہونے کے بعد تعبیر سے جو اصل مقصود تھا یعنی پاؤ روپیہ وہ واجب ہوگا ۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا مسلک یہ ہے کہ فلوس کی قیمت میں کمی بیشی کی صورت میں درہم کے لحاظ سے ثمن کا اصل معیار واجب الاداء ہوگا۔ اور حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اس صورت میں متعین فلوس ہی کی ادائیگی لازم قرار دیتے ہیں ۔

اس اختلاف سے ثابت ہوتا ہے کہ فلوس کا ثمن ہونا دونوں طرح مروج ہوگا بطور درہم کی حیثیت سے بھی اور مکیلات و موزونات کی طرح مقصوداً بھی، فالحق الاول بالثانی والثانی بالاول ۔

اکثر کتب میں اسی طرح اختلاف نقل کر کے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے مگر جوہرہ میں نہایہ سے رد مثل پر اتفاق نقل کیا ہے، ویمکن التوفیق بالحمل علی المثل فی الجنس دون العدد -

مروج کرنسی بالاتفاق کسی دوسری چیز سے تعبیر نہیں بلکہ خود مقصود ہے، اگرچہ بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں کی رسید کے طور پر جاری کئے جاتے ہیں مگر ایک روپے کا نوٹ جس کو کرنسی قرار دیا گیا ہے وہ خود مقصود ہے اور اس لحاظ سے بحکم درہم و دینار ہے -

اسی لئے عام لین دین اور تجار کے عرف میں سونے اور چاندی کے نرخ میں اتار چڑھاؤ سے بطور ثمن یا قرض واجب الذمہ مروج کرنسی پر کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ مروج کرنسی کی بعینہٖ مقدار جو واجب تھی وہی ادا کی جاتی ہے -

اگر بائع کے باطل خیال کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ربا کی مروجہ صورتیں سب حلال ہو جائیں گی، نہ صرف حلال ہی نہیں بلکہ مشتری و مستقرض پر ادائے ربا شرعاً واجب قرار پائے گا، اس لئے کہ سونے اور چاندی کی قیمت تو ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے، سو اگر آکلین ربا یہ صورت اختیار کر لیں کہ ربا میں کرنسی کی تعیین کی بجائے وقت ادا میں سونے یا چاندی کے نرخ کے مطابق وصول کریں تو ان کا کیا حرج ہے ؎

راضی رہے رحمٰن بھی تو خوش رہے شیطان بھی

البتہ بین الاقوامی منڈی میں کرنسی کا اصل معیار ڈالر قرار دیا گیا ہے لہذا ڈالر کے مقابلہ میں روپے کی قیمت میں کمی بیشی کی صورت میں بیرونی تجارت کا ثمن یا قرض ڈالر کی قیمت کے مطابق ادا کیا جائے گا اگرچہ بوقت عقد روپے کی مقدار ذکر کی گئی ہو -

حاصل کلام :

(۱) اندرون ملک روپیہ کا لین دین مستقل سکے کی حیثیت رکھتا ہے کسی دوسرے سکے کے تابع نہیں، اس لئے اس کی مالیت میں کمی بیشی کی صورت میں اتنے روپے واجب ہوں گے جتنے اصل میں تھے -

(۲) اگر بالفرض اندرون ملک بھی روپے کو مستقل سکہ شمار نہ کیا جائے اور بحکم

فلوس ہی تسلیم کرلیا جائے تو بھی حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر اختلافِ مالیت کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

(۴) نہایہ کی تصریح کے خلاف اگر امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اختلاف تسلیم بھی کرلیا جائے تو وہ اس صورت میں ہوگا کہ متعاقدین نے فلوس کے اصل مقصود ہونے کی تصریح نہ کی ہو، اگر اس تصریح کے ساتھ عقد ہوا ہو کہ درہم کے ساتھ کسی نسبت سے قطع نظر خود فلوس کا یہ عدد مقصود ہے تو ظاہر ہے کہ قول ثانی امام اول رحمہما اللہ تعالیٰ کے موافق ہی ہوگا۔

عرفِ عام میں اندرونِ ملک روپے کے لین دین میں کسی دوسرے سکے سے قطع نظر خود روپے ہی کا عدد مقصود ہوتا ہے، لہٰذا المعروف کالمشروط کے تحت امام ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر بھی روپے کی مالیت میں کمی بیشی اس کے اصل عدد پر مؤثر نہ ہوگی۔

یہ بحث محض استطراداً لکھدی ہے ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اندرونِ ملک روپیہ کسی دوسرے سکے کے تابع نہیں خود مستقل سکہ ہے، اس لئے یہ اختلافِ مالیت کی صورت میں بحکم فلوس نہیں بلکہ بحکم درہم ہے۔

اندرونِ ملک روپے کے لین دین میں عرفِ عام اور سب کا اجماع و اتفاق ہے کہ یہ کسی دوسرے سکے کے تابع نہیں جس کی وجہ سے اصل واجب روپے کے عدد میں کمی بیشی آجائے، اس حقیقت پر اس حد تک اتفاق ہے کہ اس کے خلاف کے قائل کو لوگ دیوانہ کہیں گے، چنانچہ کلرک کا منصب بننے کے بعد سالہا سال کے طویل تعامل میں ہمارے سامنے ایسے صرف دو سوال آئے ہیں جن میں اصل واجب سے زیادہ عدد کا مطالبہ کیا گیا ہے، اور یہ واقعات بھی ایسے ہیں کہ ان میں مدعی کی ہوس ظاہر ہے اور یقین ہے کہ خود یہ مدعی بھی اس ایک واقعہ جزئیہ کے سوا باقی تمام معاملات میں روپے کو وہی عدد واجب سمجھتا ہوگا جو شرع میں تھا اور اسکا اپنا عمل بھی تمام لین دین میں اسی کے مطابق ہوگا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۰ ذی الحجہ سنہ ۹۸ھ

مثل سوال بالا:

ایک استفتاء اور اس کا جواب پیش خدمت ہے۔

اصل مسئلہ تو بیع و قرض کے بارے میں ہے، شفعہ کی صورت کو اس پر قیاس کیا گیا ہے کیونکہ شفعہ بھی ایک گونہ بیع ہی ہے اور اسی ثمن کے ساتھ ہے جتنی رقم میں مشتری کو پڑی تھی صرف تحویل صفقہ ہوتا ہے، یہ تحقیق مطلوب ہے کہ بیع، قرض اور شفعہ میں مالیت قدیم ثمن اور قرض کی واجب ہوگی یا رد مثل، جبکہ معاملہ پہلے کا ہو اور روپے کی قیمت میں کمی قبل از قبض بعد میں واقع ہوئی۔

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ خیر المدارس ملتان ۱۵/۴/۹۶ھ

سوال: ستمبر ۱۹۷۴ء میں مشتری نے ۴ کنال ۱۳ مرلے بعوض ۱۵۰۰۰۰ روپے زمین اپنے خاندان رشتہ داران کے مکانات بنانے کے پیش نظر خرید کی، ستمبر ۱۹۷۵ء میں شفیع نے دعوی دائر کر دیا، اب تک فیصلہ نہیں ہوا، لیکن اب اس جائداد مذکورہ کی قیمت تقریبا ۱۳۰۰۰۰۰ (تیرہ لاکھ) روپے ہے، کیا شفیع کو ۱۵۰۰۰۰ (ڈیڑھ لاکھ) روپے میں ہی جائے گی؟ اور مشتری کو ڈیڑھ لاکھ روپے ہی ملیں گے؟

واضح رہے کہ مشتری اگر اسی جگہ اراضی خریدنا چاہے تو اسے اب تقریبا ساڑھے کنال اراضی ملے گی۔

الجواب (از خیر المدارس ملتان):

زمین کی قیمت بڑھ جانے سے شفیع پر یہ زیادتی لازم نہ ہوگی کیونکہ شفعہ کی حقیقت یہ ہے:

قال فی التنویر هی تملیک البقعة جبرا علی المشتری بما قام علیه۔

البتہ روپے کی قیمت یا مالیت میں سرکاری طور پر جو کمی کر دی گئی تھی وہ مشتری کے حق پر اثر انداز نہیں ہوگی، یعنی بیع کے وقت میں روپے کی جو مالیت تھی اسی کے مطابق اب شفیع سے اسے رقم وصول کرنے کا حق ہوگا، روپے کی قیمت کا گر جانا مشتری کے حق کو کم نہیں کرے گا جبکہ حصول شفعہ کو بیع یا قرض کے مشابہ قرار دیا جائے۔

وفی الشامیة: وفی البزازیة عن المنتقی غلت الفلوس او رخصت فعند الامام الاول والثانی اولا لیس علیه غیرها وقال الثانی ثانیا علیه

قیمتها من الدراهم یوم البیع والقبض وعلیه الفتوی وهکذا فی الذخیرة والخلاصة ونقله فی البحر واقره بحیث صرح بان الفتوی علیه فی کثیر من المعتبرات فیجب ان یعول علیه افتاءً وقضاءً ولم ار من جعل الفتوی علی قول الامام اه (شامیة ص ۲۲ ج ۴)

اور قرض میں بھی یہی حکم ہے۔

قال الشامی رحمه الله تعالیٰ: وحاصل ما مر انه علی قول ابی یوسف المفتی به لا فرق بین الکساد والانقطاع والرخص والغلاء فی انه تجب قیمتها یوم وقع البیع او القرض لامثلها۔

لیکن جوہرہ میں رخص وغلاء کی صورت میں نہایہ سے اتفاق نقل کیا ہے کہ رد مثل ہوگا مالیت کا وجوب نہ ہوگا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

آپ کا جواب صحیح ہے، روپیہ اگرچہ بین الاقوامی منڈی میں ڈالر کے تابع ہے مگر ملک کے اندرونی معاملات میں یہ ایک مستقل سکہ ہے کسی دوسرے کے تابع نہیں۔ اس لئے اختلاف مالیت کے مؤثر نہ ہونے کے لحاظ سے روپیہ بحکم فلوس نہیں بحکم درہم ہے۔

۲۔ ذوالحجہ ۱۳۹۰ھ میں اس سے متعلق ایک استفتاء کا جواب بندہ نے تفصیل سے لکھا تھا، اس کی نقل ارسال ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ شعبان سنہ ۹۹ھ

والد کا صغیر کی زمین بیچنا:

سوال: والد اپنے صغیر بیٹے کی زمین فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر والد کی بیٹے پر شفقت معروف ہو یا مستور الحال ہو تو بیچ سکتا ہے۔

قال الامام الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: ولو لباء ثم ان فان محمودا عند الناس او مستور الحال یجوز ابن کمال۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالى: (قوله یجوز) فلیس للصغیر نقضه بعد بلوغه لان للاب شفقة كاملة ولم يعارض هذا المعنى معنى آخر فكان هذا البيع نظرا للصغير وان كان الاب فاسدا لم يجز بيعه العقار فله نقضه بعد بلوغه هو المختار الا اذا باعه بضعف القيمة لانه عارض ذلك المعنى معنى آخر.

تنبیه: ظاهر كلام الامام هنا انه لا يتقيد بيع الاب عقار ولده الى المسوغات المذكورة في الوصي ونقل الحموي في حواشي الاشباه من الوصايا ان الاب كالوصي لا يجوز له بيع العقار الا في المسائل المذكورة كما افتى به الحانوتي ثم رأيت في مجموعة شيخ مشايخنا منلا على التركماني نقل عبارة الحموي المذكورة ثم قال ما نصه وهو مخالف لاطلاق ما في الفصولين وغيره ولم يستند الحانوتي في ذلك الى نقل صحيح ولكن اذا صارت المسوغات في بيع الاب ايضا كما في الوصي صار حسنا مفيدا ايضا لان الاخذ بالاتفاق اولى هكذا افاد فيه شيخنا الشيخ محمد مراد السنامي رحمه الله تعالى (رد المحتار [illegible] ج ۵)

والله سبحانه وتعالى اعلم

۳ ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۹ھ

اراضی وبیوت مکہ کی بیع واجارۃ:

سوال: حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ یعنی حرم کی اراضی اور مکانات کی خرید وفروخت اور کرایہ پر دینا جائز نہیں؛ چنانچہ تفسیر مظہری وغیرہ میں ہے:

ومن ههنا قال ابو حنيفة واحمد في اصح الروايتين عنه لا يجوز بيع رباع مكة ولا اجارة دورها فان ارض الحرم عتيق غير مملوك لاحد۔ (تفسير مظهري ج ۶ سورة حج، في تفسير قوله تعالى: والمسجد الحرام الذي جعلناه سواء العاكف فيه والباد)

رباع کے معنی زمین ہیں یا مکانات؟ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک صرف زمین کی خرید وفروخت اور اجارہ ناجائز ہے یا مکانات کی خرید وفروخت اور اجارہ بھی؟

طحاوی صـ۱۸۳ ج ۲ میں ہے :

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لایحل بیع بیوت مکۃ ولا اجارتہا ۔

عن علقمۃ بن نضلۃ قال توفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورباع مکۃ تدعی السوائب من احتاج سکن ومن استغنی اسکن ۔

وفی روایۃ کانت الدور علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ما تباع ولا تکری (الحدیث)

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں لکھا ہے کہ ان احادیث پر عمل کرنے والے امام ابوحنیفہ ومحمد وثوری رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں ۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی بیع وشراء اور اجارہ کے علاوہ مکانوں کی بیع وشراء اور اجارہ بھی انکے نزدیک ناجائز ہے ۔ احادیث میں آتا ہے :

وقد اشتری عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ من صفوان بن امیۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دارا باربعۃ آلاف درھم

وکذا روی البیہقی عن ابن الزبیر رضی اللہ عنہما انہ اشتری حجرۃ سودۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (رواہ البیہقی صـ۳۴ ج ۶)

وعن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ باع دار الندوۃ ۔

وعن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اشتری الدور من اھلہا حتی وسع المسجد وکذلک عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔

اگر حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف زمین کی بیع وشراء اور اجارہ ناجائز ہے مکانوں کی جائز ہے تو ان احادیث کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ یہ بیع وشراء مکانوں کی تھی زمین کی نہ تھی ، لیکن اگر بناء یعنی مکانوں کی بیع وشراء بھی ناجائز ہو تو ان احادیث کا کیا جواب ہے ؟

اگر بیع وشراء بناء یعنی مکانوں کی ان کے نزدیک جائز ہے تو ان احادیث کا کیا جواب ہے جن میں رباع اور بیوت کا کرایہ اور بیع وشراء ناجائز بتائی گئی ہے ؟ اور

وہ احادیث حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مستدلات بتائی گئی ہیں، چنانچہ اور احادیث اور عبارات لکھی گئی ہیں کہ رباع مکہ کی بیع و شراء اور اجارہ انکے نزدیک ناجائز ہے، ان مستدلات میں سے کئی احادیث طحاوی سے نقل کی گئی ہیں۔

امام صاحب کے مستدلات میں سے ایک یہ اثر بھی ہے:

عن مجاهد انه قال مكة مباح لا يحل بيع رباعها ولا اجارة بيوتها۔

براہ کرم مذکورہ بالا شبہ کا ازالہ فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کی اراضی و بیوت کی بیع و اجارہ کے جواز کو ترجیح دی ہے، دلائل کراہت کے دو جواب دیئے ہیں:

(۱) روایت جواز سنداً قوی ہے۔

(۲) وجہ النظر جواز کو مقتضی ہے۔

والنص: فلما اختلفا احتيج الى النظر فى ذلك لنستخرج من القولين قولا صحيحا ولنصد الى طريق اختيار الائمة بين وجارون القول الى ذلك لكان حديث على بن حسين اصحهما اسنادا ولكنا نحتاج الى كشف ذلك من طريق النظر فاعتبرنا ذلك فرأينا المسجد الحرام الذى كل الناس فيه سواء لا يجوز لاحد ان يبنى فيه بناء ولا يحتجر منه موضعا وكذلك حكم جميع المواضع التى لا يقع لاحد فيها ملك وجميع الناس فيها سواء الا ترى ان عرفة لو اراد رجل ان يبنى فى المكان الذى يقف فيه الناس فيه بناء لم يكن ذلك له وكذلك منى لو اراد ان يبنى فيها دارا كان من ذلك ممنوعا وكذلك جاء الاثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم (طحاوی ص۱۸۳ ج ۲)

امام حصکفی و علامہ ابن عابدین رحمہما اللہ تعالیٰ کی تحقیق بھی یہی ہے، البتہ انہوں نے صرف ایام موسم میں حجاج کے لئے اجارۂ بیوت کو مکروہ قرار دیا ہے، وکراہۃ اجارۂ بیوت کی روایات کو اسی پر محمول فرمایا ہے۔

قال العلائی رحمہ اللہ تعالیٰ: وجاز بیع بناء بیوت مکۃ وارضها بلا کراهة و به قال الشافعی رحمه الله تعالیٰ وبه یفتی عینی وقدمنا فی الشفعة وفی البرهان

في باب العشر ولا يكره بيع ارضها كبنائها وبه يعمل وفي مختارات النوازل لصاحب الهداية لا بأس ببيع بنائها واجارتها لكن في الزيلعي وغيره يكره اجارتها وفي آخر الفصل الخامس من التتارخانية واجارة الوهبانية قال ابو حنيفة رحمه الله تعالى أكره اجارة بيوت مكة في ايام الموسم وكان يفتي لهم ان ينزلوا عليهم في دورهم لقوله تعالى سواء العاكف فيه والباد، ورخص فيها في غير ايام الموسم اهـ فليحفظ۔ قلت وبهذا يظهر الفرق والتوفيق وهكذا كان ينادي عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه ايام الموسم ويقول يا اهل مكة لا تتخذوا لبيوتكم ابوابا لينزل البادي حيث شاء ثم يتلو الآية، فليحفظ۔

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالى (قوله وارضها) جزم به في الكنز وهو قولهما واحدى الروايتين عن الامام، لانها مملوكة لاهلها لظهور آثار الملك فيها وهو الاختصاص بها شرعا وتمامه في الفتح وغيره (قوله وتقدم في الشفعة) ومر ايضا ان الفتوى على وجوب الشفعة في دور مكة وهو دليل على ملكية ارضها كما مر بيانه (قوله قال ابو حنيفة) اقول في غاية البيان ما يدل على انه قولهما ايضا حيث نقل عن تقريب الامام الكرخي ما نصه: وروى هشام عن ابي يوسف عن ابي حنيفة رحمهما الله تعالى انه كره اجارة بيوت مكة في الموسم ورخص في غيره وكذا قال ابو يوسف رحمه الله تعالى وقال هشام اخبرني محمد عن ابي حنيفة رحمهما الله تعالى انه كان يكره كراء بيوت مكة في الموسم ويقول لهم ان ينزلوا عليهم في دورهم اذا كان فيها فضل وان لم يكن فلا وهو قول محمد رحمه الله تعالى اهـ فافاد ان الكراهة في الاجارة وفاقية وكذا قال في الدر المنتقى صرحوا بكراهتها من غير ذكر خلاف لهم (قوله وبه يظهر الفرق) اي بحمل الكراهة على ايام الموسم يظهر الفرق بين جواز البيع دون الاجارة وهو جواب عما في الشرنبلالية حيث نقل كراهة اجارة ارضها عن الزيلعي والكافي والهداية ثم قال فلينظر الفرق بين جواز البيع وبين عدم جواز الاجارة اهـ وحاصله ان كراهة الاجارة لحاجة اهل الموسم (قوله والتوفيق) بين ما في النوازل وما في الزيلعي وغيره بحمل الكراهة على ايام الموسم وعدمها على غيرها (رد المحتار ص ۲۵۳ ج ۵) والله سبحانه وتعالى اعلم

۲۰ رجب سنة ۱۴۰۰ھ

نوٹ سے سونے اور چاندی کی بیع :

سوال : آجکل کے مروجہ نوٹ اور سکے جو حکومت کی طرف سے رائج ہیں ، جن کے ساتھ لوگ بیع و شراء لین دین کرتے ہیں ، کیا یہ سونے چاندی دونوں یا صرف سونے یا صرف چاندی کے حکم میں ہیں ، کیا ان کے ساتھ سونے اور چاندی کی بیع بالفضل و النسیئۃ یا صرف بالفضل یا صرف بالنسیئۃ جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

رائج نوٹ اور سکے سونے ، چاندی کے حکم میں نہیں ، نہ ہی سونے یا چاندی کی رسید ہیں لہذا ان سے بیع ذہب و فضہ بہرکیف جائز ہے ، تفاضل و نسیئۃ بھی جائز ہے ، البتہ حرمت ربوا بصورت تبادل بالجنس واقع ہوگی اور فرضیت زکوٰۃ میں یہ سکہ بحکم نقد ہے۔ کما قالوا فی الفلوس الرائجۃ ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۲۴ محرم سنہ ۱۴۰۱ھ

قیمت میں رعایت بذریعہ قرعہ :

سوال : آجکل ایک موٹر سائیکل کمپنی نے مشہوری کے لئے ایک طریقہ اختیار کئے ہوئے ہے کہ اقساط پر موٹر سائیکلیں فروخت کر رہی ہے ، اکیس اقساط مقرر کی گئی ہیں اور ہر قسط پانچ سو پچاس روپے ماہوار ادا کرنا ہوتی ہے ، اگر اقساط پوری کرنے سے پہلے درمیان میں کسی خریدار کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا (ہر ماہ قرعہ اندازی ہوتی ہے) تو موٹر سائیکل اسے دیدی جاتی ہے اور بقیہ تمام اقساط معاف کر دی جاتی ہیں ، اگر بیس ماہ تک قرعہ اندازی میں خریدار کا نام نہ نکلے تو اکیس ماہ کے بعد موٹر سائیکل اسے دیدی جاتی ہے اور یہ اکیس اقساط کی رقم موٹر سائیکل کی وہ قیمت ہے جو مارکیٹ میں چل رہی ہے ، زیادہ نہیں ، خرید و فروخت کا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ قیمت میں کمپنی کی طرف سے رعایت ہے ، جس خریدار کو رعایت دی جائے اس کا انتخاب وہ بذریعہ قرعہ اندازی کرتی ہے ، اس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں ، لہذا یہ خرید و فروخت جائز ہے ۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم ۔

۲۶ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۲ھ

باب البیع الفاسد والباطل

بیع فاسد میں مبیع ہلاک ہوگئی:

سوال: بیع فاسد میں اگر مبیع ہلاک ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بائع مشتری سے ذوات القیم میں یوم القبض کی قیمت اور ذوات الامثال میں اس کی مثل لیکر مشتری کو ثمن واپس کرے۔

قال فی جامع الفصولین: شری المبیع فاسدا انتقض فیمنہ یوم قبضہ لو قیمیا ومثلہ لو مثلیا لضمانہ بقبضہ (جامع الفصولین ص ۲۹ ج ۲) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ ذی الحجہ سنہ ۹۵ھ

قسطوں پر خرید وفروخت:

سوال: مشین، ریڈیو یا پنکھا وغیرہ دکاندار سے قسطوں پر خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ لینے والے کو اس میں آسانی ہے مگر قسطوں پر ادھار لینے میں نقد لینے سے کچھ زیادہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے، اس میں یہ بھی شرط ہے کہ تمام اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں سابقہ اقساط ضبط کر کے مبیع واپس لے لی جائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

ادھار کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا جائز ہے، مگر تمام اقساط ادا نہ کرنے کی صورت میں مبیع کی واپسی اور ادا کردہ اقساط ضبط کرنے کی شرط فاسد ہے، اس لئے یہ معاملہ جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۸ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

بیع بالشرط:

سوال: زید نے بکر کو ایک بھینس فروخت کی اس شرط پر کہ اسکا دودھ میں تک خریدتا رہوں گا، اب اس کا دودھ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اگر بھینس کی بیع اسی شرط پر موقوف تھی کہ اگر مشتری اس شرط کو قبول نہ کرتا تو بائع بیع پر راضی نہ ہوتا تو یہ بیع فاسد ہوگئی جس سے توبہ واستغفار اور اس بیع کو فسخ کرنا واجب ہے، البتہ اگر صرف مشورہ اور وعدہ کے طور پر یہ شرط لگائی بیع کو اس پر موقوف نہیں رکھا تو یہ بیع صحیح ہوگئی اور وعدہ کا لین دین جائز ہے، بکر اس کا پابند نہیں کہ زید کو ہی دودھ فروخت کرے، ہاں اخلاقاً اسے یہ وعدہ پورا کرنا چاہیے۔

قال فی التنویر: ولا بیع بشرط۔

وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ تحت هذا القول: ثم ذکر فی البحر انه لو اخرجه مخرج الوعد لم یفسد وصورته کما فی الولوالجیة قال اشتر حتی ابنی الحوائط اه (رد المحتار ص۱۲۳ ج۴)

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم

۲۵ رجب سنه ۸۶ھ

بونس واؤچر کی بیع جائز نہیں:

سوال: مال برآمد کنندہ حکومت کے پاس برآمد کا ثبوت پیش کرتا ہے جس پر حکومت اسے بونس (منافع) کے نام سے کچھ انعام دیتی ہے مگر انعام کی رقم نقد نہیں دی جاتی بلکہ اس کی رسید دی جاتی ہے جسے بونس واؤچر کہا جاتا ہے، برآمد کنندہ اسے بازار میں زیادہ قیمت پر فروخت کرتا ہے مثلاً ایک سو روپے کا بونس واؤچر تقریباً دو سو روپے میں، چونکہ حکومت نے بعض اشیاء کی درآمد کی اجازت بونس واؤچر کی خرید پر موقوف کر دی ہے اس لئے بازار میں بونس واؤچر کی قیمت زیادہ ہے، کیا شرعاً اس طرح بونس واؤچر کی خرید و فروخت جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

برآمد کنندہ قبل القبض اس رقم کا مالک نہیں اس لئے اس کی خرید و فروخت جائز نہیں، نیز بونس واؤچر کی اصل رقم سے زیادہ وصول کرنا سود ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

والله سبحانه وتعالیٰ اعلم

۲۳ شوال سنه ۸۸ھ

گوبر اور پاخانہ کی بیع:

سوال: کیا گوبر اور پاخانہ کی بیع کا ایک ہی حکم ہے؟ یعنی دونوں کی بیع جائز ہے یا ناجائز؟ نجس ہونے میں تو دونوں برابر ہیں، اس لحاظ سے حکم بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

گوبر کی بیع جائز ہے اور پاخانہ کی ناجائز الا یہ کہ مٹی سے مخلوط ہو اور مٹی اس پر غالب ہو۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ پاخانہ بالاتفاق نجاست غلیظہ ہے اور گوبر میں اختلاف ہے، امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نجاست غلیظہ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں نجاست خفیفہ ہے اگرچہ ترجیح نجاست غلیظہ کے قول کو ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ پاخانہ زیادہ متعفن ہوتا ہے اور گوبر میں تعفن کم۔

علاوہ ازیں گوبر کے استعمال کی ضرورت ہے۔

قال فی التنویر وشرحه: وبطل بیع قن ضم الی حر وذکیة ضمت الی میتة ماتت حتف انفها (الی قوله) ورجیع آدمی لم یغلب علیه التراب فلو مغلوبا به جاز کسرقین وبعر (رد المحتار ص ۱۱۸ ج ۴) واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم۔

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۹۸ھ

پنشن بیچنا جائز نہیں:

سوال: میں پاکستان نیوی کا ریٹائرڈ چیف پی آئی اے آفیسر ہوں، گورنمنٹ مجھے ایک سو چالیس روپے ماہوار پنشن دیتی ہے، حکومت نے ایک سہولت دے رکھی ہے کہ اگر کوئی ریٹائرڈ ملازم اپنی پنشن حکومت کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کو نصف پنشن یکمشت دیدی جاتی ہے، عرض یہ ہے کہ شریعت کی رو سے یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

پنشن ایک قسم کا انعام ہے، جب تک ملازم کا اس پر قبضہ نہ ہو وہ اس کا مالک نہیں بنتا، اس لئے اس کی بیع جائز نہیں، البتہ خود حکومت سے اس کی بیع کرنا حقیقت

میں بیع نہیں، صرف نام اور صورت بیع کی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے جو رقم بالالتزام قسط وار دینے کا وعدہ کیا تھا اب اس کو کم مقدار میں یکمشت نقد دے رہی ہے، اس لئے حکومت سے یہ معاملہ جائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۴ھ

دم مسفوح کی بیع وشراء حرام ہے:

سوال: حلال جانوروں کا وہ خون جو بوقت ذبح نکلتا ہے اس کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال فی التنویر وشرحہ: ہو مبادلۃ شیء مرغوب فیہ بمثلہ فخرج غیر المرغوب کتراب ومیتۃ ودم (رد المحتار ص ۳ ج ۴) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ رجب سنہ ۹۵ھ

حکم ثمن خمر:

سوال: زید کافی مقروض تھا مگر اس کے پاس سوائے شراب کے کوئی چیز نہ تھی، لہذا اس نے شراب فروخت کرکے لوگوں کا قرض ادا کردیا، اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس رقم سے اپنا قرض وصول کیا ہے یہ ان کے حق میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیع خمر باطل ہے، اس کا ثمن بائع پر واجب الرد ہے، بائع اور قرضخواہ پر حرام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۵ ذی قعدہ سنہ ۹۷ھ

عقد سلم میں قبل القبض رأس المال یا مبیع میں تصرف کرنا:

سوال: زید نے بکر سے پچاس من کپاس بیس روپے فی من کے حساب سے خریدی اور کہا فصل پر جب کپاس آترے گی تو وصول کرلے گا، بکر نے بھی اقرار کرلیا، ابھی فصل آنے میں دو ماہ باقی ہیں، بیس روپے من کے حساب سے

پچاس من کی رقم زید نے ادا کردی، سوال یہ ہے کہ اب اگر زید یہی کپاس عمرو کو تیس روپے من کے حساب سے فروخت کردے تو جائز ہے یا نہیں؟ نیز زید و بکر کے درمیان جو بیع سلم ہوئی وہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

بیع سلم میں یہ شرط ہے کہ وقت عقد سے وقت محل تک مسلم فیہ بازار میں موجود رہے لہذا اگر کپاس دو ماہ تک بازار میں دستیاب ہو تو یہ بیع جائز ہے ورنہ ناجائز۔

قال العلامة المرغینانی رحمه الله تعالیٰ: ولا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی حین المحل حتی لو کان منقطعا عند العقد موجودا عند المحل او علی العکس او منقطعا فیما بین ذلک لا یجوز۔ (هدایة ص۹۳ ج ۳)

عقد سلم میں قبل القبض راس المال یا مسلم فیہ میں کوئی تصرف جائز نہیں، لہذا زید کا فروخت کرنا ناجائز ہے۔

قال فی التنویر وشرحه: ولا یجوز التصرف للمسلم الیه فی راس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیه قبل قبضه (رد المحتار ص۲۱۲ ج ۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳ ربیع الثانی سنہ ۸۸ھ

ماہی گیر کا پیشگی رقم لینا:

سوال: ایک ماہی گیر نے خالد سے اس شرط پر پیشگی سو روپے لئے کہ آئندہ موسم سرما میں (جو مچھلی کے شکار کا موسم ہوتا ہے) رواج کے مطابق سو روپے کی مچھلی ساٹھ روپے فی صد کے حساب سے دیگا جو عام لوگوں کو اسّی روپے فی صد کے حساب سے دیتا ہے۔

یا اس شرط پر پیشگی سو روپے لئے، سردی کے موسم میں ایک سو بیس روپے کی مچھلی دیگا جو عام نرخ سے سو روپے کی آتی ہے کیا یہ جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ بیع سلم ہے جو فقدان شرائط کی وجہ سے ناجائز ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۱۰ رمضان سنہ ۸۸ھ

زیادہ قیمت پر مبیع واپس کرنے کی شرط:

سوال: بکر کو کچھ روپے کی ضرورت پڑی تو عمرو سے کہا کہ یہ ایک تولہ سونا دو سو روپے میں مجھ سے خرید لو، تین ماہ کے بعد یہی سونا دو سو چالیس روپے میں میں تم سے خرید لوں گا۔

عمرو نے اپنی منفعت دیکھ کر منظور کر لیا اور تین ماہ کے بعد یہی ایک تولہ سونا دو سو چالیس روپے میں پھر بکر کے ہاتھ فروخت کر دیا، کیا اس صورت میں یہ چالیس روپے کی زیادتی جائز ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ صریح ربوا ہے، بیع بالوفاء میں اس لئے داخل نہیں کہ اس میں ثمن میں زیادتی نہیں ہوتی، نیز ردّ مبیع کی شرط بھی مجلس بیع میں نہیں ہوتی بلکہ بعد میں ہوتی ہے، لہٰذا اس بیع فاسد میں بغیر کسی کمی بیشی کے ثمن و مبیع کا ردّ واجب ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۸ر رمضان سنہ ۸۸ھ

بیع سلم میں کل ثمن مجلس عقد میں دینا شرط ہے:

سوال: بکر زید کو تیل فروخت کرنا چاہتا ہے جس کی صورت یہ ہوگی کہ نرخ اور تاریخ طے کرنے کے بعد بکر کچھ بیعانہ وصول کریگا، بعد ازاں ایک ماہ کا وقفہ کر کے وہ زید کو تیل فراہم کریگا جو ابھی اس کی تحویل میں نہیں ہے، یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

جائز نہیں، اس لئے کہ یہ بیع سلم ہے جس میں کل قیمت مجلس عقد میں ادا کرنا شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

۳ر صفر سنہ ۹۳ھ

بیرون ملک سے بذریعہ بنک خریدنا:

سوال: آجکل بیرونی ممالک سے مال منگانے کی صورت میں خریدار مال کی قیمت بنک کے ذریعہ ادا کرتا ہے، مثلاً کراچی کا ایک تاجر جاپان کے ایک تاجر سے کچھ مال منگاتا ہے تو جاپان کا تاجر کراچی کے تاجر سے کہے گا کہ تم اپنے کسی مقامی

بنک کے ذریعہ میرے حق میں ایک لیٹر آف کریڈٹ کھول دو، کراچی کا بنک اپنی جاپان کی شاخ کو اس لیٹر آف کریڈٹ کے ذریعہ ہدایت کر دیتا کہ وہ جاپان کے تاجر سے مال کے جہاز سے روانہ کرنے کے متعلق ضروری کاغذات وصول کرکے اس کو مال کی قیمت ادا کر دے۔

علاوہ ازیں جو مال باہر کے ملکوں سے آتا ہے اس کے آنے سے پہلے انوائس (بیجک جس پر مال کی تفصیل اور قیمت وغیرہ درج ہوتی ہے) کی ایک نقل خریدار کو بھیجدی جاتی ہے، بعض اوقات مال آنے سے پہلے ہی صرف بیجک کے ذریعہ اصل خریدار دوسرے خریدار کو اور دوسرا تیسرے کو نفع لے کر مال فروخت کر دیتا ہے حالانکہ مال سامنے موجود نہیں ہوتا۔

کیا اس طرح بنک کے ذریعہ قیمت ادا کرنا اور باہر کا مال سامنے نہ ہونے کی صورت میں یہاں کے خریدار کا مال خریدنا اور پھر محض بیجک دکھا کر اس مال کو دوسرے دوکاندار کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے؟

نیز یہ کہ چھوٹے دوکاندار جو ان بڑے دوکانداروں سے مال نقد یا قرض خریدکر اپنی دوکانوں وغیرہ پر فروخت کرتے ہیں ان کے کاروبار میں تو کوئی خرابی نہیں آتی۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

بنک خریدار کا وکیل ہے، لہذا مال کے جاپانی شاخ کے قبضہ میں آجانے کے بعد اس کی بیع جائز ہے، فان قبض الوکیل کقبض الموکل۔ واللّٰہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۵ ذی الحجہ سنہ ۸۸ھ

مال پہنچنے سے قبل اس کی بیع:

سوال: ایک تاجر مال باہر سے منگواتا ہے اور مال پہنچنے سے پہلے ہی منافع پر فروخت کر دیتا ہے، یہ منافع اسکے لئے حلال ہیں یا نہیں؟ مال پیشگی فروخت کرنے کا سبب یہ ہے کہ اسے خوف لاحق ہے کہ مال پہنچنے کے بعد کہیں خسارہ نہ اٹھانا پڑے۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

مال پر قبضہ کرنے سے قبل اس کی بیع جائز نہیں، لہذا یہ منافع بھی حلال نہیں،

اس کی تصحیح کی دو صورتیں ہیں :

① جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے۔

② مال پہنچنے سے قبل بیع نہ کرے بلکہ وعدۂ بیع کرے، بیع مال پہنچنے کے بعد کرے۔ اس صورت میں جانبین میں سے کوئی انکار کردے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

اگر مال پہنچانے کا کرایہ خریدار ادا کرتا ہے تو اس کے اذن سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبض شمار ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد بیع جائز ہے۔

قال فی الهندیة: اذا قال المشتری للبائع ابعث الی ابنی واستاجر البائع رجلا یحمله الی ابنه فهذا لیس بقبض والاجر علی البائع الا ان یقول استاجر من یحمله فیقبض الاجیر یکون قبض المشتری ان صدقه انه استاجره ودفع الیه وان انکر استیجاره والدفع الیه فالقول قوله کذا فی التتارخانیة (عالمگیریہ ص ۱۹ ج ۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۶ر جمادی الاولیٰ سنہ ۹۰ھ

تجارتی اجازت نامہ کی بیع :

سوال : حکومت کی طرف سے بعض لوگ بیرونی ممالک سے تجارتی مال لانے کا اجازت نامہ حاصل کرتے ہیں، ایک فارم ملجاتا ہے جس پر کبھی لاکھوں روپے کا مال لانے کی اجازت ملتی ہے اور کبھی ہزاروں کا۔ اب جس کو مال لانے کی استطاعت نہیں ہے یا وہ خود لانا نہیں چاہتا ہے تو وہ اجازت نامہ کا فارم فروخت کردیتا ہے، صرف نفس فارم پر کئی ہزار روپے کماتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

بیع کے لئے مبیع کا مال ہونا شرط ہے، اجازت نامہ مال نہیں اسلئے اسکی بیع جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ ۲۵ر ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۲ھ

جہالت ثمن مفسد بیع ہے :

سوال : اگر ناشر کتب فروش سے کہے کہ مثلاً ایک سیکڑہ کتابیں خرید وگے تو تینتیس فیصد اور کم از کم ایک درجن خریدو گے تو پچیس فیصد کمیشن ملے گا، پھر کتب فروش کہے کہ آپ ہمیں تھوڑی تھوڑی کتابیں دیتے رہیں اور دام یکمشت یا بالاقساط لیتے رہیں، جب ایک سیکڑہ کی تعداد خریدی جاچکے تو اس کا کمیشن دیکر لین دین مکمل کرلیں خریداری کی مدت بھی مقرر کردی جائے مثلاً تین ماہ تک یا سال بھر تک، پھر اگر کتب فروش نے مقررہ مدت میں پورا سیکڑہ نہ خریدا تو درجن کے نرخ سے کمیشن کاٹ کر حساب کردیا جائے اور پورا سیکڑہ خرید لیا تو پورا کمیشن دے دیا جائے یہ معاملہ شرعاً جائز ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

جہالت ثمن کی وجہ سے ناجائز ہے۔

قال الامام ابن الهمام رحمه الله تعالى : واما البطلان فيما اذا قال بعتكه بالف حالا وبالفين الى سنة فلجهالة الثمن (فتح القدير صـ ۸۱ جـ ۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۴ ربیع الاول سنہ ۹۳ھ

حکومت کا ضبط کردہ مال خریدنا جائز نہیں :

سوال : اسمگلنگ کا سامان حکومت ضبط کرکے نیلام کرتی ہے جس میں خورد ونوش کی چیزیں اور پوشاک وغیرہ سامان ہوتا ہے اسی طرح نہروں اور تالابوں سے حاصل کردہ مچھلیاں اور ہوائی پرندے جن کو ممانعت کے باوجود شکار کیا جاتا ہے حکومت چھین کر نیلام کرتی ہے، ان تمام چیزوں کو خریدنا اور استعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

ملک غیر ہونے کی وجہ سے ایسے سامان کا خریدنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰ جمادی الآخرہ سنہ ۹۵ھ

رنڈی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا :

سوال : رنڈی کو اپنی اشیاء مثلاً کپڑا، دودھ، مٹھائی وغیرہ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی کمائی حرام کی ہو، اور اگر اشیاء نہ دینے پر فساد کا اندیشہ ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں، نا قابل تحمل فتنہ کا خطرہ ہو تو اس سے قیمت لیکر صدقہ کردی جائے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ جمادی الآخرۃ سنہ ۹۵ھ

پگڑی لینا دینا جائز نہیں :

سوال : ایک شخص کے پاس کچھ زمین ہے، دوسرا شخص کہتا ہے کہ میں آپ کے پلاٹ پر مکان تعمیر کرتا ہوں اور تمام کمروں کی پگڑی خود لوں گا، پھر مکان آپ کو دیدوں گا، کیا شرعاً یہ جائز ہے کہ کرایہ مالک زمین وصول کرے اور پگڑی کی رقم دوسرا شخص؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

پگڑی دینا لینا ناجائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ : وفی الاشباہ لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردۃ کحق الشفعۃ (رد المحتار ص۱۵ ج ۴)

اس کی تفصیل رسالہ "ارشاد اولی الابصار الی شرائط حق العقار" میں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۲ ربیع الاول سنہ ۹۶ھ

حق سکنی وتصنیف وغیرہ کی بیع جائز نہیں :

سوال : علماء حضرت کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں :

① شامیہ میں نزول عن الوظائف کی اجازت دی ہے اور اس کو قیاس کیا ہے ایک دوسرے مسئلہ پر، پھر ایک اصول بیان کیا ہے کہ جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں دفع ضرر کے لئے نہ ہوں ان کا عوض لینا جائز ہے، جیسے قصاص، عتق الرق،

حق النکاح۔ اور جو حقوق دفع ضرر کیلئے ہوں انکا عوض لینا جائز نہیں، جیسے حق شفعہ، حق قسمت زوجات وغیرہ۔

فی الدر: وقد استخرجہ شیخ مشایخنا نور اللہ بن علی المقدسی جواز الاعتیاض عن ذلک فی شرحہ علی نظم الکنز من فرع فی مبسوط السرخسی ھو ان العین الموصی برقبتہ لشخص وبخدمتہ لاٰخر لو قطع طرفہ او شجۃ موضحۃ فادی الارش فان کانت الجنایۃ تنقص الخدمۃ یشتری بہ عبد اٰخر یخدمہ او یضم الیہ ثمن العبد لبعد بیعہ فیشتری بہ عبد یقوم مقام الاول فان اختلفا فی بیعہ لم یبع وان اصطلحا علی قسمۃ الارش بینہما نصفین فلہما ذلک ولا یکون ما یستوفیہ الموصی لہ بالخدمۃ من الارش بدل الخدمۃ لانہ لا یملک الاعتیاض عنہا ولکنہ اسقاط لحقہ بہ کما لو صالح موصی لہ بالرقبۃ علی مال دفعہ للموصی لہ بالخدمۃ لیسلم العبد لہ اھ قال فیمکن ان یتمشی ھذا للنزول عن الوظائف بمال اھ قال الحموی فلیحفظ ھذا فانہ نفیس جدا اھ وفیہ حاشیہ ان ثبوت حق الشفعۃ للشفیع وحق القسم للزوجۃ فانہ یمنع جواز اخذ العوض عنہا ثم قال ولقائل ان یقول ھذا لحق جعلہ الشارع لدفع الضرر وذلک حق فیہ صلۃ ولا جامع بینہما فافترقا (ص ۱۹ ج ۴)

اس اصول کو شرح المجلۃ میں بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ بعض لوگوں نے الحاق کیا ہے۔

ومنہم من استند فی ذلک الی الحاقہ بنظائرہ المنصوص علی جواز اخذ البدل فیہا کحق القصاص وحق النکاح وحق الرق فانہ قد جاز اخذ البدل فیہا مع انہا حقوق فالحق بہا النزول عن الوظائف ومثلہا (ص ۱۲ ج ۲)

کیا آج نزول عن الوظائف کا عوض لینے کی اجازت ہے؟ شامی کی عبارت پر عمل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر عمل نہیں ہو سکتا تو اس کی کیا وجوہ ہیں؟ پھر شامی نے جو اصول بیان کیا ہے کہ جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں ان کا عوض لینا جائز ہے اور جو حقوق دفع ضرر کے لئے ہوں ان کا عوض لینا جائز نہیں ہے، آج ہم اس اصول کو لے کر پگڑی اور حق تصنیف یعنی موجودہ مسائل پر جاری کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں

کرسکتے تو اس کی کیا وجوہ ہیں ؟

(۲) شرح المجلہ میں جو الحاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیا آج دوسرے حقوق حق تصنیف، حق سکنیٰ وغیرہ کو بھی حق القصاص، حق النکاح وحق الرق سے الحاق کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی کیا وجوہ ہیں ؟

(۳) حق المرور کی بیع میں اختلاف ہے لیکن عام مشایخ نے اس کی بیع کی اجازت دی ہے، اس کو علماً مال بتایا ہے اور ایک اصولی بات بھی بتادی :

فی الھدایۃ ووجہ الفرق بین حق المرور وحق التعلی علی احدی الروایتین ان حق التعلی یتعلق بعین لا تبقی وھو البناء فاشبہ المنافع اما حق المرور یتعلق بعین تبقی وھو الارض فاشبہ الاعیان ۔

یہ اصول نکلا کہ جو حقوق ایسے عین کے ساتھ متعلق ہوں جو کہ باقی رہیں ان حقوق کی بیع جائز ہے جبکہ دوسری کوئی شرعی قباحت نہ ہو، کیا اس اصول کو لیکر آج کے مسائل حق تصنیف، پگڑی وغیرہ پر جاری کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ امید ہے کہ مفصل جواب سے مستفید فرمائیں گے۔ بینوا توجروا ۔

الجواب باسم ملہم الصواب

حق سکنیٰ وحق تصنیف کی مروجہ بیع جائز نہیں، اس لئے کہ مصنف کا کوئی مخصوص حق ہے ہی نہیں، ہاں صرف مسودہ اس کی ملک ہے اس کو بیچ سکتا ہے ۔

سکنیٰ میں یہ تفصیل ہے کہ مالک جب مکان یا دوکان کرایہ پر دے رہا ہے تو اس کا حق سکنیٰ ختم ہوگیا، اسی طرح ایک کرایہ دار دوسرے کو کرایہ پر دیدے تو پہلے کرایہ دار کا حق سکنیٰ باطل ہوگیا۔

علاوہ ازیں مدت اجارہ معین ہونے کی صورت میں اس کے اختتام پر اور عدم تعیین کی صورت میں ہر ماہ کی انتہاء پر عقد اجارہ ختم ہوجاتا ہے، لہٰذا کرایہ دار کا حق سکنیٰ باقی نہ رہا ۔

(تفصیل کتاب الحاظر میں رسالہ "ارشاد ذوی العماد" کے ضمن میں رسالہ "القول العدل فی ..." میں ہے) ۲۲ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

مباح الاصل لکڑی کی بیع :

سوال : کسی نے دوسرے شخص سے کہا کہ یہ ایک سو روپیہ لے لو اور مجھے پانچ گٹھڑ لکڑی لادو، ہر گٹھڑ کے بیس روپے ہیں، چنانچہ وہ پہاڑ پر جا کر لکڑیاں جمع کرتا ہے اور پانچ گٹھڑ اسے مہیا کر دیتا ہے، کیا یہ بیع صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع فاسد ہے، لکون المبیع غیر مملوک للبائع ولجہالۃ محل السلم۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱ شعبان سنہ ۸۸ھ

مذاہب باطلہ کی کتب بیچنا جائز نہیں :

سوال : بندہ چھوٹی موٹی دینی کتابیں فروخت کرتا ہے، کچھ خریدار تقاضا کرتے ہیں کہ احمد رضا خان کا مترجم قرآن شریف بھی لادیں، مگر اس میں اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالی کے حق میں گستاخانہ کلمات بلکہ غلط عقائد ونظریات بھی موجود ہیں اور بھی کئی خامیاں ہیں، غالباً وہ آں محترم کے مطالعہ میں بھی آیا ہوگا، کیا ایسی فرمائش پوری کرنا میرے لئے جائز ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

جائز نہیں۔

قال اللہ تعالی : وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۰ ربیع الاول سنہ ۹۹ھ

بیع بشرط قانونی سا ہے :

سوال : میں نے کل زید سے دس ہزار میں رکشہ خریدا اور قیمت اس کو ادا کردی، بعد میں میں نے وہی رکشہ کل زید کو پندرہ ہزار میں بیچ دیا، قسط آٹھ سو روپے ماہانہ طے پائی، لیکن خرید کے وقت میں نے رکشہ پر قبضہ نہیں کیا تھا حالانکہ بائع قبضہ دینے سے منکر نہیں تھا، لیکن معاملہ اس شرط پر ہوا کہ بائع نے کہا کہ رکشہ مجھے ہی پندرہ ہزار میں بیچ دو، اس بیع کا شرعی حکم کیا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

یہ بیع فاسد ہے، اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے:

① بیچنے والا اور خریدنے والا دونوں توبہ کریں۔

② اس بیع کو ثمن اول پر فسخ کریں، یعنی آپ نے جو پانچ ہزار روپے زائد وصول کئے ہیں واپس کر دیں۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

۱۳ شوال سنہ ۹۵ھ

بیع میں یہ شرط لگائی کہ "ثمن نہیں دیا تو بیع نہیں ہوگی":

سوال: بوقت بیع بائع نے یہ شرط لگائی کہ مدت متعینہ تک ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہو گی، اس کا کیا حکم ہے؟ کیا اس شرط سے بیع فاسد ہو گی یا نہیں؟ اگر مشتری نے مدت متعینہ تک ثمن ادا نہ کیا تو بائع کو فسخ بیع کا حق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملهم الصواب

تین دن یا اس سے کم کی شرط جائز ہے، تین دن سے زائد کی شرط لگانے میں تفصیل ہے:

امام رحمہ اللہ تعالی کے یہاں مفسد عقد ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک تین دن سے زائد کی شرط بھی جائز ہے بشرطیکہ مدت متعین ہو، اگر مدت متعینہ تک مشتری نے ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہو جائے گی۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول میں اضطراب ہے۔

قال فی شرح التنویر: فان اشتری شخص شیئا علی انہ ای المشتری ان لم ینقد ثمنہ الی ثلاثۃ ایام فلا بیع صح استحسانا (الی قولہ) وان اشتری کذلک الی اربعۃ ایام لا یصح خلافا لمحمد رحمہ اللہ تعالی فان نقد فی الثلاثۃ جاز اتفاقا۔

وفی الشامیۃ: (قولہ خلافا لمحمد) فانہ جوزہ الی ما سماہ (رد المحتار ص ۴۳ ج ۴)

وفی الهندیۃ: اذا باع علی انہ ان لم ینقد الثمن الی ثلاثۃ ایام فلا بیع بینہما فالبیع جائز وکذا الشرط هکذا ذکر محمد رحمہ اللہ تعالی فی الاصل وهذہ المسئلۃ علی وجوہ اما ان لم یبین الوقت اصلا بان قال علی انک ان لم تنقد الثمن فلا بیع بیننا او بین وقتا مجهولا بان قال علی انک ان لم تنقد الثمن ایاما او وقت

هذا إذا لم يبين فالعقد فاسد وإن بين وقتاً معلوماً فإن كان ذلك الوقت مقدار ثلاثة أيام أو دون ذلك فالعقد جائز عند علمائنا الثلاثة رحمهم الله تعالى وإن بين المدة أكثر من ثلاثة أيام قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى البيع فاسد وقال محمد رحمه الله تعالى البيع جائز كذا في المحيط (عالمگیریة ص ۴۳ ج ۳)

وقال ابن نجيم رحمه الله تعالى: (قوله ولو باع على أنه إن لم ينقد الثمن إلى ثلاثة أيام فلا بيع صح وإلى أربعة لا) أي لا يصح يعني عندهما وقال محمد رحمه الله تعالى يجوز إلى ما سماه والأصل فيه أن هذا في معنى اشتراط الخيار إذ الحاجة مست إلى الانفساخ عند عدم النقد تحرزاً عن المماطلة في الفسخ فيكون ملحقاً به (إلى قوله) وما ذكره من أن أبا يوسف رحمه الله تعالى مع الإمام رحمهما الله تعالى في قوله الأول وقد رجع عنه والذي رجع إليه أنه مع محمد رحمهما الله تعالى كذا في غاية البيان وفي شرح المجمع الأصح أنه مع أبي حنيفة رحمه الله تعالى وكثير من المشايخ حكموا على قوله بالاضطراب وظاهر هذا الشرط أن المشتري إذا لم ينقد الثمن في المدة فإن البيع ينفسخ لقوله فلا بيع بينهما وفي الخانية والمحيط ويفسخ البيع إن لم ينقد (البحر الرائق ص ۱۹ ج ۶)

بحکم فقدان دیانت کی تیسیر سے قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق عمل کی گنجائش ہے بالخصوص جبکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک قول بھی اس کا مؤید ہے لہٰذا مشتری نے متعین مدت تک ثمن ادا نہ کیا تو بیع فسخ ہو جائے گی بلکہ بدون شرط بھی جب مشتری سے ثمن وصول کرنا متعذر ہو جائے تو بائع کو فسخ بیع کا حق ہے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالى لأنه تعذر استيفاء الثمن من المشتري فات رضاء البائع فيستبد بفسخه (هداية ص ۴۲ ج ۳) والله سبحانه وتعالى أعلم.

۲۱ صفر سنہ ۱۴۰۰ھ

حکومت کی طرف سے الاٹ شدہ زمین کا حکم:

سوال: آجکل جو زمینیں زرعی اصلاحات کے تحت حکومت پاکستان زمینداروں اور کسانوں کو قسط وار الاٹ کر رہی ہے، جس کی مقررہ قسطیں بیس سال میں ختم ہوں گی، تمام قسطیں ادا کرنے کے بعد زمیندار زمین کا مالک بنے گا، اس سے پہلے اسکو صرف

آباد کرنے کا حق ہوگا، بیچنے یا ہبہ وغیرہ کرنے کا حق حاصل نہیں، لیکن اب ہو یہ رہا ہے کہ تمام قسطیں ادا کرنے سے پہلے ہی زبانی یا جعلی دستاویزات کے ذریعہ ایسی زمینوں کی بیع وشراء ہو رہی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ اور اس بیع کی وجہ سے مشتری بعد القبض زمین کا مالک بنے گا یا نہیں؟ اور بائع رقم وصول کرنے کے چند سال بعد اپنے نام پر الاٹ ہونے کی بناء پر مشتری سے زمین واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی زمین میں میراث جاری ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

یہ بیع بالشرط ہونے کی وجہ سے فاسد ہے اور قبض مشتری کی وجہ سے اس کی ملک ہے اور بیع ثانی صحیح ہے۔ مشتری ثانی کی رضا کے بغیر اس کی واپسی جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۸ شعبان سنہ ۱۴۰۰ھ

شیعہ، قادیانی وغیرہ زنادقہ سے بیع وشراء و دیگر معاملات جائز نہیں:

سوال: شیعہ اور قادیانیوں کے ساتھ تجارت میں اشتراک اور خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

شیعہ اور قادیانی زندیق ہیں، اس لئے ان کے ساتھ تجارت میں اشتراک، بیع وشراء اور اجارہ واستیجار وغیرہ کسی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں۔

ہر وہ شخص جو عقائد کفریہ کا برملا اعلان کرتا ہو اور ان کو اسلام قرار دیتا ہو اس کو اصطلاح شرع میں "زندیق" کہا جاتا ہے، جیسے شیعہ، قادیانی، آغاخانی، ذکری، پرویزی اور انجمن دینداران وغیرہ، ان سب کا یہی حکم ہے کہ ان سے کسی قسم کا بھی لین دین اور کوئی تعلق رکھنا جائز نہیں۔

واللہ ہو العاصم من الکفر فی الاسلام۔

۷ ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۳ھ

ان زنادقہ کے احکام جلد اول کتاب الایمان والعقائد اور جلد ششم باب المرتد والبغاۃ میں بھی ہیں اور زیادہ تفصیل کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے۔

القول المبرهن
فی
کراهة بیع الرادیو والتلویزن
ریڈیو اور ٹیلیویژن کی خرید و فروخت
اور
مرمت کے عدم جواز پر مفصل و مدلل تحریر

القول المبرهن

- ریڈیو اور ٹیلیویژن کی بیع اور مرمت
- بیع الجارية المغنية والكبش النطوح والديك المقاتل والحمامة الطيارة
- بيع الأمرد ممن يلوطي
- بيع الحديد لأهل الحرب
- بيع السلاح لأهل الفتنة
- بيع العصير لمن يتخذه خمرا
- اجارة البيت للكنيسة
- تفسير ما لا تقوم المعصية بعينه

الجواب باسم ملهم الصواب

چونکہ ریڈیو اور ٹیلیویژن کی تجارت اور مرمت میں ابتلاء عام ہے نیز بعض علماء اسے جائز بھی بتا رہے ہیں اس لئے بندہ ایک عرصہ سے اس تلاش میں ہے کہ کتب مذہب میں اس کی کہاں تک گنجائش نکل سکتی ہے، چنانچہ گزشتہ چند سالوں میں میں نے عامۃ المسلمین کی ہمدردی اور ان کے ابتلاء شدید کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ پر متعدد بار غور کیا اور مختلف مقامات سے عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا بغور مطالعہ کیا، اس لئے اس مسئلہ کو ذرا تفصیل سے لکھنے کی ضرورت ہے، ظاہر ہے کہ ان جدید مصنوعات کا صراحۃً ذکر تو عبارات فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں نہیں مگر ان کی نظائر باب البغاۃ، کتاب البیوع، کتاب الغصب اور کتاب الحظر والاباحۃ میں ملتی ہیں ان میں سے بقدر ضرورت عبارات نقل کی جاتی ہیں۔

فی العلائیۃ ویکرہ تحریما بیع السلاح من اہل الفتنۃ ان علم لانہ اعانۃ علی المعصیۃ وبیع ما یتخذ منہ کالحدید ونحوہ یکرہ لاہل الحرب لا لاہل البغی لعدم تفرغہم لعمل السلاح لقرب زوالہم بخلاف اہل الحرب، زیلعی. قلت وافاد کلامہم ان ما قامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریما والا فتنزیہا، نہر. وفی الشامیۃ (قولہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ) لانہ یقاتل بعینہ بخلاف ما لا یقاتل بہ الا بصنعۃ تحدث فیہ ونظیرہ کراہۃ بیع المعازف لان المعصیۃ تقام بہا عینہا ولا یکرہ بیع الخشب المتخذۃ ہی منہ وعلی ہذا بیع الخمر لا یصح ویصح بیع العنب والفرق فی ذلک کلہ ما ذکرنا فتح ومثلہ فی البحر عن البدائع وکذا فی الزیلعی لکنہ قال بعدہ وکذا لا یکرہ بیع الجاریۃ المغنیۃ والکبش النطوح والدیک المقاتل والحمامۃ الطیارۃ لانہ لیس عینہا منکرا وانما المنکر فی استعمالہا المحظور اھ قلت لکن ہذہ الاشیاء تقام المعصیۃ بعینہا لکن لیست ہی المقصود الاصلی منہا فان عین الجاریۃ للخدمۃ مثلا والغناء عارض فلم تکن عین المنکر بخلاف السلاح فان المقصود الاصلی منہ ہو المحاربۃ بہ فکان عینہ منکرا اذا بیع لاہل الفتنۃ فصار المراد بما تقام المعصیۃ بہ ما کان عینہ منکرا بلا عمل صنعۃ فیہ فخرج نحو الجاریۃ المغنیۃ لانہا لیست عین المنکر ونحو الحدید والعصیر لانہ وان کان یعمل منہ عین المنکر لکنہ بصنعۃ تحدث فلم یکن عینہ ح فصل وظہر ان بیع الامرد ممن یلوط بہ مثل بیع الجاریۃ المغنیۃ فلیس مما تقوم المعصیۃ بعینہ خلافا لما ذکرہ المصنف والشارح

امور بالا میں سے صرف جاریہ مغنیہ اور امرد کی بیع میں اختلاف ہے، مگر آخر بحث اور دلیل کی قوت تو کلیۃً حرمت کی مقتضی ہے، اس بارہ میں امور ذیل قابل غور ہیں:

① رجل کو بیع امرد پر مجبور کرنا دلیل ہے کہ اس کے ہاتھ بیچنا بطریق اولیٰ ناجائز ہوگا۔

② قول بحر "لانہ تسبب فی الاعانۃ" پر حموی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کافی ہے: مقتضاہ ان من باب الغوایۃ یقتضی حمل الکراھۃ علی التحریم لان التسبب الی الاعانۃ قریب من الحرام فلا یکون خلاف الاولیٰ وذکرہ الرافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کذا فی ...

③ جاریہ مغنیہ اور امرد کو "مما لا تقوم بہ المعصیۃ" میں داخل کرنا بہت بعید ہے اور زیر بحث میں "ما تقوم بہ المعصیۃ" کی جو تشریح کی گئی ہے اس میں اس کا دخول بھی بعید ہے، "ما تقوم بہ المعصیۃ" کی یہ تفسیر کہ شراء سے مقصود ہی صرف معصیت میں استعمال کرنا ہو کسی سے منقول نہیں، صرف علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے زیلعی پر وارد ہونے والے اشکال کے حل کی خاطر باب البغاۃ میں یہ تفسیر کی ہے مگر یہ تفسیر کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں، اسی لئے خود علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس پر مطمئن نہیں، چنانچہ کتاب الحظر والاباحۃ میں اپنی سب سے آخری تحقیق میں اس کے خلاف واضح فیصلہ فرما دیا ہے اور ان اشیاء کو "مما تقوم المعصیۃ بعینہ" قرار دیا ہے۔

اب رہا علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ اشکال کہ جاریہ مغنیہ اور اجارۃ البیت میں وجہ الفرق ظاہر نہیں۔

بندہ کے خیال میں ان دونوں میں وجہ الفرق یہ ہے کہ بیت آلۂ معصیت نہیں بلکہ ظرف معصیت ہے، بیت گناہ میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ بیت میں گناہ ہوتا ہے جس طرح فاسق کے پاس لباس بیچنا اس لئے جائز ہے کہ لباس گناہ میں استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ لباس میں گناہ کیا جاتا ہے، لباس تو زینت اور حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اس میں گناہ کرنا امر زائد ہے، اسی طرح بیت کا استعمال بھی زینت اور حفاظت کے لئے ہے اس میں معصیت امر زائد ہے، اگر بیت کو "مما تقوم المعصیۃ بعینہ" میں دخول تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس میں ایک فرق موجود ہے وہ یہ کہ صورت مسئلہ اجارۃ البیت من الکافر کی ہے اور وہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں،

غرضیکہ جاریہ مغنیہ میں راجح قول کراہت تحریمیہ کا ہے، جبکہ امرد کی بیع کی حرمت

متفرقات البیوع

اولاد کو زمین دیکر اس میں تصرف کرنا :

سوال : ایک شخص نے اپنی زندگی میں زرعی زمین حصہ حصہ کرکے اپنی بیٹیوں کے نام پر اسٹامپ لکھوا دیا کہ چار ہزار روپے کے عوض میں نے اپنی بالغ بچیوں کے ہاتھ اسے فروخت کردیا، پھر ثمن اپنے قبضہ میں نہیں لیا بلکہ بچیوں کو ہی بخش دیا اور زمین مذکور کو بدستور اپنے قبضہ میں رکھا حتی کہ آخر میں اس زمین میں سے ایک حصہ مسجد کے نام پر وقف کردیا۔ بچیوں نے باوجود معلوم ہونے کے اپنے والد پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اور نہ ہی اب نے اس کی رقم بچیوں کے حوالہ کی تو کیا شرعاً اس شخص کا اس طرح بالغ بچیوں کے ہاتھ فروخت کرکے اپنے ہی قبضہ اور تصرف میں رکھنا اور اس کے بعد دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور وصیت کرکے وقف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اگر بچیوں کو اس بیع کا علم نہیں تھا اور باپ نے اپنے طور پر ہی یہ کام کیا یا انہیں علم تھا مگر انہوں نے اسے قبول نہیں کیا تھا یا قبول تو کرلیا تھا مگر شروع سے ہی باپ نے ظاہر کردیا تھا کہ یہ محض صورت بیع ہے حقیقت میں تم سے کوئی رقم وغیرہ نہیں لینا چاہتا تو ان صورتوں میں بیع نہیں ہوئی، لہذا باپ کے تصرفات شرعاً صحیح ٹھہرے، البتہ اگر اس وقت واقعۃً بیع ہی مقصود تھی اور بچیوں نے اسے قبول بھی کرلیا تھا مگر بعد میں باپ نے قیمت معاف کردی تو یہ زمین بچیوں کی ملک ہے، اس میں باپ کا کوئی تصرف بدون ان کی اجازت کے معتبر نہیں ہوگا، ہاں اگر باپ صاحب حاجت ہو تو وہ بقدر ضرورت اپنی اولاد کے مال سے لے سکتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۱۵ جمادی الثانیہ سنہ [illegible]ھ

مبیع کو دیکھتے وقت مشتری کے ہاتھ سے ضائع ہوگئی :

سوال : زید عمرو کی دکان پر پنکھا خریدنے گیا، ایک پنکھے کی طرف اشارہ کرکے

قیمت پوچھی، عمرو نے کہا ڈیڑھ روپیہ، زید نے کہا دکھاؤ تو سہی، قیمت بعد میں طے کرلیں گے، عمرو نے تھما دیا، اس نے ہلا کر دیکھا تو اتفاق سے اس کے کچھ دانے ٹوٹ گئے، اب عمرو اس کی قیمت طلب کرتا ہے، زید کہتا ہے کہ ابھی تو بیع ہی نہیں ہوئی تھی۔ سوال یہ ہے کہ کیا قیمت زید پر آتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

مشتری کے جملہ ”دکھاؤ تو سہی“ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کنگھا خریدنے پر راضی نہیں ہوا تھا بلکہ دیکھنے کے بعد اس نے رضا یا عدم رضا کا فیصلہ کرنا تھا، لہٰذا زید پر ضمان نہیں آئے گا۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قلت وبیان ذلک ان نفس الاخذ لا یلزمہ الضمان اذا رضی بالاخذ وبالثمن المسمی علی وجہ الشراء فاذا سمی الثمن البائع وتسلم المشتری الثوب علی وجہ الشراء یکون راضیا بذلک کما انہ اذا سمی ھو الثمن وسلمہ البائع ثم یکون راضیا بذلک فکأن التسمیۃ صدرت منھما معا بخلاف ما اذا اخذہ علی وجہ النظر لانہ لا یکون بذلک راضیا بالشراء بالثمن المسمی قال فی القنیۃ سمع من ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ قال لہ ھذا الثوب لک بعشرۃ دراھم فقال ھاتہ حتی انظر فیہ او قال حتی اریہ غیری فاخذہ علی ھذا وضاع لا شیء علیہ ولو قال ھاتہ فان رضیتہ اخذتہ فضاع فھو علی ذلک الثمن اھ قلت ففی ھذہ وجدت التسمیۃ من البائع فقط لکن لما قبضہ المشتری علی وجہ الشراء فی الصورۃ الاخیرۃ صار راضیا بالتسمیۃ ایضا فکأنھا وجدت منھما اما فی الصورۃ الاولی والثانیۃ فلم یوجد القبض علی وجہ الشراء بل علی وجہ النظر منہ او من غیرہ فکان امانۃ عندہ فلم یضمنہ ثم قال فی القنیۃ اخذ منہ ثوبا وقال ان رضیتہ اشتریتہ فضاع فلا شیء علیہ وان قال ان رضیتہ اخذتہ بعشرۃ فعلیہ قیمتہ ولو قال صاحب الثوب ھو بعشرۃ فقال المساوم ھاتہ حتی انظر الیہ وقبضہ علی ذلک وضاع لا یلزمہ شیء اھ قلت ووجھہ انہ فی الاول لم یذکر الثمن من احد الطرفین فلم یصح کونہ مقبوضا علی وجہ الشراء وان صرح المساوم بالشراء وفی الثانی لما صرح بالثمن علی وجہ الشراء صار

مضمونا وفي الثلث وان صرح البائع بالثمن لكن لم يساوم قبضه على وجه النظر لا على وجه الشراء فلم يكن مضمونا وبهذا ظهر الفرق بين المقبوض على سوم الشراء والمقبوض على سوم النظر فافهم واغتنم تحقيق هذا المحل (رد المحتار ص[illegible] ج ۴)

مگر یہ حکم اس صورت میں ہے کہ زید نے احتیاط کے ساتھ شیشے کو ہاتھ لگایا ہو یا معتاد طریقے سے استعمال کرکے دیکھا ہو پھر بھی وہ ٹوٹ گیا ہو۔ اگر زید نے گلاس استعمال کرنے میں احتیاط نہیں برتی، بلکہ بے احتیاطی سے ٹوٹ گیا تو اس پر ضمان آئے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۴ ذی قعدہ سنہ ۹۵ھ

ڈپو ہولڈر مقررہ قیمت کا پابند ہے:

سوال: ڈپو ہولڈر کو مقررہ قیمت کی پابندی کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

ڈپو ہولڈر کا حکومت سے عہد ہوتا ہے کہ وہ مقررہ قیمت پر فروخت کریگا، اسلئے حکومت اسے رعایت دیتی ہے، لہٰذا اس عہد کی خلاف ورزی جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۹ ذی قعدہ سنہ ۹۵ھ

ایک شریک نے ادائے ثمن سے انکار کردیا:

سوال: زید وبکر نے معاہدہ کیا کہ دونوں مل کر فلاں کمپنی سے زمین خریدیں، چنانچہ دونوں نے حسب معاہدہ کچھ رقم جمع کی اور قسطوں پر زمین خریدی، ابھی دو قسطیں باقی ادا کرنی تھیں کہ بکر نے مزید رقم دینے سے انکار کردیا، اس صورت میں زید اسکا پابند ہے کہ وہ بکر کی دی ہوئی رقم واپس کرے جو زید نے اپنی رقم کے ساتھ ملا کر کمپنی کو دی تھی یا اپنی گرہ سے ادا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب باسم ملہم الصواب

اس رقم کی واپسی زید کے ذمہ نہیں، البتہ اگر زید نے کل زمین خریدلی اور بکر کی ادا کی ہوئی رقم بھی اپنے حساب میں کمپنی کو ادا کردی تو زید پر یہ رقم قرض ہوگی، لہٰذا وہ

اس کا پابند ہوگا کہ یہ رقم بکر کو واپس کرے۔

زید کو یہ بھی اختیار ہے کہ بکر کے حصہ کی رقم بھی ادا کرکے پوری زمین اپنے قبضہ میں لے لے اور پھر بکر کو اس کا حصہ اس وقت تک نہ دے جب تک اس سے اس کی پوری قیمت وصول نہ کرلے۔

قال الامام النسفی رحمہ اللہ تعالی: ولو غاب احد المشتریین فللحاضر دفع کل الثمن وقبضہ وحبسہ حتی ینقد شریکہ (کنز الدقائق ص[illegible])

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۰ رجب سنہ ۹۸ھ

بیع سے انحراف پر جرمانہ:

سوال: بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یہاں یہ دستور ہے کہ مثلاً کسی پلاٹ یا مکان کی خریداری کا معاہدہ ایک لاکھ روپے میں ہوا تو خریدار بائع کو فوراً چار ہزار روپے بطور بیعانہ پیشگی دے دیتا ہے، جس سے سودے کی بات پکی ہوجاتی ہے، اس کے کچھ دن بعد رجسٹری ہوجاتی ہے، بعد ازاں اگر خریدار معاہدہ سے منحرف ہوجائے اور بقیہ رقم ادا نہ کرے تو بیعانہ کی رقم ضبط کرلی جاتی ہے اور اگر بائع منحرف ہوجائے تو وہ خریدار کو بیعانہ کی رقم دوگنی کرکے واپس کرتا ہے، کیا شرعاً یہ دستور جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب باسم ملہم الصواب

معاہدہ کی پابندی فریقین پر ضروری ہے، منحرف ہونے والے فریق کو ایفاء معاہدہ پر مجبور کیا جاسکتا ہے، مگر بیعانہ ضبط کرنا یا بائع سے دوگنا وصول کرنا جائز نہیں، اس مسئلہ کی تفصیل رسالہ "تحریر المقال فی التعزیر بالمال" مندرجہ "احسن الفتاوی" جلد پنجم میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

۲۶ رمضان سنہ ۹۹ھ

دوست دشمن سب ترے مجذوبؔ قائل ہیں مگر
کوئی قائل بے زباں سے کوئی قائل دل میں ہے
مجذوبؔ

انوار الرشید

فقیہ العصر، شیخ الحدیث، مفتی اعظم
حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم
کے

نصیحت آموز و بصیرت افروز حالات و ارشادات
جنکے مطالعے سے بیشمار لوگوں کی زندگیوں میں ایسا انقلاب عظیم
آگیا کہ وہ دنیا ہی میں جنت کے مزے لے رہے ہیں۔

اضافات کیساتھ پانچ ضخیم جلدوں میں

ایچ ایم سعید کمپنی
ادب منزل پاکستان چوک کراچی